رجسٹرڈ نمبر اے ۳۰۸۶

زیر حمایت حضرت ظل اللہ حضور پر نور سرکار سلطان السلطین شہریار دکن و برار خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

حضرت خواجہ خواجگان الہند سنجری اجمیری علیہ الرحمہ

شاہ است حسین بادشاہ است حسین
دین است حسین دین پناہ است حسین
سر داد و نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

اسلامی دنیا کا حسین نمبر

بابت ماہ مارچ و اپریل سنہ ۱۹۳۶ء

مدیر
ڈاکٹر ایس عنایت علی شاہ نقوی



A gathering of the shias of Badaun on the 9 th of moharram 1330 A. H. in bagh Mirwala in connection with the annual majlis of Maulana Liqai Ali Haidari. Agha Sh. Nasrullah Nihwandi sitting in the centre. To his right sitting His Eminience Maulana Haidari & on the left M. H. Mohd Wilai Ali.

For particulars please see the reverse

جناب مولانا مولوی محمد لقا علی حیدری صدر انجمن عجائبیہ بدایوں کی ایک مجلس کے حاضرین کا گروپ

(جو امام باڑہ باغ میر والا میں ۹ محرم سنہ ۱۳۰۰ھ کو مسجد کے شمال مغرب میں لیا گیا)

پہلی بیٹھی ہوئی لین زمین پر الٹی طرف سے سیدھی طرف کو

بچے اور مولوی مطیع احمد حیران۔ مرزا عاشق حسین فرخ آبادی۔ مولوی نبی رضا۔ مولوی محمد ولاد علی۔ آغا شیخ نصر اللہ نجفی مجتہد۔ مولوی محمد لقا علی حیدری۔ مولوی علی اکبر حسین۔ مولوی محمد حیدر۔ مولوی زوار حسین۔ مولوی ضیا شبر۔ بابو رعایت احمد۔ سید ذاکر حسین مرادآبادی۔ مولوی باقر حسین۔

دوسری بیٹھی ہوئی لین زمین پر الٹی طرف سے سیدھی طرف کو

بچے اور حکیم قاسم حسن۔ حکیم فیاض احمد۔ حکیم معطر حسین۔ حکیم مقبول حسین۔ منشی تجمل حسین۔ حکیم کاظم رضا۔ منشی علی حسین۔ سید محمد حسین جونپوری۔ منشی علی افضل۔ مولوی یاد حسین۔ سید محمد تقی۔

تیسری بیٹھی ہوئی لین زمین پر الٹی طرف سے سیدھی طرف کو

بچے اور مرزا محمد تقی قزلباش مرادآبادی۔ قاضی مخدوم حسین۔ قاضی رئیس اعظم۔ مولوی قاضی علی رشید حسین۔ منشی کربلائی حسین۔ منشی عطا علی۔ حکیم رضوان احمد۔

بیٹھی ہوئی لین کرسیوں پر الٹی طرف سے سیدھی طرف کو

منشی لیاقت علی تاباں۔ مولوی اسمٰعیل الرضا۔ مولوی ابو جعفر۔ حکیم محفوظ حسین۔ سید مبارک علی۔ قاضی معصوم حسین۔ مولوی عاشق حسین۔ بخشی قاسم علی۔ قاضی لقا عباس۔ حکیم نذر احمد۔ قاضی ولایت حسین۔ قاضی رضا عباس۔ حکیم منقاد الرضا۔ حکیم تکرم حسین۔ حضرت مولانا شیخ جعفر حسین صاحب پیش نماز۔ حکیم مولوی جعفر حسن۔ شمس الاطبا حکیم مولوی محمد مظہر حسین۔ امجد الافاضل مولوی علی امجد حسین امجد۔ شیخ محمد قاسم علی۔ منشی سردار خاں۔ مولوی کریم عالم۔ مولوی محمد فدا حیدر۔ منشی ابو القاسم۔ منشی سعادت علی۔ مولوی محمد ولایت علی قطب۔

پہلی لین کرسیوں کے پیچھے کھڑی ہوئی الٹی طرف سے سیدھی طرف کو

بچے اور بیرونی اصحاب۔ غلام حسین نو مسلم۔ محب علی۔ شیخ منصور علی۔ نظیر حسین۔ سید تصدق علی۔ منشی الطاف حسین۔ منشی غلام عباس۔ قاضی منظور حسین۔ مولوی افضال احمد بسمل۔ منشی غلام رضا۔ مولوی ضیاء محمد ضیا۔ منشی عنایت احمد حیرت۔ منشی حسن افضل۔ سید محمد اکرام عالم۔ مولوی ابو الحسنین محمد رضا۔ مولوی ضیاء حیدر ثریا۔ قاضی علی مظاہر الزماں مظاہر۔ سید مظہر علی۔ منشی عطا حسین عرف عطو۔ سید ظفر یاب حسین بجنوری۔ سید عاشق علی۔ قاضی عزیز الرحمان۔ منشی شرافت علی عرف شبیہ علی۔

دوسری لین کرسیوں کے پیچھے کھڑی ہوئی الٹی طرف سے سیدھی طرف کو

شیخ نواب علی۔ حکیم عابد حسین۔ سید اعجاز حسین امروہی۔ سید وارث علی غازی پوری۔ قاضی ضیاء الحسن۔ منشی اجمل حسین۔ منشی حضور عالم۔ سید قربان علی۔ حکیم مبین الرضا۔ منشی شفیع احمد۔ حکیم طفیل احمد۔ منشی فدا حسین۔ حکیم طاہر حسن۔ منشی علی حسنین رضا۔ منشی علی طالب حسین۔ شیخ جواد علی پہلوان۔ مولوی صابر حسین۔

تیسری لین کرسیوں کے پیچھے کھڑی ہوئی الٹی طرف سے سیدھی طرف کو

بعض بیرونی اصحاب۔ ضیاء الدین بریلوی۔ قاضی بادشاہ رضا۔ مولوی علی ماجد حسین۔ منشی زاہد حسین۔ مفتی علی اکرم حسین۔ مولوی محمد اقتدار عالم۔ شیخ عسکری حسن۔ واجد علی عرف چھٹو۔ قاضی غلام جعفر حسین۔ مرزا عطا علی بیگ۔ بابو محمد تقی۔ حکیم مدارج رضا۔ سید مرتضیٰ حسین بجنوری۔ منشی علی محمد۔ منشی انوار حسین۔

نوٹ: بعض بچوں کے جو اس گروپ میں شریک ہیں نام نہیں لکھے جا سکے کیونکہ امتداد زمانہ نے صورتیں تبدیل کر دی ہیں اور بعض ایسے نام لکھنے سے معذور رہا کہ جن کی صاف و پوری شبیہ گروپ میں نہیں ہے یا جو بسلسلہ ملازمت بدایوں میں تھے مگر میں ان کے نام سے واقفیت نہیں رکھتا یا غیر متعلق تھے۔ (حسن افضل)

چندہ سالانہ للعہ

بیرون ہند ۔/ے

حسین نمبر

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ

اسلامی دنیا

زیر سرپرستی حضرت قمر الواعظین لسان الملۃ ناصر الشریعۃ مولانا مولوی محمد لقار علی حیدری مدظلہ العالی

مدیر مسئول حکیم ڈاکٹر سید عنایت علی شاہ نقوی۔ ڈی۔ آئی۔ ایم۔ ایس (ہیڈلسٹ) ایچ۔ ای۔ ایچ۔ پی لکھنؤ

جلد ۲ | فہرست مضامین بابت ماہ مارچ و اپریل سنہ ۱۹۳۸ء | نمبر ۱ و ۲

۷۸۶

افتتاحیہ

رسالہ "اِسلامی دُنیا" کا دوسرا سال شروع ہو رہا ہے۔ مارچ ۱۹۳۷ء میں اس رسالہ کا اجرا ہوا تھا اور کون جانتا تھا کہ ایک سال کے قلیل عرصہ میں ایک ایسے رسالہ کو جس کا سرپرست مجھ ایسا کمزور اور بے بضاعت انسان ہو وہ کامیابی حاصل ہو گی جس کی مثال رسالہ کے ہمعصروں میں مشکل سے ملے گی مجھے تو اس کا یقین تھا اور ابھی میری امیدیں بہت زیادہ ہیں اور عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جبکہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ رسالہ اپنے نصب العین کو بدرجہ کمال پورا کر سکے گا۔ یہ سب صدقہ اور طفیل ہے اس خاصہ باری کا جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحِ رواں۔ سرورِ قلب اور میوہ دل ہے۔ جس کا نامِ نامی حسین ابن علی اور لقب "الشہید المظلوم" ہے۔ جن حضرات کو میری مصروفیت کا علم ہے وہ کہہ سکتے ہیں کہ ایسی مصروفیت کا انسان اس بارِ عظیم کا متحمل نہیں ہو سکتا اور اگر کوئی شخص ہمت کرے تو صرف ہمت ہی ہمت ہو گی۔ مجھے اعتراف ہے کہ دورانِ سال میں بے قاعدگی بہت رہی۔ اشاعت میں اکثر دیر ہوئی۔ اور طباعت اور کتابت میں بھی اکثر سقم رہا۔ لیکن مجھے اُمیدِ واثق ہے کہ یہ دوسرا سال انشاء اللہ پہلے سال سے ہر اعتبار سے بہتر ہو گا۔ رسالہ جن اغراض و مقاصد کو ساتھ لیکر عالم وجود میں آیا ہے انشاء اللہ اُنکی تکمیل میں اور زیادہ کوشش کی جائے گی اور دفتر کا انتظام بھی زیادہ باقاعدہ رہے گا۔ مضامین بھی ملک کے مشاہیر نے مرحمت فرمانے کا وعدہ کیا ہے ہر ماہ میں ایک نامی مضمون اُردو و انگریزی میں شایع ہوا کریگا جس کے مقابلہ کے واسطے ملک کے ہر گوشہ سے صاحبانِ قلم شرکت فرمائینگے۔

اس رسالہ کو کامیاب بنانے میں جن حضرات نے میری مدد فرمائی ہے میں اُن کا صرف دلی شکریہ ہی ادا نہیں کرتا بلکہ درگاہ بے نیاز میں بصمیم قلب اُن کے واسطے خیر و برکت کی دُعا کرتا ہوں اور کرونگا۔ خداوند عالم قبول فرمائے۔

جن معاصرین نے اپنے اخبار و رسائل تبادلہ میں بھیجے ہیں اُن کا شکریہ۔ جن حضرات نے رسالہ کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے اُن کا بھی شکریہ اور جن حضرات نے قابلِ ریویو نہ سمجھ کر خاموشی اختیار کی اُنکا بھی شکریہ۔

میں نے بارہا مختلف مقامات پر زبانی عرض کیا ہے اور آج پھر نہایت صاف لفظوں میں عرض کرتا ہوں کہ جو حضرات اس رسالہ کو مذہب اہلبیت کا سچا خادم تصور فرما کے اس کی خریداری منظور فرما چکے ہیں یا آئندہ منظور فرمائیں خداوند عالم ان کو جزائے خیر دے۔ جن حضرات کو ذرہ برابر بھی تردد و تامل ہو وہ زحمت نہ فرمائیں نہ کسی کو زبردستی خریدار بنانے کی کوشش ہے نہ آئندہ ہو گی۔ نہ کنولسینگ کیا گیا ہے نہ کیا جائے گا۔ حتی المقدور اشتہار بازی سے احتراز رہے گا۔ جو اشتہارات اخلاق سے گرے ہوئے نہ



حضور پرنور اعلحضرت عالیجاہ فرزنددلپذیر دولت انگلشیہ
مخلص الدولہ ناصرالملک امیرالامرا ہز ہائینیس نواب
سر سید محمد رضاعلی خاں صاحب بہادر کے-سی-ایس-آئی
فرمانروائے رامپور دام ملکہم

Popular Press Delhi.



عالیجناب مولوی سید اولاد حسین صاحب
شاعر مصاحب خاص
حضور پر نور نواب صاحب بہادر رامپور



S. Mohd. Zahid Esq.
B. A. (Oxon.)
P. C. S.
City Magistrate, Agra.

ہوں گے اور جن کی اشاعت مذہب اور قوم کے واسطے مفید ہوگی اُن سے بے پروائی بھی نہ برتی جائے گی۔ اس رسالہ میں (خصوصی نمبر میں) اشتہارات کی گنجایش تھی لیکن مشکل سے دو تین اشتہار نظر آئینگے۔ اس کے واسطے خاص کدوکاوش کی ضرورت ہے جس کی نہ فکر ہے نہ مجھ سے ممکن۔ جو صاحب اشتہار بھیجیں گے اور رسالہ کے معیار سے گرا ہوا نہ ہوگا وہ بلا تکلف چھاپا جائے گا اور اُجرت طبع نہایت مناسب ہوگی جو ہر جگہ کے مقابلہ میں ارزاں ہوگی۔

ناظرین اسلامی دُنیا یقیناً جناب مولوی سید امیر حسن صاحب طالب ثراہ (تعلقدار حیدرآباد) کے نام نامی سے واقف ہوں گے۔ موصوف نواب محسن الملک بہادر کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے۔ نواب محسن الملک بہادر کی "آیات بینات" کے متعلق عوام کا یہ خیال تھا کہ مذہب شیعہ کی رد میں یہ کتاب بے نظیر ہے اور بعض کو یہاں تک حسن ظن تھا کہ کتاب لاجواب ہے اور لاجواب رہے گی۔ اگرچہ اس کتاب کے متعدد جوابات صاحب آیات بینات کی حیات ہی میں شایع ہو کر دُنیا کو عوام فریبی سے بری و بیباک بچا چکے تھے لیکن مولانا سید امیر حسن صاحب مرحوم نے "آیات محکمات" تین جلد میں لکھ کر اُن تمام لاجواب کہنے والوں کو لاجواب کر دیا۔ آیات محکمات در اصل آیات محکمات کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے اور اسم بامسمیٰ ہے۔ بڑے بھائی کے ادب کو ہر موقع پر ملحوظ رکھتے ہوئے اس طرح سے ہر شبہ کا ازالہ کیا ہے کہ کسی شخص کو مجال انکار نہ رہے گی۔ "آیات محکمات" کے فاضل مولف سے خاکسار کو خاص طور پر نیاز حاصل تھا۔ اور طبع سے پہلے اکثر مقامات کو مجھے موصوف نے سُنایا تھا۔ جن حضرات نے اب تک آیات بینات کا نام سُنا ہے اُن کو لازم ہے کہ آیات محکمات خریدیں اور اصل کتاب اور اس کے حسین و متین اور اطمینان بخش جواب کو ملاحظہ فرما کے مولف مرحوم کو سورۂ فاتحہ پڑھ کر داد دیں۔

ترجمہ

نور العین فی مشہد الحسین

(از حضرت قمر الواعظین مدظلہ العالی)

(گزشتہ سے پیوستہ)

گزشتہ چند نمبروں میں اس ترجمہ کا حصہ پیش نہیں کیا گیا تھا۔ حضرت سید الشہدا علیہ السلام کی نام نامی اور اسم گرامی کے ساتھ مارچ اور اپریل کا رسالہ منسوب کیا گیا ہے لہذا علامہ ابو اسحٰق کی مستند کتاب سے بھی اس نمبر میں اقتباس ضروری تھا۔ اگرچہ علامہ مذکور کی تحقیقات سے ہم کو اکثر و بیشتر اتفاق نہیں ہے لیکن ان نام نہاد مسلمانوں کے واسطے علامہ موصوف کے زور قلم کا نتیجہ ضرور اطمینان بخش ہوگا جو علامہ ایسے تمام افراد پر ایمان رکھتے ہیں ایسے حضرات کو اب تو یقین ہوگا کہ واقعہ کربلا کیا اہمیت رکھتا ہے اور یہ کہ تاریخ انسانیت میں عدیم المثال ہے منہ زوری کا تو ہمارے پاس کچھ علاج نہیں نہیں ہے۔ اگر طرفداران یزید علیہ اللعن والعذاب میں ہمت ہو تو اسلامی تاریخ سے نہیں تاریخ انسانیت سے کوئی ایسا نمونہ پیش کر دیں۔ اگر نہ پیش کر سکیں اور یقیناً ہرگز پیش نہ کر سکیں گے تو گریبان میں منہ ڈال کر شرمندہ ہوں اور یزید کی بیجا طرفداری سے توبہ کریں۔ خدا توفیق دے۔ (مترجم)

(راوی کہتا ہے) (مخالف) قوم اب کنارۂ فرات[1] جمع ہوگئی اور وہ رات اور دوسری رات وہیں بسر کی جب تیسرا دن ہوا تو ابن زیاد کا ایک خط عمر بن سعد کے پاس آیا جس میں اس نے جنگ کا حکم دیا اور جنگ میں تاخیر و کاہلی کرنے پر تخویف کی تھی اور یہ تیسری[1] محرم کا دن تھا۔ جب ابن سعد نے خط پڑھا اور اس کو سمجھا اسی وقت کھڑا ہوا اور اپنے رفقا کے ہمراہ سوار ہو کر حسین و اصحاب حسین علیہ السلام کی طرف بڑھ کر حملہ کیا امام حسین علیہ السلام بھی سوار ہوئے اور ان ملاعنہ سے مقابلہ کیا اور ایک گھڑی دن تک بنفس نفیس ان ملاعنہ سے مقابلہ فرمایا اور تقریباً ایک ہزار جوان قتل کیے (راوی کہتا ہے) کہ جناب امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ میں نے اپنے والد بزرگوار سے سنا فرماتے تھے کہ جب امام حسینؑ اور لشکر ابن سعد کا مقابلہ ہوا باہم جنگ شروع ہوئی حضرت نے جنگ کی خداوند عالم نے اپنی نصرت و مدد نازل فرمائی جس نے آنحضرت پر

[1] فاضل مولف کا یہ بیان کتب معتبرہ میں نظر سے نہیں گزرا بظاہر کاتب کی چیرہ دستی سے عاشر کی بجائے ثالث ہو گیا (مترجم)



عرض میشود

در این موقع که جناب ثقة الاسلام آقای مولوی لقا علی حیدری دام افضاله بقصد آستان بوسی حضرت رضا علیه السلام و زیارت بندگان اعلیحضرت قدر قدرت اقدس همایون شاهنشاهی ارواحنا فداه وارد ایران شده اند در مشهد مقدس منافع اتحاد و اتفاق مسلمین و مسرات شفقت و نفاق آنان را چنانکه شایسته بود بیان کردند در حقیقت ترجمان نیت مقدس شاهانه بودند لازم است اولیاء موسسه مدرسة الواعظین متوجه باشند که خود و موسسه مزبور کاملا در تحت توجهات خاصه و نظر مرحمت مستقیم ذات اقدس ملوکانه ارواحنا فداه است امید است در آتیه وسائل اعلام این مرام و مقصد مقدس بهتر فراهم و آماده گردد.

خیلی مایه افسوس است که در موقع ورود جناب مولوی لقا علی موکب مبارک اعلیحضرت همایونی در شرف حرکت بجانب خوزستان و جنوب بود و شرفیابی جناب مولوی را مجالی مناسب بدست نیفتاد لیکن امید است عنقریب این ابراز بمنزله افتتاح باب مراودات و در آینده گذشته جبران گردد. توفیقات جنابعالی را از خداوند میخواهم.

(signature)

تکه دیر حضرت اشرف جناب مستطاب اقائی
وزیر دربار پهلوی - متعلق به تقاریر
حضرت قمر الواعظین سرپرست رسالہ اسلامی دنیا -

His Eminence
Maulana Liqai Ali Haidari,
the Renowned Muslim
Missionary of Inter national
Repute, who most successfully attended the all faiths
Conferences held in 1933, 34,
35 and 36 and who is a delegate to the all faiths Conference going to be held in
Indore C. I. on 18-20
April 1938.

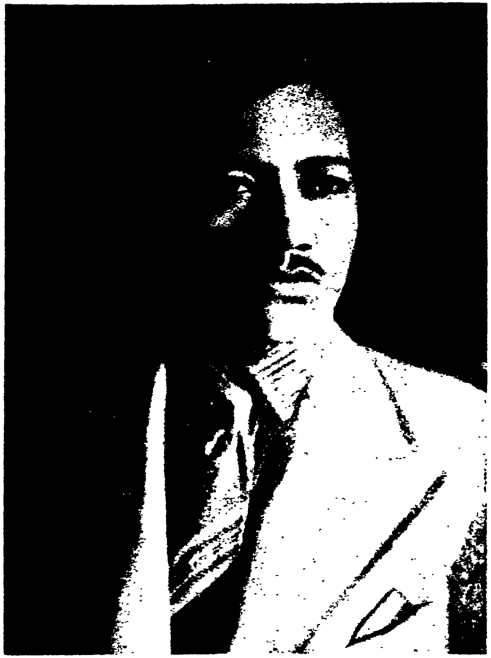


His Eminence

Maulana Laqai Ali Haidari,
the Renowned Muslim Missionary of International Repute, who most successfully attended the all faiths Conferences held in 1933, 34, 35, and 36 and who is a delegate to the all faiths Conference going to be held in Indore C. I. on 18-20 April 1938.



جناب جلالتمآب
راجہ محمد امیر احمد خاں صاحب بہادر دام اقبالہ
والی ریاست عالیہ محمود آباد
صدر آل انڈیا شیعہ کانفرنس



عالیجناب مہاراجکمار
محمد امیر حیدر خاں صاحب بہادر
آف محمود آباد - صدر آل انڈیا
شیعہ تنظیم فنڈ



حضور پرنور اعلیٰحضرت والا جاہ ہز ہائینس
نواب میر فیض محمد خان صاحب بہادر دام اقبالہ
والی ریاست خیرپور میرس (سندھ)



حضرت حجۃ الاسلام آیۃ اللہ آقا مولانا مولوی سید نجم الحسن
صاحب قبلہ دام ظلہ مجتہد المعظم ہند- متولی و ناظم
مدرسۃ الواعظین لکھنؤ



ہز ہولینس آغا الحاج مولانا شیخ محمد حسن نجفی
مجتہد- بمبئی-



عالی جناب سید الفقہا راس العلما
جناب مولانا مولوی سید محمد شبیر صاحب قبلہ
مجتہد پرنسپل مدرسہ ناصریہ جونپور



سید العلما راس الفقہا فخر المتکلمین
جناب مستطاب مولانا مولوی سید علی نقی صاحب قبلہ
مجتہد اعظم لکھنؤ

سامنا کیا پھر آنحضرت کو خداوند عالم نے اپنی ملاقات اور دشمنوں پر
کامیابی میں مختار بنا دیا کہ چاہیں تو اپنے دشمنوں پر غالب ہوں
اور یا ہیں تو اس دار فانی کو چھوڑ کر عالم جاودانی میں ملاقات (پروردگار)
کو اختیار کریں) چنانچہ حضرت نے دشمنوں پر کامیابی کے مقابلہ میں
ملاقات خداوندی کو اختیار فرمایا اور برابر جنگ کرتے رہے تاآنکہ
ایک ہزار سواروں کو قتل کر کے اپنی جماعت کی طرف واپس
تشریف لائے۔ اور پھر ایک شخص (آنحضرت کی جماعت میں سے)
نکلا اور اعداء پر حملہ کیا اور مسلسل لڑتا رہا۔ یہاں تک کہ ایکسو
بیس سواروں کو قتل کیا پھر خود شہید ہو گیا[۵۱] (رحمۃ اللہ علیہ) اس
وقت امام حسین علیہ السلام نے لشکر اعدا پر حملہ کیا اور اس شہید
کے اردگرد پانسو ملاعنہ کو قتل کیا پھر نعش شہید کو اٹھا کر خیمہ
اطہر کے سامنے لاکر رکھدیا۔ اور پھر لشکر یزید نے اصحاب حسین
کا مقابلہ کیا پس لشکر ابن سعد میں سے ایک سوار نکل کر خدمت
بابرکت امام حسینؑ میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا یا ابا
عبداللہ میں حجر بن حر ہوں اور آپ کے سامنے شہید ہونگا
(یہ کہکر لشکر ابن سعد کی طرف گیا اور اُن پر حملہ آور ہوا
اور برابر جنگ کرتا رہا یہاں تک کہ ایک سو بیس شخصوں
کو قتل کر کے خود بھی شہید ہو گیا (رحمۃ اللہ علیہ) جب باپ نے
بیٹے کو دیکھا دیکھکر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے اس
خدا کی ہزار ہزار حمد ہے جس نے میرے لخت جگر کو حسینؑ کی
آنکھوں کے سامنے جام شہادت پلایا پھر خدمت امام
میں حاضر ہوکر عرض کیا اے مولا و آقا میرا لخت جگر بیٹا
تو آپ کے سامنے شہید ہو چکا اور اب میں بھی اس کے پیچھے
پیچھے جارہا ہوں فرمایا اچھا ذرا صبر کرو تاکہ میں تمھارے
لڑکے کو لے آؤں (یہ کہکر) حضرت نے لشکر پر حملہ کیا اور
مسلسل لڑکر آٹھ سو سواروں کو قتل کر کے نعش حجر بن حر کو
اُٹھایا اور خیمہ مطہر کے سامنے لاکر رکھدیا تب حُر نے عرض کیا
مولا ابتو اجازت مرحمت فرمائیے فرمایا جاؤ خدا تمھارے
اس نیک کام کو بھی مشکور قرار دے۔ چنانچہ حر یہ اشعار رجز
پڑھتے ہوئے نکلے۔

(۱) میں حر جوان نیکو کار ہوں اور میرا گھر ہمیشہ مہمانوں کی
جائے پناہ اور جائے مہمانی ہے اور میں اپنی شمشیر آبدار سے
تمھاری گردنیں کاٹونگا۔

(۲) (اور میرا یہ جہاد) اس شخص کی نصرت و حمایت میں ہوگا
جو بلاد خیف[۵۲] کے رہنے والوں میں بہترین فرد ہے۔

(رجز پڑھ کر) حر نے لشکر ابن سعد پر حملہ کیا اور برابر
لڑتے رہے تاآنکہ پانسو شیردل جوانوں کو قتل کیا جب ابن سعد
نے حُر کا یہ (دلیرانہ) فعل دیکھا تو اپنے رفقا سے کہا تم کو خدا
سمجھے یہ کون شخص ہے۔ لوگوں نے کہا کہ حر بن یزید ریاحی اور
ان کا لڑکا ہمارے مخالف ہوکر ناصران حسین میں (شریک)
ہوگئے ہیں ابن سعد نے کہا کہ انکو تیر مارو۔ وہیں فوراً سات سو
تیرانداز بڑھے اور تیروں سے حملہ کرنا شروع کیا (اور ان کو تیر
تیر مارے) کہ حر اور ان کے گھوڑے کو تیروں کی کثرت سے
سیاہی کی شکل کر دیا۔ ناگاہ گھوڑے کی آنکھ پر ایک تیر لگا

---

۵۱ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی طرف سے سب سے پہلا شخص لڑنے والا عبداللہ بن عمیر تھا جس کے مقابلہ میں یسار نامی ابن زیاد کا غلام پہلے پہل آیا ۱۲ مترجم

۵۲ بلاد خیف سے ملک حجاز مراد ہے ۱۲ مترجم

جس سے وہ بھڑکا اور جناب حر کو زمین پر گرا دیا (یہ دیکھ کر) ابن سعد نے پکار کر کہا (یہ موقعہ اچھا ہے فوراً) پکڑ لو (یہ کہنا تھا کہ سب ٹوٹ پڑے اور پکڑ لیا اور قید کرکے ابن سعد کے پاس لائے ابن سعد نے سر مبارک کو جسد اطہر سے جدا کرنے کا حکم دیا چنانچہ ان ملاعنہ نے حُر کا سر کاٹ کے بجانب حسین پھینکدیا حضرت نے اُٹھا کر اپنے سامنے رکھا اور رحمک اللہ یا حر (اے حر خدا تجھ پر رحمت نازل کرے) فرما کر ان کے سر اور دانتوں سے خون پونچھنے لگے اور فرمایا ما خطأت امک اذ سمتک الحر[1] فانت حر فی الدنیا والآخرۃ[2] پھر گریہ فرمایا اور یہ کہا[3]

(۱) حر بہترین مرد ہے اور بنی ریاح کی بہترین فرد ہے جو نیزوں کی گھمسان میں بہت بڑا صابر ہے

(۲) حُر کتنا نیک مرد ہے جب کہ اس نے حسین کے استغاثہ کو نا علانیہ لبیک کہی اور صبح عاشورا آنے پر اپنی جان فدا کی۔

(۳) حر اتنا بہادر ہے کہ موت کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جبکہ بڑے بڑے بہادر نیزے بازی میں خطا کر جاتے ہیں اس وقت بھی مردانہ وار لڑا۔

(۴) بیشک وہ سب لوگ فائز المرام ہوئے جنھوں نے نصرت حسین کی اور یا بنک انھوں نے سعادت کے ساتھ نجات پائی[4]

پھر آپ نے حُر کا سر لاشہائے شہدا میں رکھ کر لشکر اعدا پر حملہ کیا اور برابر جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ حُر کے گرد ایک ہزار پچاس سواروں کو قتل کیا پھر لاشۂ حُر کو اُٹھا کر لائے اور دیگر شہدا کی نعشوں میں رکھدیا اور بکمال استقلال لشکر اعدا کا مقابلہ کیا شمر بن ذی الجوشن چلا اور کہنے لگا ای لشکر والو خدا تمھیں ہلاک کرے سب مل کر چاروں طرف سے حملہ کرو چنانچہ سب نے ایک دل ہو کر حملہ کیا حسین نے بنفس نفیس ان سے مقابلہ کیا اور لشکر کے بیچ میں جا کر حملہ کیا اور داہنے بائیں دونوں طرف تلوار چلانا شروع کی اور لشکر اعدا اپنے پدر بزرگوار کی طرح حملہ کرتے تھے ایک کو پکڑتے تھے دوسرے دو پر حملہ کرنے سے چار مر جاتے تھے اور حضرت کے گھوڑے میمون کی یہ حالت تھی کہ وہ اپنے منہ سے سواروں کو چبا چبا کر مارے ڈالتا تھا اور سموں سے سواروں کو کچلکر مارے ڈالتا تھا اور دم مار کر سوار کو مارے ڈالتا تھا حضرت برابر اسی طرح حملہ کرتے رہے یہاں تک کہ لوگوں کو گھوڑوں کی ٹاپوں میں ڈالدیا اور ہر طرف مقتولین یا مجروحین یا بھاگنے والے ہی نظر آتے تھے اس وقت خداوند عالم نے قلوب اعدا میں حضرت اور ان کی جنگ کا رعب ڈالدیا پھر حضرت جانب خیمہ واپس تشریف لائے اور

---

[1] حر کے معنی آزاد و شریف ہیں مطلب حضرت کا یہ تھا کہ تو دنیا میں شریف اور آخرت میں آتش جہنم سے آزاد ہے (مترجم)

[2] یعنی تیری ماں نے تیرا نام رکھنے میں کوئی خطا اور غلطی نہیں کی بیشک تو دنیا و آخرت دونوں جگہ حر ہے ۱۲

[3] فاضل مولف نے اس روایت کو لکھا لیکن کتب معتبرہ میں حُر کا اسیر ہو کر ابن سعد کے پاس جانا نہیں پایا جاتا بلکہ میدان جنگ ہی میں لڑکر شہید ہوئے ہیں ۱۲ مترجم

[4] دیگر روایات سے یہ اشعار جناب علی اکبر یا سید سجاد کے معلوم ہوتے ہیں۔ ۱۲ (مترجم)

یہ اشعار پڑھے ؎

(۱) میں آل ہاشم میں سے پاک ذات علی کا فرزند ہوں اور میں اس بات پر جب بھی فخر کروں میرے فخر کے لیئے کافی ہے۔

(۲) اور کریم ترین مخلوق حضرت رسول اللہ میرے جد بزرگوار ہیں اور ہم خدائی چراغ (مشعل ہدایت ہیں) جو مخلوق خدا میں ظاہر و روشن ہیں

(۳) (حضرت) احمد مجتبےٰ کی پارہ جگر حضرت فاطمہ زہرا میری مادر گرامی ہیں اور میرے چچا حضرت جعفر ہیں جو ذوالجناحین[1] کے نام سے مشہور ہیں۔

(۴) ہمیں میں کتاب خدا صداقت و حقانیت کے ساتھ نازل ہوئی اور ہمیں میں وحی ایزدی اور ہدایت و خیر و برکت کا ذکر تذکرہ ہوا کرتا ہے (یعنی ہمارے متعلق ان چیزوں کا لوگ آپس میں ذکر کرتے ہیں۔)

(۵) اور ہمیں تمام لوگوں کے لیئے باعث[2] امن و امان ہیں اور یہ بات ہم سب لوگوں سے کھلے خزانہ اور علی الاعلان کہتے ہیں۔

(۶) اور ہمارے شیعہ بزرگترین گروہ ہیں اور ہمارا دشمن بروز قیامت سخت گھاٹے اور نقصان میں ہوگا۔

پھر حسین و اصحاب و حرم حسین پر تشنگی کی شدت ہوئی اصحاب و حرم حسین نے حضرت سے تشنگی کا شکوہ کیا چنانچہ حضرت نے اپنے بھائی عباس سے فرمایا بھائی فرات پر جاؤ شاید تم کچھ پانی لاسکو عباس سمعاً وطاعۃً کہکر روانہ ہوئے یہاں تک کہ وہ فرات پر چڑھے دوڑ چلائے اور بڑے بڑے بہادر حضرت کی طرف دوڑے حضرت نے انتظار فرمایا جب قریب پہونچے، آپ نے بہت زبردست جنگ کی اور بہت سے لوگوں کو قتل کیا اور بڑے بڑے بہادروں کو زیر کیا پس جب یہ کیفیت دیکھی تو سب ملاعنہ حضرت کے سامنے سے بھاگ گئے۔ تب حضرت گھوڑے سے اُترے کنارہ دریا پہونچکر پانی نوش[3] فرمایا اور اپنے گھوڑے کو پانی پلایا۔ اور ارادہ کیا کہ اُس مشکیزہ کو جو اُن جناب کے ہمراہ تھا پانی سے بھریں۔ کہ اشقیا نے (موقع پاکر) پھر حملہ کردیا پھر وہ جناب گھوڑے پر سوار ہوئے اور تلوار سے قتال کیا (اس عرصہ میں) اشقیا نے نہر کا راستہ روک لیا تھا اور اُن جناب اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے درمیان حائل ہوگئے تھے اور نہر فرات کا بھی راستہ بند کرلیا تھا۔ اس حالت کو دیکھ کر جناب عباس نے اُن پر حملہ کیا اور یہ اشعار زبان پر جاری کیئے! اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھتے جاتے تھے۔ ؎

ہم اولاد ہاشم اور قریش کی بہترین افراد ہیں اور ہم اپنی

---

[1] حضرت جعفر جب جنگ موتہ میں شہید ہوگئے تو خداوند عالم نے دونوں ہاتھوں کے بدلے دو شہپر عطا فرمائے جن سے وہ جنت میں پرواز کرتے ہیں اس وجہ سے وہ ذوالجناحین کہلائے ذوالجناحین یعنی دو شہپر والے ۱۲ (مترجم)

[2] غالباً حضرت نے رسالتمآب کی اس حدیث کی طرف اشارہ فرمایا ہے حضرت نے فرمایا تھا کہ میرے اہل بیت اہل زمین کیلئے اسی طرح امان ہیں جس طرح ستارے اہل آسمان کے لیئے ۱۲ مترجم

[3] روایات معتبرہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب عباس نے آب فرات سے اپنے خشک لبوں کو تر بھی نہیں کیا اور یہی اُنکی وفاداری سے اُمید کیجاتی ہے تھی اس واسطے کہ خود جناب سید الشہدا علیہ السلام اور اُنکے اطفال خورد سال پیاسے تھے بلکہ آپکے اسپ باوفا نے بھی پانی نہیں پیا۔ مترجم

تیز تلواروں سے دشمنوں کا خون بہا دیتے ہیں (اور مرنے
مارنے سے نہیں ڈرتے) اے بہنو اور کنیزو کاش کہ تم ہمارے
فضائل پر نظر کرتے) اے جد بزرگوار کاش آپ ان مصائب
والام کو دیکھتے۔

اے اس جان قربان کرنے والے گروہ کی بہترین فرد جس نے
زمین غدیریات میں فرائض منصبی کما ادا کرنے میں کوئی کمی نہیں
ہمارے نزدیک تلواروں کی باڑھ کے نیچے مرنا ایک بڑی
عزت ہے کیونکہ اس کے بعد جنت میں گھر ملے گا

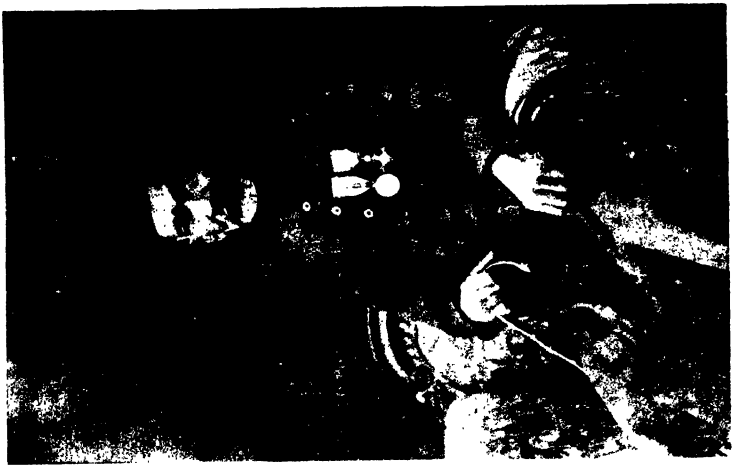
اے نفس (وفادار) تو اس دنیا اور لذات دنیا کے نہ ملنے
پر متاسف نہ ہو اور کسی قسم کا افسوس نہ کر اس لئے کہ جد
بزرگوار کے پاس پہونچکر تمام زحمتیں محو ہو جائیں گی۔

راوی کہتا ہے کہ (یہ رجز سن کر) تمام اشقیانے
مجتمع ہو کر چاروں طرف سے حملہ کر دیا۔ بس پھر کیا تھا)
آپ نے للکار کر ایک زبردست حملہ کیا اور بڑے بڑے
سورماؤں کو تہ تیغ آبدار کر دیا یہ حالت دیکھ کر مارد بن
صدیق نامی پہلوان نے اپنا منہ پیٹ لیا اور طیش میں آکر
اپنا گریبان چاک کر ڈالا اور پکار کر کہا اے لشکر والو تمہیں
خدا سمجھے (بڑے تعجب کی بات ہے کہ) ابتک عباس تمہارے
قبضہ میں نہیں آسکے حالانکہ تمہاری تعداد اتنی زیادہ ہے کہ
اگر ایک ایک مٹھی خاک بھی اٹھا کر پھینک دیتے تو بھی
اب تک ان کو نیست و نابود کر چکے ہوتے پھر بآواز بلند
پکار کر کہنے لگا ایہا الناس بس تمہاری بہادری وجرأت
دیکھ لی بس جس جس کو بیعت یزید کا پاس ولحاظ ہو
وہ لڑائی سے باز رہے (تمہارے لڑنے کی ضرورت نہیں)
اس جوان کے لیئے جس نے بڑے بڑے بہادروں کو قتل
کر دیا ہے میں (تنہا) کافی ہوں۔

یہ سن کر شمر ذی الجوشن نے کہا کہ اچھا ہم لڑائی
ترک کرکے یزید کو لکھے دیتے ہیں کہ تم نے اور تمھارے
بھائی نے تمام قوم کا ذمہ لے لیا ہے (اب اور کسی کو
لڑنے کی ضرورت نہیں ہے) پھر اس نے اشارہ کر دیا کہ
کوئی نہ لڑے چنانچہ وہ سب رک گئے اور مارد بن صدیق
نے زرہ پہنی سر پر خود رکھا اور کمیت گھوڑے پر سوار ہو کر
تن تنہا حضرت عباس کی جانب بڑھا اور ہاتھ میں ایک
لانبا نیزہ لے کر چلا جب حضرت عباس نے اس کو تنہا
آتے دیکھا اس کے لیئے ٹھہر گئے یہاں تک کہ وہ قریب پہونچ گیا
اور چلا چلا کر کہنے لگا

اے لڑکے ہاں تو وار کرلے اور اپنے اسلامی شجاعت
کا مظاہرہ کر (اور شجاعت اسلامی کے جوہر دکھا تمھارا کسی سے
سابقہ نہیں پڑا) اب تک جتنے آئے سب تم سے نرمی
کا برتاؤ کرتے رہے اور میں ایسا آدمی ہوں جس کے دل میں
سے نرمی تو قطعی نکال ڈالی گئی ہے جس کی اب گنجایش نہیں
اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ نرمی کی جگہ انتہائی سختی اور
نقمت جاگزیں ہو چکی ہے اور میری ہمیشہ سے عادت ہے کہ کبھی
کوئی بڑا پہلوان میرے مقابلہ میں نہیں آیا جس کو میں نے
ذلیل نہ کر دیا ہو لیکن تمھاری کم سنی اور رعنائی صورت دیکھکر
میرا دل نرم ہو گیا ہے لہذا تم واپس ہو جاؤ اور اپنی جان
مصیبت میں نہ ڈالو اور سمجھدار آدمی کے لیئے بس اشارہ
کافی ہے اور تمھارے سوا آج تک کسی پر میں نے اتنی مہربانی
نہیں کی یہ کہکر یہ شعر پڑھنے لگا۔

۱۔ اپنی تلوار قاطع سے ڈرتے ہوئے تیری بھلائی کے لیئے



جناب جلالتمآب خان بہادر نواب شیخ احمد حسین
صاحب دام اقبالہ او۔ بی۔ ای۔ تعلقدار پریا نواں
صاحب مصنف تحفہ مرافق تاریخ احمدی



عالیجناب راجہ مہد توکل حسین صاحب دام اقبالہ
راجہ صاحب بہادر آف ...پور
فیض آ...



عالیجناب الحاج راجہ سید مسعود الحسن ص
راجہ صاحب صفرآباد
(علیگڑھ)



Khan Bahadur. B. Mahboob Hosen Khan.

Rais Faizabad, special Magistrate, Honorary Munsif. Secretary District Zemindar Association, member working committee, All India Shia Orphanage Lucknow, member Shia Central committee. Has been a member of Faizabad Municipal Board, for 7 years, that of District Board for 26 years and twice its Chairman, and a joint secretary of All India Shia Conference, whose whole life has been devoted to public service and his faith.

مجھے نصیحت کرتا ہوں (اور تو ضرور اس کو مان لے) اگر تم نے میری نصیحت مان لی (تو تمھارے حق میں بہت بہتر ہوگا (۲) دنیا میں جنگ کسی پر میرا دل نہیں پسیجا مگر تجھ پر کچھ رحم آہی گیا ہے لہذا تو میری نصیحت کو بغور سن (اور اس پر عمل کر) (۳) میرا کہا مان کر میری پیروی کرلو اسی میں تم بآرام زندگی بسر کروگے ورنہ یاد رکھو کہ بہت بڑی مصیبت کا سامنا ہے۔

(راوی کہتا ہے کہ) جب حضرت عباس نے مارد سے یہ سنا (للکار کر) فرمایا او دشمن خدا بظاہر تو نے بات تو اچھی کہی ہے مگر میں یہ دیکھتا ہوں کہ تو نے زمین شور میں تخم ریزی کی ہے یا چٹیل پتھروں میں کھیتی کی ہے کہ جو سخت بنجر بن گئی ہے اور (خوب سمجھ لے) یہ بالکل ناممکن ہے کہ تو اپنی کسی مکاری سے آفتاب پر پردہ ڈال سکے یا اپنی زباں درازی سے سمندر کو چیر سکے اور مجھ سے جو یہ امید کرتا ہو کہ میں اپنے آپ کو تیرے سپرد کردوں اور اپنا ہاتھ تیرے ہاتھ میں دے دوں تو یہ بہت بعید ہے اور کسی طرح یہ نہیں ہوسکتا اور میری نوجوانی اور خوبصورتی کے متعلق جو کچھ تو نے بیان کیا ہے تو یہ میرے لیئے کچھ مفر نہیں اس لیئے کہ میں اپنی شرافت نسب اور ذکاوت عقل سے خوب واقف ہوں اور میں نے اپنے دین و مذہب کے معاملہ میں اپنے مرتاض نفس کے متعلق اس کا اندازہ خوب کرلیا ہے کہ وہ بڑے بڑے جنگ میں (دیوانہ) گھس جائے اور ان سے نکل آئے اور اس کو بھی میں نے پہچان لیا ہے کہ میرا نفس کیسے لوگوں سے مخاصمت اور جنگ کرسکتا ہے اور کیسے کیسے جوانوں و بہادروں سے کلہ بہ کلہ ہو کر لڑنے اور تکلیفات پر صبر کرنے کے قابل ہے اور اس کا بھی مجھے خوب اندازہ ہے کہ میرا نفس (شمشیر زنی

اور نیزہ بازی اور خود سر بہادروں کے زیر کرنے میں (کتنا ماہر ہے) اور میرا نفس ایام تکلیف میں صابر اور زمانہ راحت میں شاکر رہنے کا عادی ہے اور وہ اس سے خوب واقف ہے کہ اسی خدا پہ بھروسہ رکھے اور ہر چیز کا وہی مختار الیہ ہے ایسی صورت میں جس شخص کے اندر یہ اوصاف و فضائل موجود ہوں وہ کسی سے نہ ڈرے گا اور نہ کوئی اہم معاملہ اس کو ڈرا سے گا۔ اے خدا و رسول کے دشمن تو نے اپنے مقام پر یہ خیال کر لیا ہے کہ فضائل حمیدہ و فضائل جمیلہ تمھارا حصہ ہیں حالانکہ تجھے خوب اچھی طرح علم ہے کہ میں حضرت رسالت مآب سے ایک اتصال رکھتا ہوں اور میں اس شجر نبوت کی ایک شاخ ہوں اور جو شخص اس شجرہ نبوت کی شاخ ہوگا اس کا بھروسہ ہمیشہ خدا پر ہوگا اور وہ کبھی (شیطانی) سلسلہ میں داخل نہیں ہوسکتا اور تلوار کے خوف سے کبھی نہ جھکے گا خصوصاً جب علی بن ابی طالب جیسا دلیر اور بہادر میرا باپ ہے میں تو کبھی اپنی منزل سے نہیں پلٹوں گا اور میں مد مقابل سے کبھی نہیں ڈر سکتا اور نہ میں قبیلوں کی کثرت اور لوگوں کے ہجوم سے خائف ہونگا اور نہ میں کسی کافر و غدار سے منہ پھیروں گا اور میں خدائی معاملہ سے کبھی ناراض نہیں ہونگا اور مجھے رسول خدا سے وہی نسبت ہے جو پتہ کو درخت سے۔ اگر تمھارا یہ گمان ہے کہ میں تمھارے آگے جھکو نگا تو یہ تمھاری خام خیالی و گمان باطل ہے اور ہم زندگی پر افسوس اور موت پر جزع فزع نہیں کرتے اور مجھے اس کا خوب علم ہے کہ جنت کے رہنے والے اس دنیا سے افضل و بہتر ہیں چنانچہ بہت سے بچے بہت سے بڈھوں کے مقابلہ میں خدا

کے نزدیک افضل و برتر ہیں۔

راوی کہتا ہے کہ مارد حضرت عباس کی یہ گفتگو سُنکر پر تولے ہوئے عقاب کی طرح جھپٹا اور اپنے مقام پر اس کو ایک سہل و آسان بات سمجھا حضرت عباس نے اس کو موقع دیا یہاں تک کہ نیزہ مارد کے قریب ہو گئے اور آپ نے اس ہمت و طاقت سے اس کے ہاتھ سے نیزہ کو چھینا کہ زمین پر گرنے کے قریب ہو گیا (بالآخر) مارد نے ہاتھ سے نیزہ کو چھوڑ دیا۔ جب حضرت عباس نے نیزہ چھین لیا تو بہت شرمسار ہوا (یہ دیکھکر) حضرت عباس نے پھر مارد کو نیزہ واپس دیدیا اور فرمایا اے دشمن خدا و رسول مجھے خدا سے قوی امید ہے کہ میں تیرے اس نیزہ سے تجھے قتل کرونگا (یہ سُنکر) مارد بُری طرح بھاگا (یہ دیکھکر) حضرت عباس نے ایک شیرانہ حملہ کیا اور مارد کے گھوڑے کی پیٹھ پر ایک ایسا نیزہ مارا کہ گھوڑا لڑکھڑا کر زمین پر گر پڑا (گھوڑا گرنے کے بعد) اب مارد اپنی جسامت موٹاپے اور بوجھ کی وجہ سے حضرت عباس سے کسی طرح نہیں لڑ سکتا تھا جب فوجوں نے دیکھا تو تمام صفوف لشکر میں ایک شور پیدا ہو گیا اور تمام بہادروں میں اضطراب کی ایک لہر دوڑ گئی شمر نے فوراً پکار کر کہا اے لشکر والو تمہیں خدا کی قسم جلدی سے اپنے ساتھی کو کسی گھوڑے کے ذریعہ حاصل کرو ورنہ یقیناً وہ قتل ہو جائے گا

(باقی آئندہ)

حسین کی شہادت

(از جناب خلیفہ سید محمد ہاشم صاحب پٹیالہ)

یہ رسول کا جانی محمد عربی کا یادگار ابراہیم کا فخر، اسمعیلؑ کا شرف، یزید لعین کی ہوا و ہوس کا شکار بن کر ایک بے دین کا فرنما مسلمان کے ہاتھ سے سجدہ الٰہی میں ذبح ہو جاتا ہی اور عشق الٰہی کی قربان گاہ میں محبت الٰہی کا فدیہ ہو کر اسلام پر جان دے دیتا ہی۔ آفتاب رسالت کا چاند نیزہ پر جلوہ گر ہوتا ہی محبوب کی یاد میں، عشق الٰہی میں کلام الٰہی کی تلاوت فرماتا ہے۔ لہو کی بوندیں ٹپکتی ہیں۔ توحید الٰہی کی صدائیں آتی ہیں جسم بے سر خاک و خون میں بھرا ہوا تسبیح و تقدیس محبوب کرتا ہے۔ نانا نواسہ کے غم میں خاک بسر ہوتا ہے (دیکھو صحیح ترمذی صفحہ ۲۱۸ جلد ۲:-

قال ابو سعید حدثتنی　　یعنی ابو سعید بیان کرتے
سلمٰی قالت دخلت علیٰ　　ہیں کہ سلمٰی نے مجھ سے بیان کیا
امِ سلمٰی وھی تبکی فقلت　　کہ میں حضرت ام سلمٰی (زوجہ
ما یبکیک قالت رأیت　　رسول اللہؐ کی خدمت میں
رسول اللہ یعنی فی　　حاضر ہوئی تو میں نے دیکھا کہ
المنام وعلیٰ راسہ ولحیتہ　　ام سلمٰی رو رہی ہیں میں نے
التراب فقلت مالک یا　　رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا
رسول اللہ قال شہدت　　کہ میں نے رسول اللہ کو ابھی
قتل الحسین آنفا　　خواب میں دیکھا ہے۔ رسول اللہ
کے سر اقدس اور ریش مبارک پر خاک پڑی ہوئی ہے

میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ! یہ کیا ہوا تو حضرت نے فرمایا کہ (ای ام سلمہ!) میں ابھی مقتل حسین سے آرہا ہوں (شہادت حسین میاں حسن پھلواری ص۱)

نیز دیکھو استیعاب عبد البر کی قرطبی اندلسی جلد ۱ صفحہ ۱۴۴

عبد اللہ ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک دوپہر کو سوتے ہوئے خواب میں رسول اللہ کو دیکھا

وھو قائم اشعث اغبر بیدہ قارورۃ فیھا دم فقلت بابی انت وامی یا رسول اللہ ما ھذا قال ھذا دم الحسین لم ازل التقطہ منذ الیوم۔ فوجد قد قتل فی ذالک الیوم

یعنی رسول اللہ کھڑے ہیں۔ سر اقدس و چہرۂ انور پر خاک پڑی ہوئی ہے دست مبارک میں ایک شیشہ خون سے بھرا ہوا لیے رہتے ہیں۔ میں نے عرض کی۔ میرے ماں باپ قربان ہوں یا رسول اللہ یہ کیا حالت ہی؟ تو فرمایا۔ اسے ابن عباس یہ حسین کا خون ہی آج تمام دن اسی مصیبت میں خون حسین کو جمع کرنے میں مجھے گزرا ہی۔ پس ہم نے دریافت کیا تو وہ دن وہی تھا جس روز حسین کی شہادت واقع ہوئی۔

ہمیں آسمانی آواز پیدا ہوتی ہی۔ کہنے والا دکھائی نہیں دیتا ہے

اترجوا امۃ قتلت حسینا
شفاعۃ جدہ یوم الحساب

کیا وہ لوگ جنھوں نے حسین کو قتل کیا ہو قیامت کے دن حسین کے نانا سے شفاعت کی اُمید کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں (استیعاب صفحہ ۱۴۳)

محبوب اپنے عاشق کا غم مناتا ہو۔ قدرت سوگ نشین ہوتی ہو۔ دُنیا میں صف ماتم بچھائی جاتی ہو۔ آسمان تھرّاتے ہیں۔ زمین کو زلزلہ ہوتا ہو۔ فلک سے خون برستا ہے زمین لہو کے آنسو بہاتی ہو۔ دریا جوش کھاتے ہیں۔ ہوا خاک اُڑاتی ہے۔ سیاہ آندھیاں آتی ہیں۔ آفتاب کو گہن لگتا ہو۔ دُنیا تاریک ہو جاتی ہو۔ ستارے ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں اور عاشق جانباز کا ماتم کرتے ہیں[۵]۔ زمین و آسمان میں غلغلہ پڑتا ہے الا قد قتل الحسین بکربلاء۔ واللہ قد قتل حسین ابن علی۔ واللہ قد قتل امام ابن امام۔ ہائے ہائے حسین کربلا میں قتل کر دیے گئے قسم ہو خدا کی حسین ابن علی قتل ہو گئے۔ قسم ہے خدا کی امام ابن امام شہید ہو گئے (دیکھو مقتل ابو مخنف)

شہادت کے بعد یزید و ابن زیاد کے حکم کے موافق

---

[۵] دیکھو تاریخ الخلفاء جلال الدین سیوطی صفحہ ۲۰۷۔ لما قتل الحسین مکثت الدنیا سبعۃ ایام والشمس علی الحیطان کالملاحف المعصفرۃ والکواکب یضرب بعضھا بعضا وکان قتلہ یوم عاشوراء وکسفت الشمس ذٰلک الیوم واحمرت آفاق السماء ستۃ اشھر بعد قتلہ وقیل انہ لم یقلب حجر ببیت المقدس یومئذ الا وجد تحتہ دم عبیط حسین کے قتل ہونے پر سات روز تک دُنیا کی یہ حالت رہی کہ دیواروں پر دھوپ مثل زعفرانی چادروں کے معلوم ہوتی تھی۔ ستارے ایک دوسرے سے ٹکراتے تھے حسین عاشور کے روز شہید ہوئے تو اُس روز آفتاب کو گہن لگا۔ چھ مہینے تک اُفق آسمانی خون کے آنسو روئے۔ بیت المقدس میں اُس روز جو پتھر اُٹھایا گیا بس اُس کے نیچے سے خون تازہ نکلا

تفسیر درمنثور میں تحت تفسیر آیہ فما بکت علیھم السماء علامہ مذکور لکھتے ہیں۔ لما قتل الحسین احمرت آفاق السماء اربعۃ اشھر وعن عطاء قال بکاء السماء حمرۃ آفاقھا۔ جب امام حسین شہید ہوئے تو چار مہینے تک آسمان سُرخ رہا۔ عطا کہتے ہیں کہ آسمان کا رونا اُس کے کناروں کے سرخ ہو جانے سے مراد ہو۔ تاریخ احمدی صفحہ ۳۰

تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۴۰ قیل وسمع بعض اھل المدینۃ لیلۃ قتل الحسین منادیا ینادی

ایھا القاتلون جھلا حسینا ۔۔۔ ابشروا بالعذاب والتنکیل
کل اھل السماء یدعو علیکم ۔۔۔ عن نبی وملائک وقبیل
قد لعنتم علی لسان ابن داؤد ۔۔۔ و موسیٰ وصاحب الانجیل

اے حسین کے جاہل قاتلو! تم کو سخت عذاب و عتاب الٰہی کی بشارت ہو تمام اہل آسمان ہر ایک نبی، ہر ایک



شفاء الملک جناب حکیم سید فضل علی صاحب
عرف حکیم مومن صاحب
لکھنؤ۔



رئیس الاطبا جناب صاحب عالم حکیم سید محمد قاسم
صاحب مالک دواخانہ معدن الادویہ لکھنؤ۔

وَانا الیہ راجعون ع

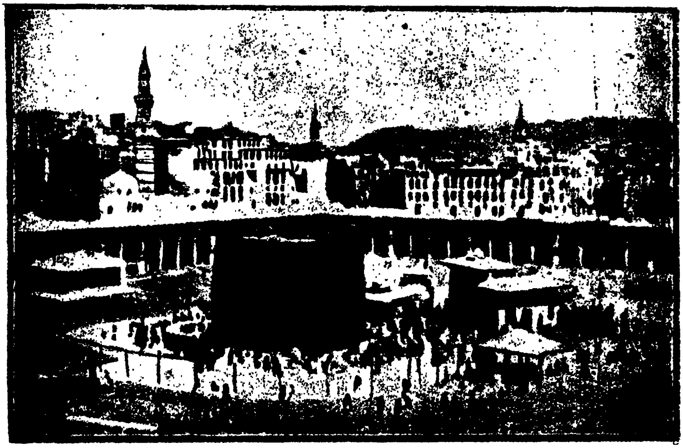
ای فلک آں ابتدا ایں انتہائے اہلبیت

خیموں میں آگ لگائی گئی۔ مسند رسول پھونکی گئی۔ نبی کا گھر جلایا گیا۔ ذریت رسول کی لوٹی گئی۔ زر و زیور چھینا گیا۔ آل محمدؐ کے سروں سے چادریں تک اُتار لی گئیں۔ عابد بیمار کے گلے میں طوق پڑے۔ سکینہ کے دُر چھینے گئے کان زخمی ہوئے۔ پھول سے بچوں نے طمانچے کھائے۔ آل محمد قیدی و اسیر بنائے گئے۔ نبی کی نواسیوں اور آل محمد کے شانے اور گلے رسیوں سے بندھے چاروں طرف لشکر یزید کا ہجوم تھا ظلم و تشدد کا بازار گرم تھا۔ آل محمد لٹ رہے تھے۔ خیمے جل رہے تھے۔ بچے بلک رہے تھے۔ بیکس غریب بے مددگار بیبیاں قیدی و اسیر بنی نالہ و فغاں کر رہی ہیں۔ نہ کوئی امن کا مقام تھا نہ بیٹھنے کی جگہ تھی۔ اندھیری رات، جنگل بیابان۔ عزیزوں کے لاشے خون میں بھرے، بے گور و کفن پڑے تھے۔ خاک کے ڈھیر تھے اور بے کس قیدی تھے۔ نہ کوئی تعزیت کرنے والا تھا نہ کوئی پرسا دینے والا تھا۔ کھانے اور پانی کا تو ذکر کیا ہے۔ ڈراؤنا جنگل تھا اور یہ بھوکے پیاسے بن باپ کے بچے اور بے وارث، بچہ مردہ، غمزدہ آل محمد کی بی بیاں تھیں۔ واقعی یہ قیامت کی رات آل محمد کے لیئے گزشتہ رات سے بھی زیادہ شدید و سخت مصیبت کی رات تھی۔ مگر یہ ذریت رسول دین حق کے فدائی۔ اسلام کے شیدائی تمام مصائب و آلام کو جھیل رہے ہیں اور اُف نہیں کرتے۔ دل میں خدا کی یاد ہے زبان پر تسبیح و تقدیس الٰہی ہے۔ ایک ایک بچہ طمانچے کھاتا ہوا اور

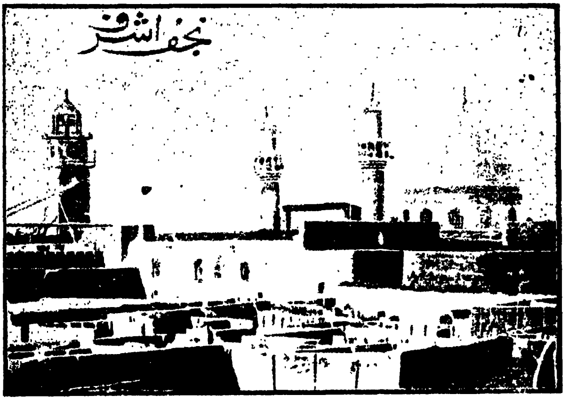
بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ | ابی شیبہ ان السماء مکثت بعد قتلہ سبعۃ ایام نری علی الحیطات کانہا ملاحف معصفرۃ من شدۃ حمرتہا وضربت الکواکب بعضہا بعضا۔ عثمان بن ابی شیبہ بیان کرتا ہے کہ حسین کے شہید ہونے پر سات دن تک آسمان اُسی حالت غم میں رہا۔ دیواروں پر ایسی تیز سُرخی دکھائی دیتی تھی کہ گویا زعفرانی چادریں ڈالی ہوئی ہیں۔ ستارے ایک دوسرے پر ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے تھے۔

تذکرہ سبط ابن جوزی صفحہ ۱۵۵ قال ابن سیرین لما قتل الحسین ظلمت الدنیا ثلاثۃ ایام ثم ظہرت ہذہ الحمرۃ وقال ابن سعد ما رفع حجر فی الدنیا الا وتحتہ دم عبیط ولقد مطرت السماء دما بقی اثرہ فی الثیاب مدۃ حتی تقطعت وقال سُدّی لما قتل الحسین بکت السماء وبکاؤہا حمرتہ۔ ابن سیرین بیان کرتے ہیں کہ حسین کے قتل ہونے پر دُنیا تین روز تک تاریک رہی اور پھر یہ سُرخی آسمان پر نمایاں ہوئی۔ ابن سعد صاحب طبقات کہتے ہیں کہ کوئی پتھر زمین پر سے نہیں اُٹھایا گیا کہ اُس کے نیچے سے خون تازہ نہ نکلا ہو۔ تحقیق آسمان سے خون برسا جس کا نشان کپڑوں پر دیر تک قایم رہا یہاں تک کہ کپڑے پھٹ نہ گئے۔

سدی بیان کرتا ہے کہ قتل حسین پر آسمان رویا اور آسمان کا رونا اُس کی سرخی ہے۔



مكة معظمة



The Golden Tomb of our Lord
Ali the 1st Imam
at Nejaf Ashraf
IRAQ.



سید فرخ حسین صاحب سوز خوان
نائب منصرم امامباڑہ سرکاری
رامپور



سید ولی محمد صاحب
مشہور و معروف سوزخوان۔ لکھنؤ
شاگرد رشید جناب منجھو صاحب لکھنوی

اُف نہیں کرتا۔ اور یہی فرماتا ہے کہ ہاں بے دینو! اگر آج تمہارا دن ہے تو تم جس قدر چاہو ہم پر ظلم و جور کر لو۔ کل قیامت کے روز ہمارا دن ہے۔ ہمارا خالق و مالک ہمارے صبر کی داد دے گا من اٰمن باللّٰہ والیوم الاٰخر کی تفسیر فرماتے ہیں۔ اور صبر و رضا کے ساتھ ہدایت کے پھول کھلاتے ہیں۔ جناب مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی مثنوی "درثمین" کے شعر مندرجہ ذیل میں یزید کے کفر و الحاد اور آل محمد کے حق و صداقت کا نقشہ اور اس مصیبت عظیم کا منظر کیا خوب دکھلایا ہے ؎

ہر طرف کفر است جوشاں ہمچو افواجِ یزید
دینِ حق بیمار گشتہ ہمچو زین العابدین

رسول کی نواسی اس لٹے ہوئے قافلہ کی سالار زینب دلفگار بھائی کی لاش پر پہونچتی ہے۔ نانا رسول الٰہی کو پکارتی ہے اور فریاد کرتی ہے یا محمداہ صلّٰی علیک ملائکۃ السماء ھٰذا حسین بالعراء مرمل بالدماء مقطع الاعضاء یا محمداہ بناتک سبایا و ذریتک مقتلۃ تسفی علیھا الصبا۔ اے پیارے نانا! اے محمد رسول اللہ آسمانوں کے فرشتے آپ پر درود بھیجتے ہیں۔ دیکھو یہ آپ کا پیارا حسین خاک و خون میں بھرا۔ بند بند جدا جنگل میدان میں گرم ریت پر پڑا ہے اے نانا رسولؐ! دیکھو آپ کی بیٹیوں کو قیدی بنا لیا ہے اسیر کر لیا ہے۔ آپ کی ذریت کی لاشیں گلے کٹائے زمین گرم پر پڑی ہیں جن پر ہوا خاک اڑا رہی ہے۔

راوی بیان کرتا ہے زینب کے اس نوحہ نے دوست دشمن کو رلا دیا (دیکھو تاریخ کبیر علامہ جریر طبری صفحہ ۳۵۱۔ تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۴۲)

عمر سعد نے اپنے نحس و ناپاک مردوں کو۔ اپنے مقتولوں کی لاشوں کو نماز پڑھ کر دفن کیا۔ مگر نواسۂ رسولؐ حسین مظلوم اور اصحاب حسینؑ و ذریت رسول کی خون بھری لاشوں کو اسی طرح بے گور و کفن خاک گرم پر چھوڑ دیا گیا۔ جن کے بے سر خون میں ڈوبے بدنوں اور لہو میں بھری لاشوں پر دن میں ہوائیں خاک برساتی تھیں۔ رات کو شبنم آنسو بہاتی تھی۔ جانوران صحرائی نوحہ خوانی کرتے تھے۔ انوار الٰہیہ کا نزول ہوتا تھا۔ حق و صداقت کے ستارے چمکتے تھے اور دین اسلام کو روشن کرتے تھے۔ فوج یزید کے چلے جانے کے بعد غاضریہ کے رہنے والے قبیلہ بنی اسد کے غریب مسلمانوں کی حمیت اسلامی جوش میں آئی۔ روتے پیٹتے اٹھے میدان کربلا میں پہونچے اور ان مظلوم شہیدان راہ الٰہی کے لاشوں کو دفن کر گئے (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۴۱)

غربت زدہ وطن آوارہ مسافروں کی خون بھری بے سر لاشیں بلا گور و کفن خاک پر چھوڑ دی گئیں اور یتیم بچے اور بیکس بی بیاں ظلم و تشدد وارثوں کی لاشوں سے جدا کی گئیں۔ آل محمد کو اسیر کر کے قیدی بنا کر بے مقنعہ چادر بے کجاوہ اونٹوں پر بٹھا کر لشکر یزید نے کوفہ و شام کی طرف کوچ کیا۔ اب کوفہ و شام کے بازار میں یزید و ابن زیاد کے دربار میں خلقت کا ہجوم ہے۔ تماشائیوں کی دھوم ہے۔ شہیدان آل محمد کے سر نیزوں پر جلوہ گر ہیں سادات آل محمد کے قیدی رسیوں میں جکڑے، ماتم زدہ

گریباں چاک جلو میں ہیں۔ ایک بیمار کے گلے میں طوق، پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہیں اور ماں بہنوں کے اونٹوں کی مہار ہاتھ میں ہے اور شمر کے تازیانے ہیں اور عابد بیمار سید سجاد کی زخمی پیٹھ ہے۔ ہر قسم کا ظلم و تشدد ہے۔ جبر و تعدی ہے مصیبت و بلا ہے۔ مگر یہ اسلام کے شیدائی دین کے فدائی صبر کے جوہر دکھلاتے ہیں اور اسلام کے خطبے سناتے ہیں۔ تبلیغ کے پھول کھلاتے ہیں۔ بیشک ؎

ایمان کی بقا ہے نہ مشرقین سے
سرسبز کشت دین ہے خون حسین سے

حسین نے اسلام کے مرجھائے ہوئے چمن کو اپنے خون سے سینچا اور اسلام کی صداقت و حقانیت کو اس طرح پر ہمیشہ کے لیے سرسبز و شاداب فرمایا۔ سوتی دنیا کو جگایا۔ یہ کلمۂ حق سنایا اور دنیا کو دکھا دیا کہ نانا رسول عربی کا فقرہ انا من الحسین کے یہی معنی اور یہی تفسیر ہے ؎

سر داد و نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ ہست حسین

اور سچے اسلام اور مسلم حقیقی کے معنی سمجھا دیئے ؎

ماسوا اللہ را مسلماں بندہ نیست
پیش فرعونے سرش افگندہ نیست

غرضیکہ الحمد للہ جس طرح حسین کی پاک شخصیت قدسی شان اور سچائی و حقانیت انصاف بیں نظروں میں آفتاب سے زیادہ روشن و درخشاں نظر آتی ہے اسی طرح یہ امر بھی روز روشن سے زیادہ نمایاں اور واضح ہو کہ حسین کا مقابل و مخالف یزید خبیث طینت فرعون خصلت بلاشک و شبہ دشمن اسلام مخالف دین ہے اور یہی بدبخت یزید ابن معاویہ اس واقعۂ جانسوز حادثہ کربلا و اسلام کی مصیبت عظمیٰ و خاندان رسالت کی تباہی و بربادی کا بانی مبانی ہے اور یہی یزید یقیناً حسین کا دشمن اور حقیقی قاتل ہے حسین کے پیارے نانا مسلمانوں کے نبی کریم بانی اسلام صادق مصدق کی خو: قابل تسلیم شہادت کہ یزید قاتل حسین ہوا اور یزید باغی و طاغی پر خدا کی لعنت ہو۔ دیکھو رسول عربی کی پیشین گوئیاں اور نیز حضرت عبداللہ ابن عباس ابن عم و صحابئ رسول کی وہ پر زور شہادت کہ جس میں انھوں نے بڑے شد و مد کے ساتھ قتل امام حسینؑ، اسیری اہلبیت تفصیل ان تمام مظالم و شدائد اور کفر و الحاد یزید کو بیان فرمایا ہے۔ وہ دعوے کے لئے کافی سے زیادہ قوی اور پر زور ثبوت ہیں کہ جن سے کوئی مسلمان رسول عربی کا کلمہ گو کبھی بھی انکار نہیں کر سکتا دیکھو عبداللہ ابن عباس کا خط یزید کے نام اور

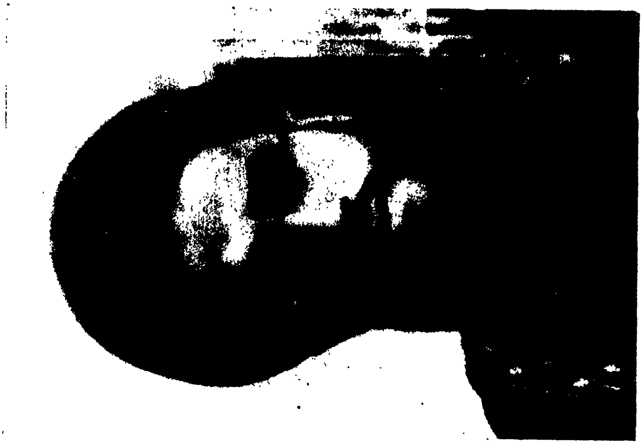
علاوہ ازیں بزرگان دین علمائے جلیل القدر، مستند مورخین، اسلامی اور غیر اسلامی کھلم کھلا یزید کو ہی قاتل امام حسین بتاتے اور ظاہر فرماتے چلے آئے ہیں۔ اور اپنے پیارے نبی کی پیروی اور تاسی میں اسی جرم و الزام قتل امام حسین پر یزید کے کفر و زندقہ کی گواہی دیتے ہوئے اور اس سے نفرت و بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے لعنت کا طوق اس کے گلے میں ڈالتے چلے آئے ہیں۔ ملاحظہ ہو امام غزالی کا بیان مندرجۂ تذکرۂ خواص الامہ علامہ سبط ابن جوزی صفحہ ۲۷۔ یہ امام غزالی مشہور و معروف بڑے مستند و معتبر عالم جلیل القدر حضرات اہل سنت و الجماعت کے آئمہ دین میں شمار ہوتے ہیں۔



خطیب اعظم سید الواعظین
جناب مولانا مولوی سید محمد صاحب قبلہ
دہلوی



رئیس الحفاظ عالیجناب فخر الواعظین جناب
مولانا حافظ کفایت حسین صاحب واعظ
مدرسۃ الواعظین۔لکھنو



عالیجناب مولانا حکیم میرزا محمد تقی صاحب
فاضل ادب، فاضل طب
سہارنپور



افتخارالواعظین جناب پروفیسر مولانا خواجہ
لطیف حسین صاحب انصاری موگا (پنجاب)



بشیرالملۃ جناب مولانا مولوی محمد بشیر
صاحب قبلہ فاتح قصور و ٹیکسلا

قال الغزالی ایضا زعمت طائفتان یزید ابن معاویۃ لم یرض بقتل الحسینؑ وادعوا۔ ان قتلہ وقع غلطا قال کیف تکون ھذا وحال الحسین لا یحتمل الغلط۔ لما جرٰی من قتالہ ومکاتبتہ الی ابن زیاد یسبتہ و یحثہ علٰی قتلہ ومنعہ من المآء وقتلہ عطشانا وحمل راسہ واھلہ سبایا عرایا علٰی اقتاب الجمال الیہ وقرع ثنایاہ بالقضیب ولما دخل علی ابن الحسین علٰی یزید قال انت ابن الذی قتلہ اللہ فقال انا علیؑ ابن من قتلت انت ثم قرء من قتل مومنا متعمدا فجزاءٗ جہنم، ثم استفاض لعن علی علی المنابر الف شہر وکان ذالک بامر معاویۃ تتراھم ءامرھم بذالک کتاب او اجماع

امام غزالی فرماتے ہیں ایک گروہ یہ گمان کرتا ہے کہ قتل حسینؑ سے یزید ابن معاویہ راضی نہ تھا۔ اور کہتے ہیں کہ حسین کا قتل غلطی سے واقع ہو گیا۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے درانحالیکہ قتل حسین کے واقعات ایسے ہیں کہ جن میں کسی غلطی کا احتمال نہیں کیا جا سکتا یزید نے ابن زیاد کو خط لکھے قتل حسین پر اُس کو برانگیختہ اور آمادہ کیا۔ پانی بند کرنے اور پیاسا قتل کرنے کا حکم دیا ذریت و اہلبیت حسین کو سر برہنہ قید کر کے مع سر حسین بغیر محمل و کجاوہ اونٹوں پر سوار کرا کے یزید کے پاس بھیجا گیا۔ یزید نے دندان مبارک حسین پر چھڑی ماری اور جب حسین کا بیٹا علی (امام زین العابدینؑ قید ہو کر) یزید کے سامنے لایا گیا تو یزید نے کہا کہ تو اُس کا فرزند ہے جس کو خدا نے قتل کیا۔ اس کے

ھذہ صورۃ کلام الغزالی جواب میں امام زین العابدینؑ نے فرمایا کہ نہیں۔ میں علیؑ اُس کا بیٹا ہوں جس کو تو نے قتل کیا ہے (دیکھو یہ تیسری شہادت ہے جو خود حسین کے فرزند اور اُس کے وارث خون کی یزید کے برخلاف ہے) پھر امام زین العابدین نے کلام مجید کی اس آیت کو تلاوت فرمایا من قتل مومنا متعمدا فجزاءٗ جہنم۔ (جس شخص نے کسی مومن کو عمداً قتل کیا ہو اُس کی جزا جہنم ہے) پھر ایک ہزار مہینے تک بالائے منبر علی پر سب و لعن ہوتا رہا جو امیر معاویہ کے حکم سے تھا پس کیا یہ سب باتیں کتاب سنت یا اجماع کے حکم سے تھیں؟ یہ امام غزالی کا کلام ہے

نیز دیکھو شرح عقائد تفتازانی صفحہ ۱۱۷۔

وبعضھم اطلق اللعن علیہ لما انہ کفر حین امر بقتل الحسین و اتفقوا علٰی جواز اللعن علٰی من قتلہ او امر بہ او اجازہ ورضی بہ والحق ان رضا یزید بقتل الحسینؑ واستبشارہ بذالک واھانتہ اھل البیت مما تواتر معناہ وان کان تفاصیلہ احادا فنحن لا نتوقف فی شانہ بل فی ایمانہ لعنۃ اللہ علیہ وانصارہ و اعوانہ

بعض علماء نے یزید پر لعنت کا اطلاق کیا ہے کیونکہ وہ قتل حسین کے حکم دینے سے کافر ہو گیا۔ اور علماء کا اتفاق ہے کہ وہ شخص جو حسین کو قتل کرے یا اس کا حکم دے اور اجازت دے اور قتل حسین سے راضی ہو اُس پر لعنت کرنا جائز ہے۔ اور حق تو یہ ہے کہ یزید کا قتل حسین سے راضی ہونا اور خوش ہونا اور اہل بیت کی اہانت کرنا تواتر سے ثابت ہے۔ اگرچہ تفصیل احاد سے ہے پس ہم کو اس کے حال بلکہ

اس کے ایمان کے متعلق کسی امر کی تحقیق کی ضرورت نہیں پس اس پر اور اس کے یار و انصار اور اس کے مددگاروں پر خدا کی لعنت۔

شرح فقہ اکبر ملا علی قاری صفحہ ۸۸

اختلف فی اکفار یزید قیل نعم یعنی لما ذکر عنه ما یدل علی کفره من تحلیل الخمر ومن تفوهه بعد قتل الحسین واصحابه انی جازیتهم بما فعلوا باشیاخ قریش وصنادیدهم فی بدر وامثال ذلک ولعله وجه ما قال الامام احمد بتکفیره لما ثبت عنده

ملا علی قاری اپنی مشہور کتاب شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں۔ یزید کو کافر بنانے میں اختلاف کیا گیا ہے اسکو کافر بنایا گیا ہے اس لئے کہ اس کے متعلق اس کے ایسے افعال و اقوال ہیں جو اس کے کفر پر دلالت کرتے ہیں شراب کو حلال جاننا قتل حسینؑ اور اصحاب حسینؑ کے بعد ایسی بکواس بکنا کہ میں نے حسین کو یہ سزا اس سلوک کے بدلے میں دی ہے جو انھوں نے سرداران وشیوخ قریش کے ساتھ جنگ بدر میں کیا تھا وغیرہ وغیرہ اور غالباً انھیں وجوہات سے امام احمد حنبل نے یزید کے کفر کا فتوے دیا جبکہ اس کے یہ افعال پایۂ ثبوت کو پہونچ گئے۔

بس ہم یہاں اسی قدر مستند اور معتبر اقوال و حوالجات علما کا درج کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔

بلاشک یزید بدبخت اور ننگ اسلام کے بعض خادم و حامیتی جو بنی امیہ کے پیرو اور حسینؑ مظلوم کے دیرینہ دشمن ہیں یزید کی حمایت میں دھوکے کی ٹٹیاں کھڑی کر کے اور ریت کے پا در ہوا قلعے بنا کر کسی طرح بھی اپنے پیر و مرشد یزید بدبخت کو قتل حسینؑ کے بدترین گناہ اور کفر و الحاد کے جرم سے کبھی بھی بری نہیں کرسکتے۔ پھر بھی اگر اپنی ہٹ دھرمی اور تعصب اور محبت یزید میں راسخ اور پختہ ہونے کی بنیاد پر ایسے مکمل اور پُر زور ثبوت کا انکار کریں تو ختم اللہ علی قلوبھم کے بعد ہم یہی کہینگے ؎

نہیں ہے کچھ دور روز محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
زبان قاتل جو چُپ رہیگی لہو پکارے گا آستیں کا

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

آہ شفاء الملک مرحوم

۱۳ مئی سنہ ۱۹۳۰ء کو جس وقت جناب سرپرست اسلامی دنیا مدظلہ کی زبانی خبر ارتحال حضرت استاذی العلام جناب حکیم سید فضل علی صاحب طاب ثراہ سُنی جو صدمہ ہوا وہ بیان سے باہر ہے جناب حکیم صاحب بنت مکان سے اہل بدایوں کو تقریباً پچاس سال سے وابستگی تھی اور یقیناً وہ اہل بدایوں کے واسطے مسیحائی زماں تھے۔ انجمن اعجازیہ کی جانب سے فوراً مسجد المومنین میں ایک مجلس عزا کی بنا کی گئی جس میں فاضل جلیل جناب مولانا شبیہ الحسنین صاحب خلف الصدق حضرت اعجاز الملۃ اعلی اللہ مقامہ نے مرحوم کے حالات زندگی پر مختصر تبصرہ کرتے ہوئے مصائب حضرت سید الشہداء علیہ السلام اپنے انداز خاص سے بیان کئے جس کا بیحد اچھا اثر ہوا۔ جناب مولانا

(دیکھو صفحہ ۲۲)

حسین علیہ السلام کا جہاد اعظم

(جناب سید ابو العظمت مولانا سید ظفر حسین صاحب فاضل مشرقیات امروہوی)

ہر جہاد کے لیئے دشمن کی فوج سے ایک تناسب لازمی ہی یعنی ایک کا مقابلہ ایک سے یہ نہیں تو دو سے زیادہ سے زیادہ خیال کو وسعت دے کر کہدیجیئے کہ ایک کا مقابلہ دس سے ہوسکتا ہی لیکن سوائے حسینی جہاد کے یہ منظر کہیں نہ دیکھا ہوگا کہ ایک طرف لاکھوں خونخوار اور دوسری طرف صرف ایسے بہتر سپاہی جن میں کچھ تو ایسے بوڑھے تھے کہ ان کی بھویں پلکوں پر لٹک آئی تھیں۔ ضعف پیری سے کمر خمیدہ ہوگئی تھی۔ کچھ ایسے بچے تھے کہ باپ کی آغوش اور ماں کی گود سے قدم نہ اُتارا تھا۔ نمبر ۲ فوج کے جنرل کا یہ فرض ہی کہ وہ اپنے سپاہیوں کو جہاں تک ممکن ہو آرام و راحت کے ساتھ رکھے تاکہ وہ اطمینان قلب کے ساتھ دلیرانہ جنگ کرسکیں۔ لیکن حسینی جہاد میں سپاہیوں کی کچھ شان ہی اور تھی۔ راحت و آرام تو مہینوں سے چھوٹ گیا تھا۔ جب سے گھر چھوڑا دشت غربت کی خاک چھانتے پھر رہے تھے اور سب پر طرہ یہ کہ تین روز سے آب و دانہ بھی بند تھا۔ زبانیں پیاس سے باہر نکل پڑی تھیں۔ رہ رہ کر منہ سے آواز العطش بلند ہو رہی تھی۔

نمبر ۳۔ ہر جنرل اس بات کی کوشش کرتا ہی کہ جہاں تک ہو فوج کی تعداد بڑھے تاکہ دشمن سے مقابلہ آسان ہو۔ بات میں فرق نہ آئے وہ لوگوں کو بہکا کر وعدہ وعید کرکے اپنی کامیابی کے سبز باغ دکھا کر جس طرح ممکن ہوتا ہی اپنے سپاہیوں کی روک تھام کیئے رہتا ہی لیکن کربلا کا جنرل۔ اسلام کا قائد اعظم۔ رسول کا نواسہ علی کا جگر گوشہ فاطمہ کا نور نظر حسین مظلوم اس کے بالکل خلاف عمل کرکے دکھاتا ہے۔ وہ شب عاشور اپنے تمام ساتھیوں کو جمع کرکے صاف لفظوں میں کہہ دیتا ہی کہ جسے جس طرف جانا ہو اس پردہ شب میں چلا جائے۔ میں نے تمھاری گردنوں سے اپنی بیعت اُٹھا لی۔ میں آگاہ کیئے دیتا ہوں کہ جو کوئی میرا ساتھ دے گا کل کو بغیر قتل ہوئے نہ بچے گا۔ اتنا کہدینا موت سے ڈرنے والوں کے دل گھبرانے اور میدان میں تھرتھری ڈالنے کے لیئے بہت کافی تھا مگر واہ رے کربلا کے سرفروشو، شمع رسالت کے پروانو، شیردل مجاہدو، حسین کے جاں نثارو تمھارے ایمان کا کیا کہنا۔ ثبات قدم کا کیا ٹھکانا۔ ذرا ارادوں میں جنبش نہ ہوئی۔ ذرا استقلال میں فرق نہ آیا۔ ذرا نیتیں ڈانواں ڈول نہ ہوئیں۔ کیسا گھبرانا۔ کیسا ہچکچانا کیسا لینا کیسا کانپنا۔ اکڑ کر کہا۔ تن کر کہا جوش میں بھر کر کہا۔ سچے دل سے کہا۔ پکے ارادے سے کہا "ای حسین! ای نبی کے پیارے فرزند! ای ہمارے مظلوم آقا! آپ کیا فرما رہے ہیں۔ ایک جان کیا چیز ہی اگر ہزار جانیں ہوں تو

آپ کے قدموں پر نثار کر دیں۔ آپ کا دامن چھوڑ کر کہاں جائیں
آپ کے قدموں سے جدا ہو کر کس کے قدم پکڑیں۔ ہم آپ کی نصرت
سے اکتا نہیں رہے۔ سرفروشی سے گھبرا نہیں رہے۔ دل میں
یہ شوق ہے طبیعت میں یہ امنگ ہے۔ دل میں یہ ولولہ ہے کہ
کب صبح ہو اور آپ کے اوپر اپنی ناچیز جانوں کو قربان کر دیں
چار دن کی زندگی کے لیئے کیا اپنی آخرت کو خراب کر لیں مظلوم
آقا بیکس مولا آپ اطمینان رکھیے۔ جب تک ہمارے سینوں میں
دل، دل میں ارادہ اور ارادہ پر ہمارا قابو ہے۔ آپ کا ساتھ
نہ چھوڑیں گے۔ زخم کھائیں گے خون میں نہائینگے روز ہنستے
ہنساتے راہی جنت ہو جائینگے۔ ہم موت سے ڈرتے نہیں
بلکہ شجاعت کا ایک کھیل سمجھتے ہیں

نمبر ۴ عام قاعدہ یہ ہے کہ جنگ کے موقع پر جب
کسی بادشاہ کو اپنی کامیابی دور نظر آنے لگتی ہے تو وہ جان
بچانے کے لیئے غنیم کی اطاعت اختیار کر لیتا ہے لیکن کربلا کے
ہیرو نے غنیم کے سامنے سر اطاعت خم کرنے پر موت کو ترجیح
دی۔ اس کا خاص سبب یہی تھا کہ حسین جو کچھ کر رہے تھے وہ اپنے
لیئے نہیں بلکہ دین کے لیئے کر رہے تھے۔ یزید سے صلح کر لینے میں
حسین کی جان کے بچ جانے کا تو امکان تھا لیکن دین کے
بچنے کا نہ تھا۔ اسی سے یہ نتیجہ بھی برآمد ہوتا ہے کہ امام حسین ع
نے دنیوی ملک و مال کی طمع میں یہ جنگ نہ کی تھی بلکہ دینی
ہمدردی میں کی تھی۔ اگر ملک و مال پانے کا خیال ہوتا تو جہاں
اور بہت سے دنیا پرستوں نے بیعت یزید کا قلادہ گردن میں
ڈال کر بڑی بڑی جاگیریں بڑے بڑے انعام بڑے بڑے
نقد مارے تھے کیا حسین کے لیئے یہ ممکن نہ تھا حسین کے ذاتی
اور خاندانی اثر سے یزید اتنا مرعوب ہو رہا تھا کہ اگر حسین
یزید کی سلطنت کا ایک صوبہ بھی مانگ بیٹھتے تو وہ بڑی خوشی
سے دینے کو تیار ہو جاتا لیکن حسین کو یہ منظور نہ تھا کہ چند روزہ
عیش و آرام کے بدلے دین الٰہی کا ہمیشہ کے لیئے یزید کے ہاتھوں
خاتمہ کرا دیں۔ وہ گھر سے نکلے تھے اور اس ارادہ سے نکلے تھے
کہ دنیا سے حق و باطل کا فیصلہ کر کے اٹھیں گے۔ دین کے سوکھے
درخت کو اپنے تازہ خون سے سینچ کر اٹھینگے۔ یزید جیسے فاسق
و فاجر کی بداعمالیوں سے پردہ اٹھا کر اٹھیں گے حسین اپنی
موت کا مکمل پروگرام گھر سے تیار کر کے چلے تھے۔ انھیں اپنے
مرنے کا دن، وقت اور عنوان سب کچھ معلوم تھا وہ اپنی
شہادت کی خبریں مرنے سے بہت پہلے سن چکے تھے وہ
اس وقت اسلام پر فدا ہونے کا کئی سال پہلے سے وعدہ
کر چکے تھے۔

نمبر ۵۔ میدان جنگ کی طرف قدم بڑھانیوالے
فتحمندی کی آرزو میں مرنے والے آغاز جنگ سے پہلے
اپنی عورتوں کو کسی محفوظ مقام پر چھوڑ جاتے ہیں تاکہ
اگر خلاف امید صورت پیش آئے اور فتح کی جگہ شکست
نصیب ہو تو غریب عورتیں ان کی بدقسمتی میں شریک
نہ بنیں اور دشمن کے سپاہی اپنا دست تعدی ان کی
ناموس کی طرف نہ بڑھا سکیں لیکن حسین نے ایسا نہیں
کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی ملکی جنگ کرنے کے
لیئے اپنے گھر سے نہیں نکلے تھے بلکہ انھوں نے اپنی اور
اپنی اولاد کی قربانیاں چڑھانے اور راہ خدا میں اپنی
ناموس کی ہتک حرمت کو گوارا کرنے کا پہلے سے تہیہ
کر لیا تھا۔

نمبر ۶ عموماً میدان جنگ میں سپاہی اس بات کے

جویاں ہوتے ہیں کہ آغاز جنگ سے پیشتر جتنا وقت آرام کا مل جائے اُسے غنیمت سمجھ کر آرام حاصل کر سکیں، خوشیاں منالیں عیش و عشرت کے ارمان نکال لیں، لیکن حسین نے ایسا نہیں کیا بلکہ اُنھوں نے ایک رات کی مہلت اس غرض سے حاصل کی کہ عبادت خدا میں گزاردیں یاد الٰہی کے زمزموں سے کربلا کی فضا کو بھردیں۔ وہ عشق خدا کے متوالے، شراب معرفت کے مدہوش۔ عبادت کے دلدادہ۔ ذکر خدا کے عاشق تسبیح الٰہی کے شیدائی بڑی اطمینان سے بڑے خضوع و خشوع سے بڑے شوق سے اپنے خالق کی یاد میں مصروف رہے۔ کیا یہ نفس مطمئنہ معمولی لوگوں کو حاصل ہو سکتا ہے۔ کیا یہ روحانی کمالات عام طور پر جنگجو سپاہیوں میں پائے جاتے ہیں۔ موت کے تصور سے ڈرنے والے ڈریں حسین نہیں ڈرتے دشمن کی بے تعداد فوج سے مرعوب ہوں۔ مرعوب ہونیوالے حسین مرعوب نہیں ہوتے۔ بھوک پیاس سے ہوش و حواس کھوئیں کھونے والے حسین نہیں کھوتے مال دنیا کے غم میں روئیں رونے والے حسین نہیں روتے وہ الموت اولیٰ من رکوب العار کا نعرہ مارنے والے ہیں وہ الموت احلیٰ من العسل کا دم بھرنے والے ہیں وہ کیا جانیں موت سے منہ موڑنا کسے کہتے ہیں وہ کیا سمجھیں اجل کی تلخی کیا ہوتی ہے۔ اُنھوں نے پستانِ شجاعت سے دودھ پیا ہے۔ ان کی رگوں میں ہاشمی خون کا دورہ ہے۔ وہ اس لیئے شہید ہو رہے ہیں کہ دنیا میں ہمیشہ زندہ رہیں۔ وہ اس لیئے مر رہے ہیں کہ دفتر عالم میں حیات دوام ان کے نام لکھی جائے وہ اس لیئے گھر اجاڑ رہے ہیں کہ کربلائے حسین قیامت تک آباد رہے وہ اس لیئے اپنی اولاد کٹا رہے ہیں کہ شجر اسلام کے پتہ پتہ پر ان کا نام نقش ہو جائے ہے دنیا میں کوئی اس ہمت کا آدمی ہے بنی آدم میں کوئی اس کلیجہ کا بہادر ہے صفحۂ عالم پر کوئی اس نرالی سج دھج کا شہید راہِ خدا کوئی نہیں ای حسین تیرے سوا کوئی نہیں۔ ہر در و بام سے آواز آرہی ہے سنیں سننے والے۔

والله که اے حسین کار سے کردی

نمبر ۷۔ دُنیا کے بادشاہ ہزار تدبیریں ایسی کرتے ہیں کہ اپنے دشمن کو ہلاک کر دیں لیکن حسین ایسی تدبیریں کرتے ہیں کہ جاں بلب دشمن بچ جائے۔ گور کنارے غنیم حیات تازہ حاصل کرلے۔ وہ حُر اور اُس کے پیاسے لشکر کے لیئے ایسی حالت میں جبکہ ان کی جان پر بنی ہوئی ہے اپنی مشکوں کے دہانے کھول دیتے ہیں اور نہ صرف سپاہیوں کو بلکہ ان کے جانوروں تک کو اس حد تک سیراب کرتے ہیں کہ وہ پانی سے منہ اُٹھا لیتے ہیں، اور ذرا اس کی پروا نہیں کرتے کہ کل دشمن کی طرف سے اس کا کیا بدلہ ملیگا ہے کسی دوسرے میں یہ جرأت۔ ہرگز نہیں۔

نمبر ۸۔ دنیا کا بڑے سے بڑا دلیر، نامور سے نامور جیوٹ۔ تجربہ کار سے تجربہ کار جنگ آزما ایسے وقت میں حواس باختہ ہو جاتا ہے۔ جب چاروں طرف سے اسکو مصائب گھیر لیتے ہیں۔ لیکن کربلا کا بے مثل یکہ تازنینوا کا بے نظیر مجاہد اپنے خصوصیات میں سب سے جدا ہے۔ ہجوم مصائب و تراکم حوادث سے نہ وہ گھبراتا ہی نہ وہ جھنجھلاتا ہے نہ صبر کی باگ اس کے ہاتھ سے چھوٹتی ہے

نہ شکر سے زبان رکتی ہے۔ بلکہ جس قدر مصائب و آلام کا ہجوم زیادہ ہوتا جاتا ہے اسی قدر اس کے چہرہ کا رنگ نکھرتا چلا جاتا ہے۔ وہ بھوکا بھی ہے پیاسا بھی ہے۔ زخمی بھی ہے، عزیزو کے داغ دل پر کھائے ہوئے بھی ہے صبح سے لاش پر لاش اُٹھا رہا ہے۔ اپنے پیاروں کو خاک و خون میں لوٹتا دیکھ رہا ہے۔ بچوں کی آواز العطش پیہم کان میں آ رہی ہے۔ بیکس عورتوں کی اسیری کا تصور نظر میں ہے۔ غرض کونسی مصیبت ایسی ہے جو اُس پر نازل نہیں ہوئی۔ کونسا غم ایسا ہے جس سے وہ بچا ہوا ہے لیکن پھر بھی وہ خدا کا بندہ لقائے الٰہی کا مشتاق۔ رضائے محبوب کا جویا۔ دین اسلام کا فدائی شریعت محمدی کا محافظ۔ اپنے جملہ حرکات و سکنات سے پورا پورا ثبوت اس بات کا دے رہا ہے کہ وہ اپنے خدا کو نہیں بھولا اس کے یقین میں ایک سر مو کمی نہیں آئی۔ اس کے اعتقاد میں ذرہ بھر لغزش نہیں ہوئی وہ کہہ رہا ہے اور بڑے شوق کے ساتھ کہہ رہا ہے ؎

ترکت الخلق طراً فی ہواک
وایتمت العیال لکے اراک
فلو قطعتنی بالحب اربا
فما حن الفواد الیٰ سواک

نمبر ۸۔ غرضیکہ یہ اور اس قسم کی بہت سی خصوصیات ہیں جو سوائے مجاہد کربلا کے کسی اور میں نہیں پائی جاتیں دنیا میں بہت سی لڑائیاں ہوئیں اور ہوتی رہتی ہیں۔

لیکن کربلا کی جنگ سے ان کو کیا نسبت۔ یہ وہ جہاد تھا کہ جس نے ہمیشہ کے لیئے حق و باطل کا فیصلہ کر دیا۔ یہ وہ جہاد تھا جس نے قیامت تک کے لیئے دنیا میں اسلام کی بنیاد کو مضبوط و مستحکم و بنا دیا۔ یہ وہ جہاد تھا جس نے اپنے ہر ہر پہلو سے انسان کو بے شمار اخلاقی سبق سکھائے۔ یہ وہ جہاد تھا جس نے بنی امیہ کی سطوت و جبروت کا ہمیشہ کے لیئے خاتمہ کر دیا۔ یہ وہ جہاد تھا جس نے شکست میں بے نظیر فتح حاصل کی۔ یہ وہ جہاد تھا جس کی یاد دنیا میں قیامت تک باقی رہے گی۔ یہ وہ جہاد تھا جس میں انسانی فرائض بہترین صورت میں انجام دیئے گئے اس جہاد کی مفصل کیفیت پڑھنے کے بعد یہ بات سمجھ میں آ جاتی ہے اسلام کے حقیقی رہنماؤں نے جس طرح صلح میں اپنی اعلیٰ روحانیت اور کمال انسانیت کے ثبوت دیئے اسی طرح جنگ کے موقعوں پر بھی وہ کبھی فطری محاسن کے اظہار سے قاصر نہیں رہے لوگ جنگ کے موقع پر کیا کچھ نہیں کرتے۔ مکر کرتے ہیں۔ غدر کرتے ہیں۔ فریب دیتے ہیں۔ خوشامد کرتے ہیں۔ کفر کے کلمے کہتے ہیں۔ دشمن کے ناجائز مطالبات کو قبول کرتے ہیں۔ جان بچانے کی لاکھوں تدبیریں کرتے ہیں۔ ہوش و حواس کھو بیٹھتے ہیں لیکن حسین کا جہاد ان تمام نقائص و عیوب سے پاک و صاف تھا۔ حسین کو سوائے رضائے الٰہی اور کوئی شے مطلوب ہی نہ تھی۔ الا لعنت اللہ علی القوم الظالمین و سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

مولوی لقا علی صاحب حیدری صدر انجمن اعجازیہ نے حاضرین بزم سے روح مرحوم کے ایصال ثواب کے واسطے سورۂ فاتحہ کی خواہش کی اور مرحوم کی مغفرت اور ان کے پسماندگان کو واسطے صبر جمیل کی خالق کائنات سے بتصدق آل اطہار دعا کی گئی مجمع باوجود تنگی وقت و شدت گرمی کے قابل اطمینان تھا

خاکسار علیم سید عنایت علی شاہ نقوی۔

یاد حسینؑ

از حضرت مولانا عینی شاہ صاحب نظامی واعظ و مبلغ اسلام حیدرآباد دکن

سُنتے آئے ہیں جن کے کام بڑے اُن کے نام بڑے اور جن کے نام بڑے ان کی عظمت بڑی۔ مگر دنیا کیا دُنیا کی عظمت کیا اور دُنیا کے کام ہی کیا دنیا ایک آئی گئی سی بات اور آنی جانی شے ہے۔ دنیا کی باتیں ادھر ہوئیں ادھر مٹیں۔ نہ دنیا کے لوگ رہیں گے اور نہ دنیا کے کارنامے رہیں گے۔ یہاں کی امارت دو روزہ یہاں کی مسرت یک روزہ۔ دُنیا خواب تو دُنیا کے کاروبار فریب عالم خیال۔ یہاں کی آبرو عین بے آبروئی یہاں کی محض بے عزتی یہاں کا وقار بے وقری۔ اور یہاں کا پیار ناقابل اعتبار دنیا کے رنگ و بو اُڑ جانے والے اور دنیا والے دُنیا فنا ہونے والے۔

ہاں دُنیا میں رہ کر خدا لگتی کہنا۔ خدا کے کام کرنا خدا کے ہو رہنا کام کی بات ہے اس سے عزت بھی ہے آبرو بھی عظمت بھی ہے اور وقار بھی۔ اسی کو کام کہتے ہیں اور یہی کرنے کا کام بھی ہے یہ کام کرنے والے نامآور ہوتے ہیں دنیا ان کی دین ان کا اور خدا ان کا ہو جاتا ہے جن کے کارنامے خدا کو پسند ہوں ان کا کیا کہنا یہ کارنامے ثبت است بر جریدہ عالم دوامہا۔ کا مصداق ہیں۔ جو کارنامے عنداللہ ثبت ہوں۔ ان کی بقا کا کیا پوچھنا؟ ان کے انعام و اکرام کا کیا ٹھکانا؟ اللہ والوں کے نام و نشان مٹتے نہیں نسلوں چلتے ہیں ان کی زندگیاں مرجع عالم اور ان کی قبریں بوسہ گاہ خلائق ہوتی ہیں۔ ان کی شہرت غیر فانی اور ان کی عظمت جاودانی ہوتی ہے۔ یہ مٹائی مٹ نہیں سکتی اور بگاڑے بگڑ نہیں سکتے لهم البشری فی الحیوة الدنیاء والاخرة یہی حقیقی معنوں میں مقصود آفرینش اور یہی اصلی صورت میں خدا کے بندے ہیں ان سے خدا خوش اور یہ خدا سے راضی خدا ان کا اور یہ خدا کے من کان للہ کان اللہ لہ۔ یہی ہے جو مولا کا ہو جاتا ہے تو مولا بھی اس کا ہو رہتا ہے۔ حدیث میں ہے جب بندہ بالکلیہ خدا کا ہو جاتا ہے تو خدا اُس کی سماعت و بصارت ہو جاتا ہے اس کی زبان اور اس کے جوارح ہو جاتا ہے۔ ایسے بندہ کا کیا کہنا؟ یہ تو خدا نما ہے اس کی بول چال خدا کی۔ اس کی سماعت بصارت خدا کی اور اس کے کام کاج خدا کے ہوتے ہیں۔ یہ خدا کا آلہ اور خدائی ہاتھوں میں کٹ پتلی بن جاتا ہے۔ وہ جدھر لے چلے چلا چلتا ہے وہ جو کروائے کیے دیتا اور وہ جو کہلوائے کہے جاتا ہے وما ینطق عن الھوی اس کی شان ہے وما رمیت اسی کی آن بان ہے یہ بندہ سارے بندوں کا سرتاج خدا کا خلیفہ اور دین و دنیا میں برگزیدہ مانا جاتا ہے ولایت اس کی گودیوں میں کھیلا کرتی ہے۔ کرامت اس کی ہر ادا سے نمایاں رہتی ہے۔

آئمہ ہدیٰ کا چمکتا ہوا آفتاب ولایت و قطبیت کا بدر البدور صدیقیت کا در بےبہا رضا و تسلیم کا سراپا سید الشہدا

امام حسین بن علی علیہ السلام اس اوج و قرب پر فائز اور اس معراج وصال پر پہونچے ہوئے تھے۔ یہ اہل فنا کے امام اور اہل بقا کے خضر راہ تھے۔ ولایت کی آبرو ان سے بڑھی۔ قطبیت کو چار چاند ان سے لگے ور امامت ان پر ناز اں تو شہادت ان پر قربان تھی۔ یہ محمد جیسے نانا کے نواسے علی جیسے باپ کے بیٹے اور فاطمہ جیسی ماں کے نور دیدہ تھے۔ ان کے نانا جیسے نانا کس کو نصیب ان کی ماں جیسی ماں اور دون کو کہاں میسر ان کے باپ جیسا باپ کس کو ملا تھا؟ یہ پاک ان کا حسب نسب پاک ہے۔ ان کا گوشت پوست پاک۔ ان کا خون پاک اور ان کی جان پاک یہ مجسم پاکی یہ سراپا طہارت بلکہ طہارت ان کی ذات سے طہارت کہلا سکی آیت تطہیر ان کی اور یہ آیت تطہیر کے۔ آیت مودت ان کی اور یہ آیت مودت کے بلکہ یہ قرآن مجسم اور قرآن ان کا سراپا تھا ان کا گہوارہ جبریل نے جھلایا اور انھیں محمد نے اپنے دوش پر بٹھایا۔ دوش محمد پر رسائی ان کے حصہ میں آئی یا ان کے بھائی کے یا ان کے باپ کے یا ان کی ماں کے۔ یعنی نبوت دنیا کو دکھلا رہی تھی کہ اربع عناصر نبوت امامت۔ ولایت۔ عصمت و شہادت ہیں حسین ان عناصر اربعہ کے پتلے تھے حسین کا نام ہی رضائے حق تھا۔ حسین مرقع تسلیم اور آسمان صبر تھے۔ رضائے حق پر سر تسلیم خم کرنا قضائے الٰہی سے بڑھکر ملنا شدت کی بھوک کا مقابلہ کرنا۔ بلا کی پیاس میں مسکرا دینا اور ہزاروں مصائب پر ثابت قدم رہنا آپ ہی کا حوصلہ تھا۔ جب تو اولٰئک علیھم صلوٰت من ربھم ورحمۃ کے مورد بنے۔ واللہ کہ اسی حسین کا رسے کردی۔

اس مغرب زدہ زمانہ میں اتنی فرصت کسی کو کہاں کہ تاریخ اسلام کی ورق گردانی کرے اور کوئی ان بوسیدہ صفحوں کو الٹ پلٹ کر دیکھے۔ کالج سے باہر آئے تو ٹینس کھیلے یا کرکٹ کا کوڑا نکالا۔ رات ہوئی تو فلمی دنیا کی سیر کی گھر آئے تو بستر پر دراز ہو گئے۔ دن چڑھے اٹھے ڈاڑھی بنائی حمام کیا کپڑے بدلے کچھ کھایا پیا اور کالج چلے۔ یہ ہوئے ہمارے ہونہار پودے۔ رہے بوڑھے اور از کار رفتہ یہ تو اپنا کو نہ سنبھالے پڑے رہے۔ رہے ہمارے کمالو پوت۔ کوئی مدیون ڈگری۔ کوئی مرہون تقاضی کسی پروارنٹ کسی پر قرقی۔ ایک آدھ خدا کا لال ان امراض سے بچا کھچا رہا تو اس کو دن بھر کمائی ہی کمائی۔ یا اندوختہ کا صرف بیجا۔ یہ بنا وہ توڑ زندگی توڑی مکان بنایا۔ مکان گرایا بنگلہ بنایا غرض یہ بنا وہ بنا یہ عمر گزاری۔ اگر خدا نخواستہ کسی کے دل میں خدا کی عظمت کچھ رہی تو مسجد کی پنجوقتہ زیارت کر لی اور رمضان کے روزے رکھے اور جنت کے دروازے کھٹکھٹانے لگے۔

ہمارے مولوی مشائخ انھیں حرام حلال اور حال قال سے اتنی فرصت کہاں کہ تاریخ اسلام دیکھیں ہم میں ہزاروں ایسے بھی ہیں جنھوں نے بدر کا نام تک نہ سنا اور جنھیں اتنا بھی معلوم نہیں کہ احد میں ہارے کون اور جیتے کون۔ اور جنگ خندق کس کے زور بازو سے فتح ہوئی ہمیں یاد ہے تو بلاسی کی لڑائی اور واٹرلو کی جنگ۔ نہ ہم نے تاریخ اسلام کو پڑھا اور نہ ہمارے بزرگوں کے کارنامے ہمیں یاد رہے میں مانتا ہوں اور نہایت ہی صحیح قلب سے مانتا ہوں کہ عہد نبوت کے حالات جاننے والے ہم میں ذلیل ہیں ضرور ہوں گے۔ مگر وہی کروڑوں میں اکائیاں۔

ہماری ان خود فراموشیوں میں ہماری ان



Nawab Hakim
Hamid Ali Khan Br.
BAR-AT-LAW
Amroha.

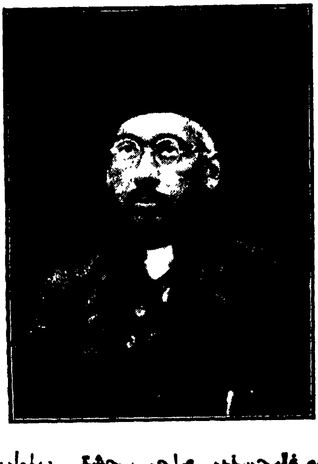


Captain Abbas Mirza B. Sc. Calcutta.
Best muslim athlete who captained successfully both in School & College, Secured several shields and cups.



S. Hasan Irshad Esq. B. A., LL. B.,
Civil Judge,
Hardoi.





جناب سید سلطان حسین صاحب مع احباب
رئیس محمد آباد گنہ ضلع اعظم گڈھ

حکیم غلام حسنین صاحب چشتی پھلواری
ای- ایم- بی-



سید شہنشاہ حسین صاحب آتاری
منیجر حیدرآباد بکڈپو حیدرآباد



جناب نواب سید محمد ذکی صاحب
معولی امام باڑہ آغا صاحب
بریلی

غفلت پرستیوں میں بھی یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ نہ صرف ہمیں بلکہ ہماری عورتوں اور بچوں کو بھی اگر کوئی مذہبی واقعہ یاد ہے تو وہ کربلا کی جنگ ہے اور بس وہ بھی بڑی تفصیل اور وضاحت کے ساتھ۔ ہم نے اپنے آپ کو فراموش کر دیا مگر نہ دس محرم کے سانحہ کو بھولا اور نہ اس دن کو فراموش کیا۔ ہمیں وہ دن آج تک یاد ہے۔ وہ داستان یاد ہے وہ دھوپ یاد ہے۔ وہ جلتی ریت یاد ہے۔ وہ وقت عصر یاد ہے۔ حسین کی وہ بیکسی یاد ہے اور ان کے بال بچوں کی وہ تشنگی پیاس یاد ہے اور ان کے جاں نثاروں کی وہ عدیم المثال سرفروشیاں یاد ہیں۔ ننھی ننھی لاشوں کا جلتی ریت پر تڑپنا بھی یاد ہے۔ بلکہ ایک معصوم شیرخوار کا سوکھا گلا تیروں سے چھلنی ہو جانا بھی یاد ہے۔ ہم نے سب کچھ فراموش کر دیا مگر نہ بھولا تو اس خونی داستان کربلا کو۔ پیارے حسین ابن علی کا زخموں سے چور دشمنوں میں محصور خون میں نہائے ذوالجناح سے زمین پر گر پڑنا گویا ہمارے سامنے ہے۔ ہمارا بچہ بچہ ان واقعات سے واقف اور ہماری گھر میں بیٹھنے والیاں اس جگر خراش سانحہ کے اجمال اور تفصیل سے آگاہ ہیں۔ صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ ہندوستان کی دیگر قومیں بھی کربلا اور حسین کو یاد رکھتی ہیں۔ ادھر محرم کا چاند نظر آیا اور ادھر حسین حسین شروع ہو گیا۔ ادھر نام حسین سنا اور ادھر ہماری آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔ اس حسین حسین کو آج تک نہ کوئی بند کر سکا اور نہ اس ہماری عزاداری پر کوئی پابندیاں عائد ہو سکیں یہ محض اس لئے کہ حسین کی محبت ہماری رگ رگ میں ہے اور حسین کا نام ہمارے دلوں میں کندہ ہے اور حسین کے مصائب ہمارے سینوں میں کالنقش فی الحجر ہیں حسین نے ہمیں فراموش نہ کیا تھا۔ بھلا ہم حسین کو کیا بھول سکتے ہیں؟

حسین حق کے پیارے۔ نبی کے دولارے اور امت کے سہارے ہیں حسین ملت پر قربان ہوئے اور ملت ان پر آج تک نثار ہے۔ حسین کو ہم انسان ہی نہیں بلکہ وحوش و طیور ملائکہ اور جنات تک عزیز رکھتے ہیں۔ آخر اس کا راز کیا اور اس کا بھید کیا؟ حسین کو یہ عالمگیر ہر دلعزیزی کیوں؟ کیا یہ اسی لئے نہیں کہ حسین خدا کے اور خدا حسین کا تھا من کان للّٰہ کان اللّٰہ لہ جب سچ ہے تو پھر ساری کائنات کیونکر حسین کی نہ ہو گی۔ حسین حق پر نثار ہو گئے اور خلق آپ پر نثار ہو رہی ہے۔ دین تو آپ کا تھا ہی آج دنیا بھی آپ کی ہو گئی ہے۔ حسین کو عیسائی جانتے پہچانتے ہیں۔ یہودی آپ سے واقف ہیں۔ یوربی آپ سے آگاہ ہیں۔ اور افریقی آپ کو پہچانتے ہیں۔ عرب میں حسین عجم میں حسین۔ ہند میں حسین۔ چین میں حسین مشرق میں حسین۔ اور مغرب میں حسین حسین ہے آشنا بھی آپ سے واقف ہیں اور ناآشنا بھی آپ سے واقف ہیں۔ ایسا محبوب القلوب اور محبوب کل انسان نہ آنکھوں نے دیکھا اور نہ کانوں سنا۔

ہم جانتے ہیں کہ آپ فرزند نبی۔ دلبند علی اور فاطمہ کے لال ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ خدا کے پیارے اور نبی کے دلارے ہیں ہم جانتے ہیں کہ آپ اعلیٰ سے اعلیٰ اور بہترین سے بہترین دینی باتوں کو پیش کیا جائیں اور اقرار کیا جائیں مگر اس بے خبری اور ناواقفیت کے باوجود اقوام عالم کی زبان پر حسین حسین کیوں ہے۔ کیوں ہر گوشہ سے صدائے حسین بلند ہے کیوں ہر جگہ حسین کے علم استادہ ہوتے ہیں۔ کیوں ہر حصہ میں

محرم ایام عزا منایا جاتا ہے۔ مانا کہ سکندر بڑے شخص تھے۔ بڑے جنگجو بہادر اور فاتح تھے۔ بڑے کام کر گئے اور بڑے کارنامے چھوڑ گئے مگر پھر بھی ان کے نام اور ان کے کام معدودے چند کو ہی معلوم ہیں اور ان کے حالات سے چند نفوس ہی واقف ہیں۔ عوام کیا جانیں کہ سکندر کون تھے اور کیا کر گئے۔ مگر حسین کو دیکھو تو ان کا نام ہر زبان پر اور ان کا ذکر ہر لب پر۔ آبادی سے کوسوں دور۔ مہذب دنیا سے الگ تھلگ۔ ایک گمنام لق و دق صحرا میں حسین جنگل میں منگل کرتے ہیں۔ مٹھی بھر ساتھیوں کے ہمراہ خدا کی راہ میں سر کٹانے اور دین زندہ کرنے جاتے ہیں اپنے اور اپنے بچوں کی قربانیاں بارگاہ خداوندی میں چڑھاتے ہیں۔ اتنی سی قربانی آج اتنی بڑی کیوں ہو گئی اور اتنی سی بات کیونکر ایک عظیم الشان سانحہ ہو گئی۔ کیا دنیا کی زمین پر اس سے بڑھ کر قربانیاں نہیں ہوئیں۔ کیا یہ خشک زمین لاکھوں کروڑوں بندگان خدا کے خون سے تر نہ ہوئی؟ کیا چلتی ریت پر لاکھوں تڑپتی لاشیں چشم فلک نے کبھی نہ دیکھی تھیں؟ مگر وہ خونیں داستانیں انسانی حافظوں سے مٹ گئیں وہ داستانیں ملک گیریوں اور عناد و بغض سے مملو تھیں۔ اس لیے اذہان عالم سے اتر گئیں۔ مگر داستان حسین محض خدا کے واسطے کی تھی اور حسین کی قربانیاں للہی تھیں اس لیے آج تک بھی فراموش نہ ہو سکیں اور نہ اس کی عظمت میں آج تک فرق آ سکا۔

امام ہمام نے کبھی سے جنگ کی نہ کسی کا ملک چھینا نہ کسی پر چڑھائی کی نہ کسی کو قتل کیا نہ کسی کو تکلیف پہونچائی نہ کسی کا مال لیا۔ یزید کی بے دینی جب تک اس کے نفس تک محدود رہی۔ یہ خاموش رہے اور جب یہ بے دینیاں بڑھتے بڑھتے عالمگیر ہونے لگیں اور قوانین دین کے علی الرغم یزیدی دین کے قانون بنائے جانے لگے۔ بھائی بہن کے نکاح ہونے لگے۔ ماں بیٹے سے رشتہ عقد باندھے جانے لگے شراب پی کر نماز پڑھائی جانے لگی اور ملت تباہ ہونے لگی تو حسین کی روح جو حقیقتہً روح اسلام تھی تڑپنے لگی اور بہانہ تلاش کر رہی تھی۔ کوفیوں نے خطوط کے تانتے باندھ دیئے اور بلاوے پر بلاوے آنے لگے کہ دین کو بچانے کو فہ چلے آیئے تو حسین پر اپنی قربانی واجب ہو گئی دین بچانے ہی کے لیئے اٹھ کھڑے ہوئے اور کربلا کا راستہ لیا مٹھی بھر ساتھیوں کے ساتھ حق کا اعلان فرمایا مگر شہید ہو گئے اور اپنے پاک خون سے اسلام کے داغ دھبوں کو ایسا دھویا کہ پھر اسلام آغشتہ ہو نہ سکا۔ مسلمانوں کی طرفداری کی اور مارے گئے اسلام کا علم بلند فرمایا اور قتل کر دیئے گئے۔ فسق و فجور سے مسلمانوں کو روکا اور شہید کر دیئے گئے۔ اس مشن میں آپ کے ہمراہ نہ ٹڈی دل فوج تھی نہ سوار۔ نہ تیر و تفنگ تھے نہ تیغ و علم صرف بہتر نفوس تھے ان میں بھی کئی بوڑھے اور کتنے ایک بچے اس مٹھی بھر جماعت کے ساتھ آپ نے محارم الہی کو ٹھکرانے والے سرکش کا مقابلہ فرمایا اور باطل کے بادلوں سے اسلام کو باہر نکال کر دنیا کو دکھا دیا کہ اسلام کا حقیقی روشن چہرہ یہی ہے اس پر شراب خور بگڑے۔ اس پر بے دین آستینیں چڑھانے لگے اور اس پر لعین چیں بہ جبیں ہو گئے اور حسین کا جواب تیروں سے تلواروں سے دیا حسین اور حسین کے مقدس ساتھیوں کا وہیں ڈھیر کر دیا مگر اس شہادت نے اس قربانی نے اور اس ایثار نے اسلام کو زندہ کر دیا اور انہی کا نام و نشان کو بھی صفحۂ روزگار سے مٹایا۔

بہتر نفوس کیا اور ان کا کارنامہ ہی کیا ایک دم



M. S. Mohd. Hasan Bilgrami
Acctt: General (Retd).
President Majlis Paigah
Sir Khurshed Jah.
Hyderabad and Lucknow.



Mirza Ali Mohammad Kashani
Merchant
Calcutta.



جناب مولوی سید ہادی حسین صاحب معہ فرزندان
جناب سید افتخار حسین صاحب سپرنٹنڈنٹ پولس
حیدرآباد دکن



(Sitting) Mirza Abid Hosen Pro. Jaun Tea
r Phears Lane Calcutta.
(Standing) Nawab Hosen Ali Khan
of Malerkotla.

جان کیا اور اس کی قربانی ہی کیا جس دنیا وی دیوتا پر لاکھوں کروڑوں انسان بھینٹ چڑھ گئے۔ جہاں ہزاروں لاکھوں عورتیں بچے قربان کر دیئے گئے جس دنیا نے انسانوں کے خون کے دریا بہا دیئے وہاں ایک انسان کا مارا جانا کیا اور ان کے خون سے زمین کی پیاس کا بجھنا کیا مگر نہیں قدرت نے اس ایک جان کے بدلے میں ستر ہزار جانوں کی دیت قبول کی اور اسی ایک جان کی قربانی سے ستر کروڑ جانوں کو آجتک زندہ رکھا۔ اور اس قربان ہونے والے کا کارنامہ ایسا زندہ کر دیا کہ آج تک بھولا نہ گیا اور اس قربان ہونے والے پر سے لاکھوں جانیں قربان ہوتی جا رہی ہیں اور اس کی یادگار کو زندہ رکھے ہوئی ہیں۔ یہ خونیں داستان چودہ صدیوں کے بعد بھی اتنی ہی درد بھری اتنی ہی اثر آفریں اور اتنی ہی جگر خراش ہے جیسی وہ ۱۰ محرم ۶۱ھ روز جمعہ کو تھی۔

یہ سانحہ درد بھرا کیوں ہے۔ یہ داستان اتنی دل خراش کیوں ہے۔ یہ قربانی جذبات میں اتنی ڈوبی کیوں ہے جو صدیوں گزرنے کے بعد بھی جیسی کی تیسی ہے سال کے سال تو قتل حسین ہوتا نہیں ہے۔ سال کے سال کربلا کی لڑائی ہوتی نہیں سال کے سال یزید اور ابن زیاد کے خونیں کارنامے ہوتے نہیں سال کے سال حسین اپنی قربانی دیتے نہیں۔ سال کے سال حسین زندہ ہوتے نہیں اور یزیدیوں کے خونیں ہاتھوں سے شہید ہوتے نہیں۔ پھر کیوں ہر محرم وہی ۶۱ھ کا محرم نظر آتا ہے پھر کیوں ہر سال کربلا کا منظر ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ پھر کیوں ہماری روحیں حسین کے لیے تڑپنے لگتی ہیں پھر کیوں ہماری آنکھیں عقیدت کے آنسو حسین پر سے نثار کرنے لگتی ہیں۔ کیوں نہیں یہ سانحہ بھی دنیا کے دیگر افسانوں کے مانند ذہنوں سے اتر جاتا ہے خصوصاً جب کہ اس کی مٹانے کی تابڑ توڑ کوششیں کی جا رہی ہیں۔ محض اس لیئے مٹائے مٹتا نہیں اور بگاڑے بگڑتا نہیں۔ اور بھلائے بھولتا نہیں۔ کہ حسین اسلام ہے اور اسلام حسین ہے اور یہی روح ہم مسلمانوں کے رگ وپے میں داخل اور جاری و ساری ہے۔ جب تک یہ روح ہمارے اندر ہے ہم حسین کو بھول نہیں سکتے اور حسین ہماری جانوں سے جدا نہیں ہو سکتے۔ حسین شہادت سے پہلے نبی کے نواسے علی کے بیٹے اور فاطمہ کے لال تھے اور بعد شہادت بنائے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ محمد رسول اللہ ہو گئے ہیں۔

حسین خدا کے لیئے خدا کا نام بلند فرماتے ہیں۔ خدا حسین کا نام بلند فرماتا ہے۔ حسین خدا کے لیئے اپنی جان دیتے ہیں اور خدا حسین کو حیات جاوید بخشتا ہے۔ حسین خدا کی آن بان پر مرمٹتا ہے اور خدا حسین کی آن بان تا قیامت قایم کر دیتا ہے۔ حسین راہ خدا میں اپنا سر دیئے دیتے ہیں اور خدا حسین کو سر بلند فرماتا ہے۔ حسین اپنے خون سے خدا کے دین کو پاک صاف کرتے ہیں۔ اور خدا حسین کے خون بہا کے لیئے مسلمانان عالم کی آنکھوں سے خون رولاتا ہے۔ حسین کا سر کٹ جاتا ہے مگر باطل کے آگے خم نہیں ہوتا۔ حسین کے ہاتھ کٹ جاتے ہیں مگر بیعت کی لعنت سے گندہ نہیں ہوتے۔ حسین زخمی ہو جاتے ہیں۔ مگر خدا کے دین کو زخمی ہونے نہیں دیتے۔ حسین خون میں نہائے جاتے ہیں مگر اسلام کی نکسیر پھوٹنے نہیں دیتے ہیں۔ حسین نے اپنے کو مٹایا اور نام خدا کو زندہ کر دیا۔ اور دنیا کو دکھا دیا کہ حق پر قربان ہونے والے ایسے ہوتے ہیں اور باطل کے ٹھکرانے والے ایسے ہوتے ہیں۔ اس پاک اور بے لوث قربانیوں نے حسین کو

زندہ جاوید بنا دیا اور ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاءٌ کا سہرا ایا کر دیا۔ اسی سر کٹوانے نے آپ کو سربلند کر دیا۔ اسی ہاتھ کٹوانے نے آپ کو سربلند کر دیا۔ اسی ہاتھ کٹوانے نے انما یبایعون اللہ کی شان آپ میں پیدا کردی اسی قربانی نے دو عالم کو آپ پر سے قربان کر دیا۔ اسی زندہ دلی نے آپ کو زندہ جاوید بنا یا۔ اسی حسینی نماز نے آپ کو مسجود عالم بنایا اور اسی محبوبیت نے آپ کو محبوب القلوب بنایا اور اسی شہادت نے آپ کو سید الشہداء بنایا۔

چند گھنٹوں کے اس واقعہ میں اور اس دوپہر والی داستان میں کچھ ایسی تڑپ اور دلسوزی ہے کہ جس نے سُنا رُو دیا اور جس نے پڑھا اُس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ چودہ صدیوں کے بعد اس میں وہی جگر خراشی اور اس میں وہی دل تنگانی پائی جاتی ہے آج بھی اس میں وہی اثر ہے جو یوم عاشورہ تھا۔ آج بھی اس میں زینب کی وہی دل کی تڑپ پائی جاتی ہے جب بہن نے بھائی کا لاشہ دیکھا تھا۔ آج بھی عزاداران حسین کے آنسو اسی طرح اُبل پڑتے ہیں۔ جیسے پیاری سکینہؑ کے آنسو باپ کے لاشہ کو دیکھ کر اُبل پڑے تھے آج بھی اس میں وہی سوز و گداز ہے جو عابد بیمار کے دل میں یوم عاشورہ تھا۔ محرم تو محرم غیر محرم میں بھی جہاں یہ خونیں داستان چھڑی اور آنسوؤں کی جھڑی لگی۔ ہم بھلا حسینؑ کو بھول سکتے ہیں جس نے ہمارے لیئے اپنی اور اپنے پیاروں کی جان دی۔ خدانخواستہ ہم ایسے احسان فراموش ہو بھی جائیں اور حسین کو بھول بھی جائیں تو کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ اسلام حسین کو بھول جائے؟

اس قربان ہونیوالے کا اپنے بال بچوں کے ساتھ بے آب و دانہ غربت و بے کسی میں شدت تمازت اور انتہائی بھوک پیاس میں خدا کے نام پر قربان ہو جانا کچھ ایسا دردناک منظر تھا جس پر حق سبحانہ نے خود اپنے آثار و آثار فلکی وارضی سے اپنی شدت غضب وجلال کا اظہار فرمادیا۔ مہینوں آسمان سے خون برسنا زمین سے خونیں فواروں کا نکلنا۔ آفتاب کا تیرہ و تاریک ہو جانا موبیتوں کا فریاد کرنا۔ چڑیوں کا چیخنا پکارنا جنات و ملائکہ کا نوحہ خوانی کرنا کتب تواریخ تک ہی محدود نہیں بلکہ احادیث میں بھی مندرج ہے مزار پر انوار پر تا قیام قیامت ستر ہزار فرشتوں کا روزانہ نازل ہونا آپ پر رونا اور درود و سلام عرض کرتے رہنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے بھی مروی ہے آنحضرتؐ کا پیش گوئی فرمانا اور حضرت جبرئیل کا اس کی تصدیق کرنا کہ غم حسین سال کے سال تا قیامت تازہ ہوتا رہے گا۔ ہماری احادیث صحیحہ سے ثابت ہے پھر بعض حضرات کا عزاداری حسین کو بدعت ٹھیرانا اور تین روز سے بڑھ کر کسی کی عزاداری کو ناجائز ٹھہرانا کہاں تک قابل اعتنا ہو سکتا ہے سہ روزہ عزاداری کی قید تو عوام کے لیئے یقیناً قابل تسلیم ہے مگر حسین ہم سب سے بالاتر ہیں اور ان کی عزاداری بھی عام عزاداریوں سے فزوں تر ہے یہ بھلا سہ روزہ قید کیونکر آسکتی ہے جب کہ اس عزاداری کا سال سال ہوتی رہنا حدیثوں سے مصرح اور واقعہ سے ساٹھ سال پہلے خود آنحضرت کا اس پر رونا رُلانا حدیثوں سے ثابت ہے۔

در دل من درد افزودی و دگوئی منال آتشے در جانم افگندی و می گوئی مسوز

عزاداری حسین کو مٹانے کی سعی لا حاصل اغراض کی تحت امارت مروان سے شروع ہوئی اور آج تک بھی طرفداران یزید اس کی پیچھے پڑے ہوئے ہیں مگر خدا کی شان ہے کہ یہ عزاداری کم ہونے کے بعوض سال کے سال عالمگیر ہوتی چلی جاتی ہے۔ فقط



Hasan Mumtaz Alam Sahab Siddiqi,
Hyderabad,
Police.



خان صاحب جناب سید لطف حسین صاحب
انسپکٹر پولیس سی- آئی- ڈی- الہ آباد



جناب سید تصدق حسین صاحب
انسپکٹر پولیس- مہمن بجنور



S. Mushtaq Hosen Esq. B. A., P. C. S. City Magistrate,
BARABANKI.



S. Abid Raza Zaidi Esq. M. A.
Treasury Officer,
Budaun.

ریویو بر اشارات غم

(از جناب سرپرست مدظلہ العالی)

حضرت نجم آفندی ہندوستان کے اُن مایۂ ناز شعراء میں سے ہیں جن پر جس قدر ناز و فخر کیا جائے بجا ہی مضمون صرف اس قدر ہی کہ آپ کا وجود ایسے زمانہ میں ہی جبکہ ہندوستان کی سرزمین پر اہل کمال کی قدر کرنیوالے مفقود ہیں۔ اور اس پرطرہ یہ ہی کہ آپ خوش قسمتی سے شیعہ بھی واقع ہوئے ہیں۔ اگر اس فن لطیف کی قدردانی صرف اس جرم پر کہ ہندوستان کا مایۂ ناز شاعر شیعہ واقع ہوا ہی اُس کی قدردانی نہ کریں تو انتہا درجہ کی ناانصافی ہوگی۔ میری عادت میں مبالغہ آمیزی نہیں ہی نہ اس کا میں کبھی بھولے سے بھی عامل ہوتا ہوں لہٰذا صرف اُن حضرات سے جو اُردو زبان کی قدر کرتے ہیں اور فن شاعری سے دلچسپی رکھتے ہیں اس قدر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اہل بیت حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مناقب اور درد آفرین مصائب اگر اُردو شاعری کے لباس میں دیکھنا ہوں تو "قصائد نجم" اور "اشارات غم" اس مقصد کے حصول میں بہترین معاون ثابت ہوں گے۔ جو حضرت نجم آفندی کے قلمی شاہکار ہیں۔ اسلامی دنیا کے صفحات پر حضرت نجم آفندی کے شاہکار قلم "قصائد نجم" کے بعض اقتباسات پیش کئے جا چکے ہیں۔ مجھے اُمید ہو کہ ناظرین اسلامی دنیا جن کو فن شعر و شاعری سے دلچسپی ہو فوراً حضرت نجم آفندی کی ہمت افزائی کرتے ہوئے ہمایوں مرزا صاحب۔ ہوم آفس کمپاؤنڈ حیدرآباد دکن کے پتہ پر درخواستیں بھیجکر دونوں کتابوں کو طلب کرینگے اور انشاء اللہ عنقریب جناب نجم صاحب کو دوسرے ایڈیشن کا انتظام کرنا ہوگا میرا دل چاہتا ہی کہ زیادہ سے زیادہ دو تین ماہ کے عرصہ میں صرف ان کتابوں کے دوسرے ایڈیشن ہی کا انتظام نہ ہو بلکہ ادب اُردو کے قدردان حضرت نجم کے دوسرے قلمی شاہکاروں سے لطف اندوز ہو سکیں۔ والسلام

خاکسار محمد لقاء علی حیدری ۱۵ اپریل ۱۹۳۶ء

کوثر والے

(از قصائد نجم)

ملک عرب کا تپتا جنگل	دھوپ سے ذرہ ذرہ بیکل
قہر کی گرمی وقت ستم کا	خشک ہے پانی دیدۂ نم کا
شعلہ بکف ہیں لو کے تھپیڑے	ڈوبے ہے ہیں خشکی میں بیڑے
رو بہ رضا ہیں چند مسافر	راہ طلب میں صابر و شاکر

مصحف حق کے بکھرے پارے
عرش زمیں پر چاند ستارے

گورے چہرے زلفیں کالی
پیوست ابرو آنکھ غزالی

تن میں اُجلے اُجلے جامے
سب کے سروں پر سبز عمامے

لانبے نیزے تیغیں دودھاری
گھوڑے جیسے باد بہاری

مکے والے مدینے والے
اپنے نبی کے رشتہ والے

ساری خدا کی شان کی باتیں
آپس میں قرآن کی باتیں

فخر عجم کے فخر عرب کے
شاہ شہیداں آگے سب کے

ایک کے پیچھے ایک عماری
ناقوں کے اوپر بیبیاں ساری

گود میں ننھے ننھے بچے
جیسے گاون میں موتی سچے

چھوٹا سا ایک شامی لشکر
حر ریاحی جس کا افسر

ان کا رستہ روکنے آیا
شیر دلوں کو ٹوکنے آیا

آیا لیکن پیاس کا مارا
مرنے کے وسواس کا مارا

سب کے لبوں پہ پپڑیاں جمائیں
منہ سے باہر خشک زبانیں

ایسا پتلا حال جو دیکھا
دشمن کو پامال جو دیکھا

جوش میں آئے کوثر والے
ابر کرم کے برسے جھالے

ایک خیال و خواب تھا پانی
کوسوں تک نایاب تھا پانی

بچوں کا بھی دھیان نہ آیا
خوب پلایا خوب لٹایا

مشک ہرا کے منہ کھول رہی تھی
تشنہ لبوں سے بول رہی تھی

عام کرم کی شان دکھائی
گھوڑوں کی بھی پیاس بجھائی

ایک نہ رکھا قطرہ باقی
واہ ری ہمت واہ ری ساقی

زندانِ شام

(از اشارات غم)

یادِ شہ کربلا شام کے زنداں میں ہے
صبح قیامت نما شام کے زنداں میں ہے

سید سجاد ہیں طاعت محبوب میں
چاند سا نکلا ہوا شام کے زنداں میں ہے

جان رسول خدا دشت میں ہے بے کفن
آل رسول خدا شام کے زنداں میں ہے

دھوپ میں کٹتا ہے دن رات میں کٹتی ہے شب
ہر ستم ناروا شام کے زنداں میں ہے

اہل وفا اُٹھ گئے اہل جہاں ہیں خموش
ماتم اہل وفا شام کے زنداں میں ہے

تیر ہے تلوار ہے تذکرۂ کربلا
روز نئی کربلا شام کے زنداں میں ہے

بالی سکینہ چلی باپ کا غم لے چلا
اور یہ ماتم نیا شام کے زنداں میں ہے

فرق شہ کربلا دیکھیے کیونکر ملے
ایک یہی آسرا شام کے زنداں میں ہے

جائے گا یہ سلسلہ تیرھویں معصوم تک
آج نئی ابتدا شام کے زنداں میں ہے

غیرتِ حق

(از جناب شیخ صادق حسین صاحب بی۔ ایس۔ سی کلکتہ)

تباہی میں سفینہ آ چکا تھا اُمتِ جد کا
یہ کشتی ڈوب کر خوں میں شہِ دیں نے نکالی ہے

جب ظلم اپنی حد سے گزر جائے جب طاقت کا گھمنڈ اور قوت کا نشہ جابر سلاطین کو از خود رفتہ بنا دے جب حق کے افق پر باطل کی گھنگھور گھٹائیں چھا جائیں جب نور کے گُل کرنے کی فکر میں کفر و ظلمت کی آندھیاں چلنے لگیں جب بدی کی قومیں نیکی سے برسرِ پیکار ہو جائیں۔ جب فتنۂ عالم صلح کل اور امن عام پر فاتحہ پڑھنے کے لیے اقتدار حاصل کر لے تو غیرتِ حق کا یہ تقاضا ہے کہ وہ ظلمت کے طلسم خانے کو توڑنے کے لیے۔ باطل کی فرعون سامانیوں کو خاک میں ملانے کے لیے۔ یعنی کفر کے دین بوالہوسی پر کاری ضرب لگانے کے لیے مادرِ دُنیا کے آغوش میں ایسے انسان پیدا کرے جن کی تبلیغی جد و جہد کی صدائیں اجتماعِ ضدین کی تنبیہ کرتی رہیں۔ یہ قدرت کا طریقہ جب سے دُنیا قایم ہوئی اب تک جاری و ساری ہے۔

ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک روزِ ازل سے لے کر اس دن تک خصوصاً از آدم تا ایندم اُس فہرست میں جس میں تمام باطل کے تابوت میں آخری کیل جڑنے والوں کا نام درج ہے محمد و آلِ محمد کے گھرانے کا نام اُس کی عنوانِ زینت ہے مجھے نہیں معلوم کہ عالم کی تاریخ کوئی ایسی مثال پیش کر سکتی ہے جو اہلبیت کی برگزیدہ شخصیتوں کے معیار کے مقابل میں لائی جا سکے۔ پیرِ فلک کی سال خوردہ آنکھیں بہت سے حق کے شیدائیوں کو دیکھ چکی ہیں۔ اس نیلگوں آسمان کے نیچے سیکڑوں روحیں ایسی گزری ہیں جن کی لطافت کا بیان کرنے میں اب تک تاریخ کی زبان مزا لے رہی ہے اس نامراد دنیا میں باوجود ظلم و ستم کی سلطنت ہونے کے ہزاروں ایسے رحمت کے متوالوں کی داستانیں ملیں گی جن کے دُہرانے میں ایک فخر حاصل ہوتا ہے لیکن محمد و آلِ محمد کے اس اعلیٰ معیار اور باعزم عمل میں جس نے حق کے نام کو اس قدر بلند کر دیا کہ لفظ کی بندش ختم ہو گئی۔ کوئی دوسری مثال نظر نہیں آتی۔ مقابلے کے ثبوت میں کوئی نام بتانے کی ضرورت نہیں۔ دنیا خود سمجھ رہی ہے۔ بس اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ تمام خوبیوں کا مجموعہ جس پیمانہ پر تیار ہو سکتا ہے نیکیوں کی بڑائی جس حد تک کی جا سکتی ہے تمام خصوصیات کی تصاویر کو جس اعلیٰ شان میں دُنیا کسی البم میں جمع کر سکتی ہے بلکہ وہ ساری بڑائی وہ تمام بلندی۔ وہ سب اچھائی جس سے انسان حقیقی انسان بن سکتا ہے بدرجہ اولیٰ اہلبیت میں اگر نہ ملے تب

عالم کسی دوسری جگہ تلاش کرے۔

حسین، جس تاجدار اسلام کے نواسے کے متعلق مجھے کچھ کہنا ہے۔ محمد کے گھرانے کی ایسی فرد تھی جو دنیا کی تاریخ میں اپنی آپ ہی مثال ہے۔ سچی قربانی۔ حقیقی ایثار علم و فضل۔ سخاوت و شجاعت حلم و بردباری غرض وہ کونسی بلند مرتبہ خوبی تھی جو فاطمی خاندان کے شہید اعظم نے ان الفاظ کو اپنے معنے سے بلند نہ کر دیا ہو۔

"نجات ابدی" کا وہ محبت بھرا پیام جو عبداللہ کے یتیم بچے کے منہ سے نکلا تھا۔ اس کو مسیحی قوم کے کسی سردار نے نہیں۔ ہندو و بدھ مت کے کسی لیڈر نے نہیں بلکہ ملت اسلامیہ کے اس ریفارمر نے دنیا کے گوشے گوشے میں صحیح معنوں میں پہونچا دیا جو غریب تھا لیکن کسی حاجتمند کو مایوس نہ پھیرا۔ گو فقیر تھا لیکن کوئی سائل در سے خالی ہاتھ واپس نہ کیا۔ مصائب میں گرفتار ہوتا رہا لیکن حق نمائی سے ہاتھ نہیں اٹھایا۔ زمانہ نے آنکھیں پھیر لیں دنیا نے چالیں چلیں فلک کج رفتار نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اس اعلیٰ مطمح نظر کو جس سے بلند مرتبہ انسانیت کی ساخت ہوتی تھی عمل کے خیال سے باہر نہ کیا

حضور والا! مجھے تو ایسا زبردست انسان ڈھونڈھنے میں دقت ہوتی ہے۔ تاریخ کے صفحات کھلے ہوئے ہیں۔ واقعات جہاں تک حقیقت کے تحت میں ہم تک پہونچے ہیں۔ روایتیں جتنی بھی سچائی کا پہلو لئے ہوئے ذکر کرنے والوں کی آغوش میں پائی جاتی ہیں ان میں کوئی بھی ایسا شہید نظر نہیں آتا جس نے شہادت کے وزن کو اس قدر بھاری کر دیا کہ جس کے صرف بوجھ کا خیال ہی ہستیاں متزلزل کرنے کو کافی ہے۔ میرے خیال میں اولوالعزمی ثبات قدم۔ صبر و استقلال کو فخر ہو گیا کہ جو معنی وہ انسانوں کی کوتاہی سے اپنے دامن کے نیچے شرمندگی سے چھپائے ہوئے تھے۔ اس کو فاطمہ کی گود کے پلے ہوئے نے عمل کے پردے پر دکھا دیا۔

میں یہ نہیں کہتا کہ دنیا نے شہید ہی نہیں پیدا کیے نہیں نہیں! تماشا گاہ عالم کے اسٹیج پر بہت سی ایسی مثالیں ہیں جنھوں نے شہادت کے درجے میں کامیاب قدم رکھا۔ کیا ہندو مت کیا عیسائیت، کیا اسلام ہر قوم میں ایک نہیں کئی ایک میدان شہادت کے ہیرو نظر آتے ہیں لیکن ساتھ اس کے یاد رہے کہ یہ ظلم ہوگا اگر کربلا کے شہید کو صحیفۂ شہادت کا عنوان زینت تسلیم نہ کیا جائے۔ کیا کوئی دنیا میں ایسا ہے جو ہر بات میں کامل ہونے کے باوجود ہر شے میں اعلیٰ پیمانہ پر پہونچنے کے باوجود۔ ہر خوبی سے آراستہ ہو کر ہمت و استقلال کے ساتھ۔ جرات و شجاعت کے ساتھ شہادت کے جام کو نوش کر لے اور پھر تمام مصیبتوں میں گرفتار ہو کر تمام آلام میں پھنس کر۔ تمام تکلیفوں میں گھر کر غرض تمام دکھوں میں محصور ہو کر ہنسی خوشی اپنی جان کو حق پر قربان کر دے یہ بہت مشکل کام ہے۔

حسین تاجدار نبوت کے نواسے۔ علی کے لاڈلے فاطمہ کے پیارے عالم بھی تھے۔ فاضل بھی تھے فلسفہ داں بھی تھے۔ قرآن صامت کی تفسیر بھی تھے اور قرآن ناطق بھی تھے۔ شجاع بھی تھے۔ بہادر بھی تھے حلیم بھی تھے۔ سخی بھی تھے۔ عابد بھی تھے۔ زاہد بھی تھے۔ رحیم بھی تھے۔ کریم بھی تھے۔ غرض وہ تمام خوبیوں کے مظہر تھے کہ جس کا تصور

کیا جاسکتا ہے۔ حسین میں نیکی کی کوئی ایسی بات نہ تھی جو نہ پائی جاتی ہو۔ بلکہ وہ سراپا نیکی تھے۔ کیا دنیا کے پردے پر کوئی ایسی مثال موجود ہے جو باوجود ان تمام اچھائیوں کے ان ساری بلند مرتبہ باتوں کے حق کی حمیت میں مصیبت اور تکلیف میں گھر کر اپنی جان اور اپنے گھر بھر کی جان کو اس طرح خوشی خوشی قربان کر دے کہ ماتھے پر شکن نہ آنے پائے۔ پائے ثبات میں تزلزل نہ ہو۔ استقلال میں ذرہ برابر فرق نہ آئے اور اگر شش ماہی کو تیر لگے تو وہ اس کی سختی۔ دیکھ کر تین شب و روز کی بھوک و پیاس میں شکر خدا بجا لائے۔ موت سے اس طرح کھیلنا جس طرح بچے گیند سے کھیلتے ہیں۔ مادی عیش و آرام سے محرومی حاصل کر کے بڑی سے بڑی تکالیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کر لینا۔ دنیاوی لذتوں سے الگ ہو کر کڑیل جوان کو ایڑیاں رگڑتے ہوئے دیکھنا اور خاک و خون میں غلطاں بیجان دیکھ کر سجدۂ شکر کرنا۔ شش ماہی کو دم توڑتے ہوئے دیکھنا۔ اُف تک نہ کرنا کسی معمولی انسان کا کام نہیں۔

جب دین محمدی خطرہ میں پڑ گیا تھا۔ جب اسلام کی سیدھی سادی تعلیم عرب کی قدیم توہم پرستی سے بدلنے والی تھی جب جاہلیت کا سیلاب سر سے اونچا ہونے والا تھا۔ جب باطل کے سردار یزید کا پورا ارادہ ہو چکا تھا کہ عرب کو اس تاریک دور میں پھر ڈھکیل دیا جائے جس سے وہ خدا خدا کر کے نکلا تھا۔ جب جرایم ظاہری اور باطنی حد سے تجاوز کرنے لگے تھے۔ جب وہ تمام فتنے جو ہمارے رسولؐ خدا کی جد و جہد سے مٹ گئے تھے پھر از سر نو برپا ہو رہے تھے اور حقانیت کا جہاز ظلم استبداد کی متعددہ کوششوں سے تباہی میں آ گیا تھا تو بنی نوع انسان کے محسن حق کے حقیقی علمبردار۔ تاجدار اسلام کے پیارے نواسے نے خون میں ڈوب کر اس کشتی کو نکالا۔ یہ تھا وہ کمال جس کی وجہ سے آج اسلام اصلی اسلام کی صورت میں موجود ہے یہ تھا وہ کارنامہ جس کے سبب سے دین محمدی اپنی ساری آن بان سے قایم ہے۔

حسین نے اپنی توہین گوارا کی۔ اپنا وطن چھوڑا۔ اپنا گھر بار لُٹا دیا۔ تین شب و روز بھوک و پیاس کی تکلیف بھی زہر میں بجھے ہوئے ہتھیاروں کے زخم کھائے دشمنوں کے طعنے سُنے عزیز دوست چہیتے فرزند۔ پیارے بھائی اور تمام اقربا کو نثار کر دیا۔ اپنے دل کے ٹکڑے شش ماہے تک کو قربان کر دیا۔ لیکن انسانیت کی توہین کرنے والے توہین کے سامنے سر نیچا نہ کیا۔ باطل کے سامنے سر نہ جھکانا تھا نہ جھکایا

شاہ است حسین بادشاہ ہست حسین
دین است حسین دیں پناہ ہست حسین
سر داد نہ داد دست در دست
حقا کہ بنائے لا الہ ہست حسین

یہ تھا وہ انقلاب جو حسین نے پیدا کر دیا۔ یزید کی بیعت نہ کر کے حسین کا صرف اموی تاجدار کی اطاعت سے انکار کا مقصد نہ تھا بلکہ حق کے علمبردار کو باطل کے سردار سے کوئی ذاتی پرخاش نہ تھی بلکہ حسین کا یہ مقصد تھا کہ دنیا سیکھے اور زمانہ سبق لے کہ ظلم و ستم۔ کفر و نفاق۔ بیجا تفوق اور حق ناجائز اقتدار اور ہر بری صفت سے۔ جو سوسائٹی کے لئے خطرناک اور زمانے کے لئے ہولناک ہو اُن کے سامنے انسان کبھی سر نہ

نہ جھکائے۔ انسانیت کی توہین کرنے والے قوانین کے سامنے کبھی سر تسلیم خم کرے بلکہ اگر ایسا موقعہ درپیش ہو تو حسین کی طرح قربانی دے کر انسانیت کی لاج رکھ لے، اور باطل کے سامنے گردن خم نہ کرے۔

حسین شہید ہو گئے۔ مولائے دو جہاں خلد نشین ہو گئے۔ مصائب اٹھانے والے دنیا سے چل بسے۔ کربلا کے شہید گزر گئے لیکن آج اسلام کی حالت پھر روبہ تنزل ہے۔ وہ ایک خدا اور ایک دین کا بنیادی اصول جس نے سب کو ایک رشتے میں منسلک کر دیا تھا آج پھر بھلا دیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں عربی۔ عجمی۔ ہندی۔ ایرانی اور عیسائی اختلافات کی بنیادیں رکھی جا رہی ہیں۔ ہر طرف بے دینی کا بازار گرم ہے۔ دنیا کی زمین انسانوں کے خون سے رنگین ہو رہی ہے۔ دغا بازی اور مکاری پھر عام ہو رہی ہے۔ آج دنیا پھر ظلم و استبداد سے بھر گئی ہے اور صرف حسین اور ایک حسین کی متلاشی ہے۔ ان کے عمل پر چلنے کی خواہشمند ہے ہم کو دل تنگ نہ ہونا چاہیئے۔ وہ زمانہ آ رہا ہے جب حسین تو نہیں مگر حسین سا ایک حق کا علم بردار ظاہر ہو گا زمانہ کی کشمکش بتاتی ہے بنیادی قوموں کا جنگ و جدل میں حصہ لینا بتاتا ہے کہ نفسانی جدوجہد کے ساتھ جب ساری لوگ لڑ پڑیں گے۔ جب تمام قومیں برسرپیکار ہو جائیں گی پھر پھر ایسی جنگ جو گیس کی جنگ کہلاتی ہے یعنی جس میں نہ حملہ کرنیوالے کا بچنا آسان ہے اور نہ اس کا جس پر حملہ کیا جائے شروع ہوئی تو یقین ہے کہ ہوتے ہوتے وہ دن آ جائیگا جب سارے لوگ تھک کر بمقتضائے فطرت اس واحد ذات کی طرف رجوع ہوں گے جو خالق کائنات ہے وہ وہ دن ہو گا جب سب ایک ہو جائینگے۔ سارا عالم ہم خیال ہو جائے گا۔ ایک ملت کے سوا کوئی دوسرا دین نہ ہو گا۔ ان انشاء اللہ تعالے آپ دیکھیں گے کہ اس دین کا سردار وہ آل محمد کی آخری فرد ہو گی جسے ہم امام آخرالزماں کہتے ہیں۔

واقعہ کربلا سے اخلاقی سبق

(از جناب مولوی نظام الدین حسین صدیقی نظامی بدایونی کے قلم سے)

محرم کا مہینہ ہمیشہ سے عرب میں ایک ممتاز مہینہ رہا ہے۔ اسلام سے پہلے ایام جاہلیت میں اہل عرب اس مہینے کو خاص عظمت اور اہمیت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ تمام جھگڑے اور لڑائیاں اس مہینے میں بند کر دی جاتی تھیں۔ گویا یہ وہ مبارک مہینہ تھا جو اہل عرب جیسی جنگجو قوم کو پُرامن بنا دیتا تھا اسلام نے بھی اس مہینے کی عظمت کو قایم رکھا لیکن نبی اکرم صلعم کی وفات کے بعد ۶۱ھ میں اس مہینہ میں کربلا کا جانگداز واقعہ ظہور میں آیا اور مسلمانوں میں یہ مہینہ رنج و غم کا مہینہ اور کم سے کم ایک فرقہ میں اس کو خاص مذہبی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ اس مختصر مضمون میں جو اسلامی دنیا کے محرم نمبر کیلئے



Maulana Hakim Doctor
Syed Inayet Ali Shah Naqavi.
(Fazile Mashraqi)
D. I. M. S., H. A., H P.,
Medalist (Lucknow)
Editor Islami Dunya,
BUDAUN.



M. Nizamuddin Hosen Nizami
Editor Zulqarnain.
BUDAUN.



سید محمد ضیغم علی خاں



سید سرفراز علی خاں



عالیجناب الحاج خان بہادر نواب سید
مظفر علی خاں صاحب بہادر
اسپیشل مجسٹریٹ و رئیس اعظم جانسٹھ

کھ رہا ہوں اس واقعہ کی مذہبی حیثیت سے بحث نہ کرونگا
کیونکہ مجھے یقین ہے کہ دوسرے قابل مضمون نگاروں نے اس
واقعہ کے اس پہلو پر قلم اٹھایا ہوگا۔ میں صرف یہ دکھانا چاہتا
ہوں کہ ہم اس واقعہ سے اخلاقی سبق کس طرح حاصل کر
سکتے ہیں۔

اس سے قبل کہ میں اس کی اخلاقی حیثیت پر
روشنی ڈالوں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس واقعہ کی
یادگار شیعہ اور سنی مسلمانوں کے دونوں گروہوں میں
منائی جاتی ہے۔ اور شیعوں سے زیادہ سنی بھائیوں نے
رنج و غم کی اس یادگار کو میلے ٹھیلے کی شکل دیدی ہے لیکن حضرات
ہندوستان میں بلکہ ایران و عراق میں غیر شرعی اور
غیر اخلاقی رسوم کی اصلاح کی طرف توجہ شروع ہوگئی ہے
شاہ ایران رضا شاہ پہلوی نے ان مذموم اعمال و حرکات
کو ماتم حسین کے سلسلہ میں ہوتی تھیں عملاً بند کر دیا ہے
کچھ عرصہ ہوا کہ اصفہان کے ایک نامور مجتہد شیخ محمد تقی مدظلہ
کا ایک فتویٰ میری نظر سے گزرا تھا جس میں موصوف نے
سینہ کوبی۔ بدن کو زنجیروں قفلوں اور آہنی زنجیروں
سے زخمی کرنا اور تلواروں سے مجروح کرنا۔ حرکات وحشیانہ
اور خلاف شرع بتایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ "حسین ابن
علی نے صرف اعلان کلمۃ الحق کے لیئے یزید کی بیعت نہ کی
اور خود شہید ہو گئے وہ بھلا ایسی وحشیانہ حرکات پر
کب راضی ہوتے ہیں جن کا نام عزاداری رکھ لیا گیا ہے"

اسی سلسلہ میں مجتہد صاحب نے حضرت امام
ہمام کی اس آخری وصیت کا حوالہ دیا ہے جو جناب
امام نے اپنی ہمشیر حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا
سے مخاطب ہو کر فرمائی تھی۔ موصوف لکھتے ہیں:۔

"حضرت سید الشہداء نے آخری دم اہل بیت کو الوداع
کہتے وقت فرمایا "ہمشیرہ جان زمین و آسمان اور ما فیہا
سب فنا ہو جائینگے سوا خدائے حی و قیوم کوئی باقی نہ
رہے گا ایسا نہ ہو کہ میری وفات کے بعد تو اپنے منہ پر طمانچے
مارے یا چہرے کو زخمی کرے"

جہاں تک مجھے یاد ہے یہ فتویٰ سنہ ۱۹۲۹ء میں شائع
ہوا تھا اور اس کے بعد ہی جون سنہ ۱۹۲۹ء میں لاہور کے
مشہور مجتہد سید علی صاحب حائری مدظلہ نے لاہور کے ایک
عام جلسہ میں اس فتوے کی تائید میں عوام کو متنبہ کرنے کے
لیئے اعلان کیا تھا جس کا اثر گزشتہ نو سال میں کم و بیش تمام
ہندوستان میں ہونا شروع ہو گیا ہے اور عشرہ مقدسہ کے
موقعوں پر جو اخلاق کو خراب کرنیوالی رسمیں پھیل گئی تھیں وہ
مفقود ہوتی جا رہی ہیں۔

جناب سید الشہداء کے اخلاق حسنہ۔ صبر۔ حلم۔ شجاعت
سخاوت۔ خوف خدا عزم و استقلال۔ عبادت۔ زہد۔ صدق
مقال صفات حسنہ نہ صرف ان کی ذات میں جمع تھیں
بلکہ ان کے بہتّر رفقا جنھوں نے معرکہ کربلا میں جان بازی
کی انھیں صفات کا آئینہ تھے ان کی یادگار قائم کرنے
میں ہمارا فرض ہے کہ ان صفات کا پرتو اپنے میں پیدا
کریں ورنہ محض رونا اور نمائشی افعال سے اس یادگار
کی عظمت کو گھٹانا اظہار غم کا جائز اور مناسب طریقہ
نہیں ہے۔ ہم جس وقت آپ کے مصائب کی داستان کو
پڑھتے اور سنتے ہیں کہ آپ نے کیا کیا مصائب اٹھائے
تو ہمیں یہ غور کرنا پڑتا ہے کہ یہ مصائب کس لیئے تھے صرف

اس لیئے کہ سچائی اور صداقت کی حمایت مقصود تھی اور دنیا کا کوئی لالچ یا طمع یا خوف ان کو راہ حق سے نہ ہٹا سکا۔ لیکن حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے رونے کے واسطے بھی اس طرح فرمایش کی ہی من بکے علی الحسین فقد احسن بالنبی و فاطمہ جو حسین پر رویا وہ محسن رسول خدا و فاطمہ زہرا ہوگا۔ ملا محمد مبین فرنگی محلی لکھنوی نے اس حدیث کو باسناد معتبرہ لکھا ہی اور حضرت علامہ شاہ عبد العزیز نے سر الشہادتین میں لکھا ہی کہ بعد شہادت جو واقعات مثل امطار دم (خون کا برسنا) ہاتف غیبی کا گریہ کرنا۔ جنوں کا نوحہ و بکا میں مصروف ہونا اس لیئے تھا کہ "لیطلع الحاضرون والغائبون علی وقوعہا بل بابقاء البکاء والحزن المستمر و تذکر تلک الوقائع الہائلۃ فی امتہ الی یوم القیامۃ" تاکہ حاضر و غائب اس واقعہ سے باخبر ہو جائیں بلکہ بکا اور حزن کا سلسلہ ہمیشہ باقی رہے اور انتہا درجہ حضرت رسول خدا میں تذکرہ واقعات کربلا قیامت تک جاری رہے امید ہی کہ امت حضرت خیر الانام غم حضرت سید الشہدا میں مصروف گریہ رہ کر اپنے مسلم ہونے کا ثبوت دیگی اور اس عظیم الشان قربانی سے جو غلاق قایم کرنا یقیناً دوستی کے پردہ میں دشمنی کا مترادف ہے

ورروحانی سبق حاصل ہوتا ہی اس کو دہراتی رہیگی (مدیر)

اگر سچائی اور صداقت کا سبق دینے کے لیئے ہزاروں صفحات سیاہ کیئے جائیں تو ان سے وہ فائدہ نہیں ہوسکتا جو اس عظیم الشان قربانی کی یادگار منانے سے ہوسکتا ہی۔ بشرطیکہ اخلاقی حیثیت سے گری ہوئی مراسم کا اس میں دخل نہ ہو اور ہمیں یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ جن کی یادگار ہم مناتے ہیں وہ ان مراسم کو جو قرآن اور شریعت کے خلاف ہیں اگر دیکھیں تو ہم سے خوش ہوں گے یا ناراض۔

ان تمام باتوں کو ملحوظ رکھ کر اگر ہم شہدائے کربلا کی یادگار منائیں تو اس کو دیکھ کر نہ صرف مسلمان بلکہ ہر طبقہ اور ہر فرقہ عزم و استقلال کے ساتھ صداقت پر قایم رہنے کا سبق حاصل کرسکتا ہی۔

(فاضل نامہ نگار نے جن فتاوی کی طرف اشارہ کیا ہے اُن سے عزائے حسین مظلوم برپا کرنے اور غم حسین میں صرف گریہ و بکا ہونے سے اختلاف نہیں کیا گیا۔ رونا ایک فطرتی امر ہی۔ اور انتہائی مصیبت کے عالم میں اگر عنان صبر ہاتھ سے جاتی رہے تو یہ فعل اختیاری نہیں کہا جاسکتا اور نہ قابل اعتراض ہوسکتا ہے۔ مظلوم کربلا کی عزاداری کے سلسلہ میں مسلہ بقیلہ

(مدیر)

شاہان اسلام کا زمانہ اور تعزیہ

(از علمی جنتری کانپور ۱۹۳۲ء)

ہندوستان میں تعزیہ داری اُس زمانہ سے رائج ہی جس زمانہ میں علمائے دین کا عروج تھا اور وہ اس کے مانع اور مزاحم نہ تھے۔ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر جس کی شرعی ہیبت اور پابندی دین کا ڈنکا بج رہا تھا وہ کبھی تعزیہ داری کا مزاحم نہیں ہوا

بلکہ اس زمانہ کے علمائے دین نے اس کے جواز کا فتویٰ دیدیا اور وہ ان کی تعظیم کرتے رہے ہیں جس کا ثبوت یہ ہے۔ علمائے صالحین این عصر امر مذکورہ از شعائر اسلام تصور فرمودہ قطعاً فتوے برائے ترویج و قیام آں دادہ اند (از رسالہ ازالۃ الاوہام مولوی عبدالرزاق نبیرہ مولوی عبدالعلی مرحوم) ترجمہ علمائے صالحین نے امور مذکورہ کو شعائر اسلام مان کر کے ان کے جاری اور قایم رکھنے کا قطعی فتویٰ دیدیا ہے۔

پس ازیں عصر و زماں علمائے صالحین فتوے بترویج وقیام تعزیہ امام مظلوم کہ دادہ اندکہ ودرست وترویج آں موجب ثواب و اجر عظیم است (خزانۃ المحققین) تصویر اسے کہتے ہیں کہ انسان کوئی چیز خدا کے مشابہ بنائے (صحیح بخاری وشرح کنز الدقائق) لایکرہ تمثال غیر ذی الروح لانہ لایعبد (کتاب ہدایہ) ترجمہ۔ غیر جاندار کی صورت بنانا مکروہ نہیں ہے۔ تصویر روضہ مقدسہ۔ منبر شریف۔ قبر مبارک جناب سولخدا تصویر چاہ۔ درخت خرما۔ تصویر نعل مبارک جناب سولخدا بنانا درست ہے! ازکتاب ماثبت بالسنۃ وکتاب دلایل الخیرات رقم زدہ۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی۔ جب شیعہ واہلسنت دونوں کی کتابوں سے غیر جاندار کی تصویر بنانا درست ہے تو روضۂ جناب امام حسین کی شبیہ بنانے میں کوئی شرعی قباحت لازم نہیں آتی۔ اگر حضرت نبی کریم کا روضۂ و گنبد نہ بنایا جاتا تو آج غیر قوموں کو یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہوتا۔ کہ مسلمانوں کے نبی کیسے تھے آثار واخبار تو ایک طرف ان کی قبروں کے نشان بھی مسلمانوں کو معلوم نہیں (امید ہے کہ مخالفین تعزیہ داری غور کریں گے)

بلوچستان کا محرم

(از جناب چودھری فرمان علی صاحب فورٹ سنڈیمن)

بلوچستان کا صدر مقام کوئٹہ ہے یہاں خدا کے فضل سے چار پانچہزار مومنین کی تعداد ہے۔ زیادہ حصہ ہزارہ مومنین کا ہے جو کہ افغانستان سے امیر عبدالرحمٰن خاں کے وقت سے کوئٹہ میں آن کر مقیم ہوئے ہیں یہ لوگ بڑے مخلص مومن ہیں اور سپاہیانہ سپرٹ کے مالک ہیں۔ مسجد امام باڑہ اور پیش نماز کا مکمل طور پر انتظام ہے۔ اور جناب سید الشہداء علیہ السلام کی عزاداری میں بہت ہی اخلاص اور انہماک سے کام لیتے ہیں اور زبردست ماتمی ہیں (۴) عرصہ سے کوئٹہ میں انجمن اثناعشریہ قایم ہے جس کے اہتمام سے ہر معصوم کی ولادت اور شہادت پر مجالس کا انعقاد ہوتا ہے اور مذہب حقہ کی تبلیغ کے لیئے ہندوستان کے مایہ ناز مبلغین کو طلب کیا جاتا ہے زلزلہ سے پہلے انجمن مذکور نے چند فیملی کوارٹرس برائے رہایش حضرات زائرین جو براستہ کوئٹہ ایران وعراق تشریف لے جاتے تھے تعمیر کرائی ہوئے تھے ہندوستان اور دیگر بلاد اسلامی کے زائرین ہزاروں کی تعداد میں آکر مقیم ہوئے اور اراکین انجمن نے انکی آسایش

اور امام باڑہ کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا افسوس کہ بوجہ زلزلہ زوار خانے منہدم ہو چکے ہیں، ابتک ایک ہال و زنانہ کمرہ برائے انعقاد مجالس و صرف ایک فیملی کواٹر برائے رہایش زائرین تعمیر کرایا گیا۔ انجمن مذکور کی کوشش ہے کہ اگر قوم نے توجہ فرمائی تو امام باڑہ کے وسیع احاطہ میں مزید کمرے برائے رہایش زائرین تعمیر کرائے مجھے یقین واثق ہے کہ میری غیور اور مخیر قوم اس کار خیر میں حصہ لیکر داخل حسنات ہوگی۔ محرم کا عشرہ نہایت ہی شاندار طور پر منایا جاتا ہے اور جلوس علم بھی عظیم الشان طور پر انجمن مذکور کے زیر انتظام نکلتے ہیں علاوہ ازیں قندھاری مومنین کی مجالس عزا کا انتظام علحدہ ہے اور حضرات مومنین یو۔پی بھی عزاداری میں خوب اہتمام کے ساتھ حصہ لیتے ہیں۔

(۳) کوئٹہ میں ینگ مسلم شیعہ ایسوسی ایشن بھی عرصہ سے اکثر مفید قومی لٹریچر شائع کراتی رہتی ہے

(۴) کوئٹہ کے علاوہ بلوچستان کے دیگر اضلاع مثلاً سیوی۔ لورالائی۔ فورٹ سنڈیمن میں بھی پنجاب ہندوستان و افغانستان کے مومنین آنکر آباد ہو گئے ہیں اور عشرہ محرم الحرام خوب زور و شور کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ خاکسار جب کوئٹہ سے تبدیل ہوکر فورٹ سنڈیمن میں آیا تو عشرہ محرم کے لیئے جناب عمدۃ الواعظین مولانا قبلہ شبیہ الحسنین صاحب بدایونی کو دعوت دی اور جناب ممدوح از راہ مہربانی زحمات سفر برداشت فرماتے ہوئے دو سال سے لورالائی اور فورٹ سنڈیمن میں عشرہ محرم پڑھ رہے ہیں اثر کا یہ عالم ہوتا ہے کہ شیعہ حضرات سے اہل سنت والجماعت زیادہ مجالس میں شرکت کرتے ہیں اور خوب اثر لیکر جاتے ہیں۔ مولانا ممدوح نے اپنی خداداد قابلیت سے گزشتہ دو سالوں میں خوب خراج تحسین حاصل کیا اور جامع مسجد لورالائی و فورٹ سنڈیمن میں متعدد وعظ فرمائے اور بہت ہی عمدہ اثر یہاں کے ملکی پٹھانوں نے لیا پہلے یہ لوگ ملا لوگوں کے بہکانے سے شیعہ حضرات کو تو کافر سمجھتے تھے لیکن اب یہ غلط فہمیاں رفع ہو رہی ہیں۔

فورٹ سنڈیمن میں امام باڑہ نہیں تھا امسال ایک نہایت ہی موزوں جگہ پر وسیع ٹکڑہ حاصل کر کے تعمیر کرائی گئی، الحمدللہ کہ پختہ عمارت پایہ تکمیل کو پہنچنے والی ہے پھر الحمدللہ علیٰ احسانہ امسال بھی عشرہ محرم کی مجالس کے لیئے جناب مولانا شبیہ الحسنین صاحب بدایونی تشریف لا رہے ہیں

(۵) بلوچستان میں جو بلوچ قوم آباد ہے تاریخ سے پایا جاتا ہے کہ ان کے آبا و اجداد شیعہ تھے اور گردش زمانہ سے یہ لوگ اپنے بزرگوں کے مذہب سے دور ہو گئے اب بھی جس وقت باقاعدہ طور پر ان بلوچوں میں تبلیغ کا انتظام ہو گیا تو لاکھوں کی تعداد انشا اللہ مذہب حقہ کو قبول کریں گے۔ جس کام کے لیئے سرمایہ محنت مذہبی لٹریچر اور مبلغین کی ضرورت ہے۔ مجھے امید ہے کہ انجمن امامیہ اثنا عشریہ اور ینگ مسلم شیعہ ایسوسی ایشن اس اہم کام کی طرف اپنی توجہ مبذول کرے گی۔

میرا مضمون طولانی ہو رہا ہے دکھلانا یہ مقصود تھا امام حسین علیہ السلام کے رونے والے دنیا کے گوشے گوشے میں بستے ہیں اور یہ قدرت کا اپنا اہتمام اور انصرام ہے کہ جتنا مخالفین نے دبانے کی کوشش کی اتنا ہی یہ ابھرا۔ اور کیوں نہ ہو حق اور صداقت کی فتح عظیم ہکو



Dewan Bahadur
Agha Humayun Mirza Sheeraz:
Dewan Sahib of
Banganpalli.



Prince Mohd. Hashim Afsar
I Vice President
Council of State
Tehran.



His Excellency

Maharaja Sir Kishan Prasad Bahadur

K. C. S. I., C. I. E., C. S. I., G. C. I. E.,

Ex-Prime Minister of

Hyderabad.

کہتے ہیں کہ ادھر محرم کا چاند نظر آیا عالم میں حسین حسین کے نعرے لگ رہے ہیں لیکن یزید علیہ اللعن کے چیلے ادھر مخالفت سے باز نہیں آتے اور عبرت حاصل نہیں کرتے۔
واللہ کہ ای حسین کارے کردی

نوٹ :- جناب مولانا مولوی شبیہ الحسنین صاحب کلکتہ نے اس سال بھی عشرہ محرم میں فورٹ سنڈیمن اور دیگر مقامات میں قابل یادگار مجالس پڑھیں اور خاص و عام پر آپ کی پرخلوص تقریروں کا غیر معمولی اثر ہوا۔

(مدیر)

سلام برنگ غزل

از افادات عالیہ سرکار مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنۃ سابق وزیر اعظم

(حیدرآباد دکن)

خبر نبود کہ عشقش عذاب خواہد شد — عدوی من دلِ خانہ خراب خواہد شد

شراب عشق بخوردم و لے ندانستم — کز آتشِ غم او دل کباب خواہد شد

چو دورِ جام بہ بزمش تمام شد ساقی — یقیں نمود غروب آفتاب خواہد شد

ق

اگر دہی تو دلِ خویش آں جفا جو را — خراب تر ز جہانِ خراب خواہد شد

زمانہ زاد بسے مرد در جہاں اما — محال ہست دگر بوتراب خواہد شد

ہمیں مشیت حق بود از برائے علی — کہ در مقام رسالتمآب خواہد شد

بگفت حُر جری یا حسین وقت جنگ — فدائی تو شہا ہمرکاب خواہد شد

ندا رسید کہ امروز حضرت عباس — غریقِ رحمتِ حق بہر آب خواہد شد

بگفت بنتِ علی با یزید شوم ای شاد

حسابِ ما و تو روزِ حساب خواہد شد

ایک مرثیہ کے چند ابتدائی بند (۱)

(از حضرت حسان الہند مولوی حافظ ظہور احمد صاحب اختر حنفی حمیدی بدایونی)

جان سخن ہے حضرتِ جلّ و علا کی مدح
حسن رخ بیاں ہے حبیب خدا کی مدح
مفتاحِ بابِ علم ہے خیبر کشا کی مدح
گلگونۂ کلام ہے خیر النسا کی مدح
قوت بیان کی جو عطا ذو المنن کرے
جب تک جیئے ثنائے حسین و حسن کرے

تفسیرِ مصحفِ احدی ہیں یہ نورِ عین
شرح حدیث مصطفوی ہیں یہ نور عین
دیباچۂ کلامِ علی ہیں یہ نور عین
متن کتاب بنتِ نبی ہیں یہ نور عین
ان کی ثنا۔ ثنا ہے خدا و رسول ؐ کی
ان کی صفت صفت ہے علی و بتول کی

مقبولِ خالق دو جہاں ہیں یہ ذی حشم
مفتاح قفل باب جناں ہیں یہ ذی حشم
نور نبی ختم زماں ہیں یہ ذی حشم
وجہ وجودِ کون و مکاں ہیں یہ ذی حشم
توصیف ان کی خالق اکبر سے پوچھیئے
ان کی صفت زبانِ پیمبر سے پوچھیئے

مہرِ سپہر معرفت کردگار ہیں
بحر محمدی کے درِ شاہوار ہیں
عالی ہمم ہیں صاحب عز و وقار ہیں
قدسی بھی ان کے جا کر خدمت گذار ہیں
قرآن ان کے وصف کا آئینہ دار ہے
مداح ان کے خلق کا پروردگار ہے

توصیف ان کی خالق اکبر کا کام ہے
تعریف ان کی مرسل داور کا کام ہے
ان کی ثنا کشندہ عنتر کا کام ہے
بیٹوں کی مدح بنت پیمبر کا کام ہے
دریائے سرمدی کے در بے بہا ہیں یہ
حاکہ حق نہیں ہیں مگر حق نما ہیں یہ

ادراک ان کے رتبۂ عالی کا ہے محال
تحریر ان کے وصف کسی سے ہوں کیا مجال
ماہیت ان کی کوئی سمجھ لے۔ یہ ہے خیال
انساں تو کیا ملک بھی یہاں ہیں شکستہ بال

کیا ان کے مرتبے ہیں بشر جانتا نہیں
ان کو بجز خدا کوئی پہچانتا نہیں

منقاد ان کے حکم کے میکال و جبریل
مداح ان کے یوسف و یعقوب اور خلیل
وصاف ان کے نوح بھی اور آدم جلیل
قبضہ میں ان کے کوثر و تسنیم و سلسبیل

مقبول کردگار ہیں پیارے نبی کے ہیں
فرزند فاطمہ کے ہیں بیٹے علی کے ہیں

بحر نوال و جود و سخا ان کی ذات ہے
دریائے لطف و مہر و عطا ان کی ذات ہے
مصباح علم و حلم و حیا ان کی ذات ہے
مصدق زہد و صدق و صفا ان کی ذات ہے

افضل کوئی رسول سے۔ غیر از خدا نہیں
غیر از رسول۔ ان سا کوئی دوسرا نہیں

رکن رکین دین مبیں ہیں یہ دیں پناہ
مفتاح باب خلد بریں ہیں یہ دیں پناہ
سرتاج اہل صدق و یقیں ہیں یہ دیں پناہ
مخدوم جبرئیل امیں ہیں یہ دیں پناہ

آئینۂ جمال رسالت مآب ہیں
نور محمدی کے یہ دو آفتاب ہیں

سرتا قدم ہے ان میں جمالِ محمدی
رُخ سے عیاں ہے جاہ و جلالِ محمدی
ہے وصف ان کا وصفِ کمالِ محمدی
صلوٰۃ بر محمد و آلِ محمدی

نور خدا و نور شہ مشرقین ہیں
سردار کائنات حسنؑ اور حسینؑ ہیں

از فرق تا قدم ہیں رسول خدا کی شان
چہروں سے آشکار ہے خیرالوریٰ کی شان
ظاہر ہے تیوریوں سے شہ لافتا کی شان
پیدا ہے بند بند سے مشکل کشا کی شان

ذی قدر ہیں۔ جری ہیں۔ فہیم و غیور ہیں
ظاہر میں آب و گل ہیں حقیقت میں نور ہیں

تخمیر میں ہے ان کے ہیولائے کائنات
ان کی صفات سے متجلی ہے شانِ ذات

مشتق ہیں ان کے ناموں سے احسن ہیں جمع صفات — یہ منبع نجات ہیں یہ جوہرِ حیات
تسبیح تمام ختم ہیں ان پر کمال کے
نقش دوم ہیں یہ قلم ذوالجلال کے

یہ وہ ہیں جن کے ہاتھ میں ہر جان کائنات — یہ وہ ہیں جن کی ذات ہی سر رشتۂ حیات
لیل ونہار دہر پہ آمر ہے ان کی ذات — دنیا میں ان سا کون ہے مستجمع الصفات
سید بھی ہیں شہید بھی ہیں اور امام بھی
جانِ علی بھی سبطِ رسولِ انام بھی

پست و بلند دہر پہ ہے ان کو اختیار — عالم میں ان سا ہو نہ ہوا کوئی ذی وقار
دنیا میں یہ امام ہیں عقبیٰ میں تاجدار — ان کی ولا ہے الفت محبوب کردگار
اللہ نے بنا کے سفینہ نجات کا
سونپا ہے نظم ونسق انھیں کائنات کا

ان کی ولا ہے باعث خوشنودیٔ الٰہ — ان کی ولا پہ نصّ مودت ہے خود گواہ
خوف ورجا میں پڑکے ہو انسان کیوں تباہ — جاتی ہے جو بہشت کو سیدھی یہ ہے وہ راہ
حیراں اگر ہو عقل تو ہاتھوں سے کام لے
دریا میں ڈوبتا ہو تو کشتی کو تھام لے

"حسین"

(از رئیس الشعرا حضرت آزم رودولوی)

یوں کفر کبھی رعشہ بر اندام نہ ہوتا
دُنیا میں صداقت کا کہیں نام نہ ہوتا
فطرت کی طرف سے اگر انعام نہ ہوتا
قدرت ہی کو منظور اشاعت تھی وگرنہ
کرتا نہ یہ دلسوز اثر قوم کے دل پر
سر دیتا نہ اس شان سے گر جان محمد

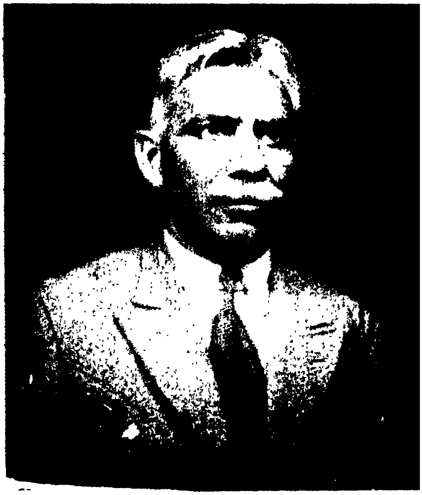
تکبیر نہ ہوتی جو ترا نام نہ ہوتا
شبیر نہ ہوتے اگر اسلام نہ ہوتا
رونے سے یہ تسکین بہ آرام نہ ہوتا
افسانہ قتل شہ دینِ عام نہ ہوتا
گر خون میں ڈوبا ہوا پیغام نہ ہوتا
اسلام جو ہوتا بھی تو اسلام نہ ہوتا



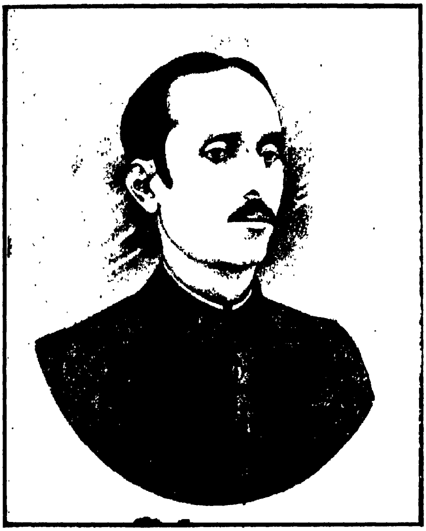
رئیس العلما جناب مولانا
مولوی سید علی مرزا صاحب
مجتہد العصر لکھنؤ



Alhaj S. Shgheer Hosen Sahab
Karbalai,
Retd. Dy Magte.
Bijnor.



S. SHBBEER HOSEN, B. A.,
Deputy Majistrate Canals
CAWNPORE.



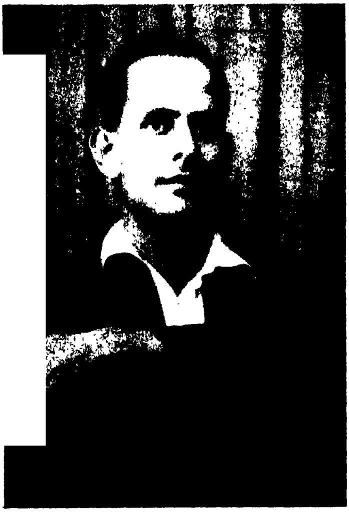
رئیس الشعرا

جناب مولوی سید جعفر مہدی صاحب رزم

دہلوی



Nawab Syed Khaqan Hosen Saheb Arif.
CAWNPUR.



Agha Mirza Mahmood Ispahani.
Inch. Tea Dept.
Messrs M.M Ispahani & Sons.
CALCUTTA



S. BASHEER AHMAD KAZIMI.
Inspector of Mines.
Bhurkunda. E. I. R.

مظلومیت اک شی ہی جو تڑپاتی ہے دل کو ورنہ کوئی خود دشمن آرام نہ ہوتا
تبلیغ امامت تھی کہ تکمیل رسالت یہ کام نہ ہوتا تو کوئی کام نہ ہوتا
مٹ جاتی جہاں سے بشری نفس کی ظلمت تو سجدہ کناں گرتہ صمصام نہ ہوتا
اسلام میں ہوتی نہ اگر روح شہادت اس درد کا اس شان کا پیغام نہ ہوتا
وہ تشنگیٔ شہ تھی نہ بجھتی لب کوثر گر جام شفاعت سا کوئی جام نہ ہوتا
واجب ہے اطاعت نہیں عاشور کو دن ہے دنیا میں کبھی عصر کا ہنگام نہ ہوتا

یہ اوج یہ تاثیر یہ الفاظ یہ معنی
کیا رزم سے ہوتا اگر الہام نہ ہوتا

قطعۂ عربیہ

(نتیجہ فکر گہربار جناب سید الشعرا نواب سید خاقان حسین صاحب عارف دہلوی)

لَقَدْ تبکی عیونُ الناس طُرّاً علیکَ یا حُسَینُ فلیف عینی
یُصَلّوُنَ ملآئکۃ السمآء علیکَ سیّدی فی النشأتین
اَمَا وَ اللہِ قد کنت سعیداً تقیاً مُعرِضاً عن کُلِّ شَینٍ
اذا قام الحسابُ غداً فرجّٰی عسیٰ ان یجمع بیناک وبینی

ترجیع بند بر سبک شعرائے ایران در ستائش مولانا حسین ابن علی ع

(۱)

آں کیست کہ خود را ہدف تیر بلا ساخت واں کیست کہ آتش بجہان ستم انداخت؟
آں کیست کہ از جاں شدہ با دوست بپرداخت واں کیست کہ در نصرت حق تیغ برافراخت؟
آں کیست کہ دل تنگ نگشت و نہ جگر باخت واللہ بجائے کہ ملک ہم سپر انداخت؟

آں مظہر فاتیست کہ نور الثقلین ست
آں فاش بگویم کہ حسین ست حسین ست

آں کیست کہ خود شاہد و مشہود و شہید ست (۲) واں کیست کہ چوں حیدر کرار سعید ست؟
آں کیست کہ ہم مقصد وہم شوق مزید ست واں کیست کہ روح و نفش عبد مرید ست؟
آں کیست کہ در مرتبہ یکتا و فرید ست واں کیست کہ او را چو خدا عزم شدید ست؟

آں مظہرِ ذاتیست کہ نور الثقلین ست
آں فاش بگوییم کہ حسین ست حسین ست

(۳)
آں کیست کہ در عالمِ عقل ست مکانش — واں کیست کہ بیروں ز گماں آمدہ شانش؟
آں کیست کہ شد زخمِ سناں راحتِ جانش — واں کیست کہ لرزید ملک زآہ و فغانش؟
آں کیست کہ با شکوہ نبا لود زبانش — واں کیست کہ شد شمر و سناں دشمنِ جانش؟

آں مظہرِ ذاتیست کہ نور الثقلین ست
آں فاش بگوییم کہ حسین ست حسین ست

(۴)
آں کیست کہ سرِ دفترِ اربابِ وفا گشت — واں کیست کہ دانستہ درِ اندوہ و بلا گشت؟
آں کیست کہ بگذشتہ ز خود سوئے خدا گشت — واں کیست کہ ہم قبلہ و ہم قبلہ نما گشت؟
آں کیست کہ دانا شدہ از معنیٔ لا گشت — واں کیست کہ بیروں ز حدِ ما و شما گشت؟

آں مظہرِ ذاتیست کہ نور الثقلین ست
آں فاش بگوییم کہ حسین ست حسین ست

(۵)
آں کیست کہ رشکِ ملک و فخرِ انام ست — واں کیست کہ او در فلکِ پیر غلام ست؟
آں کیست کہ خود قبلہ گہِ رکن و مقام ست — واں کیست کہ ہر گفتۂ او جان کلام ست؟
آں کیست کہ از جود و سخا مرجعِ عام ست — للہ بگوئید کہ آں مرد کدام ست؟

آں مظہرِ ذاتیست کہ نور الثقلین ست
آں فاش بگوییم کہ حسینست و حسینست

(۶)
بگذشتہ ز خود تا درِ جاناں کہ رسید ست — بگذشتہ ز آرام بلا را کہ گزید ست؟
از تشنہ دہانی لبِ خشکے کہ مکید ست — واز جامِ بلا بادۂ زحمت کہ کشید ست؟
در راہِ وفا طعنۂ دشمن کہ شنید ست — پا ساختہ از سر رہِ جاناں کہ دوید ست؟

آں مظہرِ ذاتیست کہ نور الثقلین ست
آں فاش بگوییم کہ حسینست و حسینست

(۷)
آں کو کہ دل خستہ و خوں گشتہ جگر داشت — واں کو کہ نہ فکرِ تن و اندیشۂ سر داشت؟
آں کو کہ بخلوت کدۂ ناز گزر داشت — واں کو کہ دل از ہر چہ بجز دوست بر داشت؟
آں کو کہ ز اسرارِ خدا نیز خبر داشت — واں کو کہ تمنائے تقرب بنظر داشت؟

آں مظہر ذاتیست کہ نور الثقلین ست
آں، کاش بگویم کہ حسینست و حسینست

ملّت ابراہیم اور حسین

(از مدیر)

دُنیائے تاریخ اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ اسلام کوئی جدید مذہب نہ تھا جس کو جناب رسالتمآب نے اہل عالم کے سامنے پیش کیا ہو بلکہ درحقیقت اسلام وہی دین ابراہیم تھا جس کو امتداد زمانہ نے اہل زمانہ کی نظروں سے اس طرح اوجھل کر دیا تھا کہ اب دُنیا کو انتہائی توجہ دلانے کے بعد بھی کبھی اس کی طرف بنگاہ حق و صداقت توجہ نہ ہوتی تھی بلکہ اکثر جناب رسالتمآب نے قریش و دیگر مشرکین عرب سے اپنی صداقت کا اقرار لینے کے بعد بھی اس کو پیش کیا تو بھی لوگوں کو ہمیشہ شک رہا اور کبھی کلیتہً اقرار صداقت نہ لیا جناب ابراہیم نے اپنے زمانہ میں انتہائی کوشش کی کہ خدا واحد و یکتا کی تعلیم توحید کو عمومی حیثیت سے دنیا تک پہونچائیں، اور کسی فرزند آدم سے بڑے شرک نہ آنے پائے ابراہیم کو اس سلسلہ کی ایک ایک کڑی جوڑنے میں کڑی کڑی منزلوں سے گذرنا پڑا بے شک ابراہیم نے اپنے فرائض کو بحد امکان ادا کیا اور آپ کے ہونے والے نبی فرزند نے بھی جگہ جگہ اعانت کی اور اس خدائے لامکان کا ظاہری مکان تیار کر کے درس توحید کو جاری کیا مگر امتداد زمانہ کی وجہ سے ابراہیم کی تعلیم میں کچھ عرصہ کے بعد کمی ہونا شروع ہوئی اور ہوتے ہوتے ایک زمانہ ایسا آیا کہ اس خدائے بےمثال کی تین سو ساٹھ مثالیں بنا کر اسی توحید خانہ میں رکھدی گئیں جہاں ابراہیم و اسمٰعیل جیسی مقدس اور محبوب خدا ہستیوں نے توحید کا پرچار کیا تھا پھر وہ تمام باتیں جو ابراہیم سے پہلے تھیں جدید لباس میں نمودار ہوئیں اگر ابراہیم کے زمانہ میں نمرود کی خدائی کا دور دورہ تھا تو اب لات و عزیٰ کا عرض کہ ایسے وقت میں قدرت نے پھر نسیم رحمت کو بھیجا اور اسلام کی وہ نورانی چنگاری جو صدیوں سے خاکستر شرک میں دب چکی تھی اور قریب تھا کہ خاموش ہو جائے پھر نئے سر سے جگانا چاہا اور ادع الی سبیل ربک کی مبارک آواز رسول امی کے کان میں آنے لگی رسول صلعم نے بھی اپنی انتہائی کوشش کی کہ اس تیرمردہ شجر اسلام کو پھر سے سرسبز و شاداب بنادوں اور دُنیا کو اخلاق کا بھولا ہوا سبق پھر پڑھا دوں اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد ہوا بعثت لاتمم مکارم الاخلاق

کون نہیں جانتا کہ جب رسول نے عرب کی صحرا میں لا الٰہ الا اللہ کی آواز بلند کی تو عرب کتنا بت اور اخلاق سے دور ہو چکا تھا رسول نے اپنی اور اپنے گھرانے والوں کی انتھک محنتوں سے دنیا کو اخلاق کی تعلیم دی اور عالم کے مردہ پیکر میں ایک روحانیت کی لہر دوڑا دی اور دنیا رسول کو مجسم اخلاق دیکھکر جوق جوق حلقہ بگوش اسلام ہوتی جاتی تھی اور مسلمان اقوام عالم کے لیئے اخلاقی حیثیت سے

آئینہ عبرت بنے ہوئے تھے مگر ادھر رسول کی آنکھ کا بند ہونا تھا کہ عام مسلمان نفس پرستی اور جاہ طلبی میں مبتلا ہو گئے اور اب اسلام ایک روحانی مذہب ہونے کی بجائے ملک کسریٰ کی جگہ لے چکا اگرچہ اسلام ظاہر نظر میں بام عروج پر تھا مگر حقیقی روح اسلام مسلوب بلکہ مفقود ہو چکی تھی اطوار و عادات اخلاق و اوضاع مسلمین اسلام کی حقانیت و صداقت کو مشتبہ بنا چکے تھے اسلام کی اصلی صورت اور حقیقی خد و خال دنیا کے سامنے سے مٹ چکے تھے۔ فرمانروایان ملک عموماً اور سلاطین ممالک اسلام اپنے طرز عمل سے عوام الناس کو بہت کچھ شاہراہ اسلام سے ہٹا کر نفس امارہ کی پگڈنڈی پر لگا چکے تھے یہاں تک کہ عنان حکومت معاویہ سے یزید کی طرف منتقل ہوئی اسلام کی حقیقی علمبردار دنیا والوں کی نفس پرستی کی پہلے ہی بھینٹ چڑھ چکی تھی جس کی وجہ سے اسلام کے حقیقی خط و خال اور بھی مدھم بلکہ بالکل مٹ گئے کون شخص ایسا ہے جو تاریخ پر نظر رکھتا ہو اور قوت انصاف بھی اس کی مسلوب نہ ہو چکی ہو جو ایک سطحی نظر تاریخ پر ڈالنے کے بعد اس نتیجہ پر نہ پہونچ جائے کہ اسلام پر حقیقت ایک ایسا وقت آ گیا تھا کہ اگر حسین رسول کا نواسہ ہمت سے کام نہ لیتا تو یزید کی سیاہ کاریاں اور انسانیت سوز مکاریاں اسلام کی بنیاد اکھاڑ پھینکتیں اور پھر اسلام ایسی مسخ صورت میں اہل عالم کے سامنے پیش ہوتا کہ کوئی مسلمان شرم کے مارے اپنے تئیں مسلمان کہلانا گوارا نہ کرتا یزید نے مسند حکومت پر بیٹھتے ہی حکومت کے ساتھ ساتھ زمام شریعت کو بھی اپنے ہاتھ میں سنبھالنے کی کوشش کی اور امور مذہب سے انتہائی بے خبری اور جہالت کے باوجود دعویٰ خلافت رسول صلعم کرنے لگا حالانکہ اس کا اسلامی نقطۂ نظر اسلام کے متعلق یہ تھا ؎

لعبت بنو هاشم بالملک فلا ملک جاء و لا وحی نزل

یعنی بنی ہاشم پر نہ کوئی وحی آئی تھی اور نہ ان کے پاس کوئی فرشتہ آیا تھا بلکہ ان لوگوں نے تو ایک کھیل کھیلا تھا اور بس اس کے دل میں خوف خدا و رسول اتنا بھی باقی نہ تھا جتنی اُر دیہ سفیدی حلال خداوندی حرام اور محرمات ایزدی حلال ہو چکے تھے دربار میں بالاعلان محافل رقص و سرود منعقد کی جاتی تھیں شراب نوشی کھلے خزانے ہوتی تھی عیش و عشرت کا دور اور نفس پرستی کا زور تھا۔ چیتے دوڑاتا بندر نچاتا۔ زنا کرتا فحش بکتا باپ کی مدخولہ عورتوں سے بے تکلف مباشرت کرتا حسین عورتوں کو مسلمانوں سے زبردستی لے کر اپنے محل میں داخل کرتا۔ نماز روزہ کا مذاق اڑاتا اصحاب رسول کی تحقیر و توہین کرتا تھا غرض کہ اس قسم کی ہزاروں منہیات کو وہ دشمنِ خدا جائز و حلال سمجھ کر کرتا اور پھر ان کو بیان کرتا تھا مسلمانوں کی روحانی قوت اس وقت اتنی کمزور ہو چکی تھی کہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور کانوں سے سُنتے تھے مگر کوئی جواب کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ ملکان میں اکثر ایسے تھے جو ہاں میں ہاں ملا کر اس شقی کو اور جرات دیتے تھے مسلمان اتنی قلیل مدت میں جہالت میں اس طرح غرق ہو چکے تھے کہ اگر کسی سے پوچھا کہ فاطمہ کون تھیں تو جواب دینے والے نے جواب دیا کہ علی کی بیٹی محمد کی بیوی (لاحول ولا قوۃ) عامۃ الناس فواحش کو معاش عیب نہیں بلکہ لباس خوبی سمجھ کر بجا لاتے تھے جگہ جگہ شرابخواری کا خیر مقدم اور برملا اس پر چاہ ہوتا تھا قرآن کو گا گا کر پڑھا جاتا تھا یزید کے دربار میں ایسے ایسے زرپرست علما کا ہجوم تھا کہ جو یزید کی رائے پر

تفسیر قرآنی بیان کرنے میں ذرا پس و پیش نہ کرتے تھے بلکہ ایک مرتبہ یزیدی اشارہ پر یزید کا نام قرآن میں اضافہ کرنے پر تیار ہو گئے جس سے خود یزید نے کسی مصلحت سے درگزر کیا اسی کا نام دین الٰہی اور مذہب اسلام رکھ گیا تھا

درحقیقت محل غور ہی کہ اسلام پر اس سے زیادہ سخت وقت اور کونسا ہو سکتا ہی کہ اس درندہ خصال انسان صورت خبیث فطرت نے جملہ محرمات کو علی الاعلان جائز کر دیا تھا سیکڑوں باکرہ عورتوں کا حرم رسول میں ازالہ بکارت کیا چار سو حافظان قرآن کو مدینہ نبوی میں قتل کر دیا مسجد نبوی میں گھوڑے بندھوا دیئے ایسے وقت میں حسین جیسا آغوش اسلام کا پروردہ ہرگز ہرگز اپنی آنکھ سے ان باتوں کو نہیں دیکھ سکتا تھا حسین اس وقت اپنے بال بچوں کو لے کر کھڑے ہو گئے اور حق و باطل کی جنگ شروع ہو گئی۔ ایک کوتاہ نظر ظاہر پر نظر کرتے ہوئے کہہ سکتا ہی کہ اگر حسین بیعت کر لیتے تو ان مصائب کا سامنا نہ کرنا پڑتا لیکن ایک با بصیرت تواریخ کا مطالعہ کرنے کے بعد ہرگز یہ رائے قائم نہیں کر سکتا اس لیئے حضرت علی نے وقت گزار امگر اس پرانی عداوت کا نتیجہ زہر آلود تلوار کی صورت میں پیش ہوا حسن مجتبےٰ نے صلح سے وقت گزارنا چاہا مگر جام زہر نوش فرما کر شہادت پائی اگر حسین بیعت کر بھی لیتے تو بھی یزید کے لیئے باعث اطمینان و سکون نہیں ہو سکتا تھا اس لیئے کہ حسین کی ذات ہی ایسی تھی جس کو یزید اپنے لیئے ایک سخت کانٹا سمجھتا تھا اور جانتا تھا کہ جب تک حسین دنیا میں موجود ہیں اس وقت تک میری جہالت و بدکاری کا چراغ علم و نکوکاری کی صورت میں کبھی روشن نہیں ہو سکتا بلکہ ہر ایک آسانی کے ساتھ میری برائیوں پر مطلع ہو جائے گا لہٰذا اگر تلوار سے شہید نہ ہوتے تو زہر سے قتل کر دیئے جاتے تاریخ پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہی کہ کوئی بنی فاطمہ ایسا نہیں گزرا جس کا انجام طبعی صورت میں ہوا ہو کسی کو زہر کا پیالہ پلایا کسی کو تلوار کے گھاٹ اتارا ؎

لمن ذا من بنی زہرا ابکی بدمع ہامر و دم عزیز
المسموم بالاحقاد ابکی ام المقتول فی النحر النحیر

غرض کہ جب دنیا میں اسلامی تعلیمات کے لیئے کوئی صورت بقا نہ تھی حسین اٹھے اور چھوٹے چھوٹے بچوں کو ساتھ لے کر اٹھے اور یہ کہتے ہوئے اٹھے الموت اولی من ر کوب العار اور پیغمبر اسلام کے ڈوبتے ہوئے جہاز کو دریائے خون میں تیر کر سنبھالا اور کنارہ لا کھڑا کیا ؎

جہاز امت عاصی کے لنگر ایسے ہوتے ہیں

ان واقعات پر نظر ڈالنے کے بعد ایک منصف مزاج یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہی کہ درحقیقت حسین نے وہ کام کیا جو دوسرا کوئی نہیں نہ کر سکتا تھا حسین نے اس وقت جب کہ بڑے بڑے بہادروں اور سورماؤں کے حوصلے پست ہو جاتے ہیں اور بڑے بڑے شجاعوں کے پاؤں میں لغزش ہو جاتی ہی ہوش و حواس باختہ ہو جاتے ہیں پریشانی میں پیروں تلے کی زمین نکل جاتی ہی حسین نے اس وقت اپنی آخری اور بے بسی کی زندگی میں کس طرح اہل عالم بالخصوص مدعیان اسلام کے سامنے اسلامی تعلیمات کو عملی طور پر پیش کیا اور اپنے انتہائی استقلال سے یہ ثابت کر دیا کہ حسین ایسے وقت بھی قرآنی تعلیم کی اس اطمینان کے ساتھ تدریس کرتا ہے عرب کا لق و دق بے آب و گیاہ جنگل جہاں کوسوں پانی کا پتہ نہ ہو وہاں دشمنوں کی فوج بلکہ ان کی سواریوں تک کو سیراب کرنا کیا یہ ایثار کا بہترین نمونہ نہ تھا کیا ابن سعد کی انتہائی

His dearest or himself of all that men
Misfortune call, beholding unconfused
God's once, or oftener than once, declared
Intention with regard to human life;
Steadfast to hold the truth, as did Husain
His life long, all his days. The Prophet said:
"Two things I leave you—God's own Book revealed;
"My family. Cling ye to them as to
"A rope. They will remain inseparable
"Until their purity and I are joined
' In heaven again." What could prevail,
Then, at Karbala but one thing alone ?—
That none of them should suffer by a jot
That purity to minish or to fall
On which depended the divine intent
Regarding, not those few ranged there alone,
But all the race ? or what can now prevail,
In any quarter of this echoing earth,
Of all the acts of any Saiyid but those
Conceived in like regardlessness of self,
Such absolute devotion to the truth
Of purity declared, as the Imam
Guided his steps by all that dreadful day
Of Karbala, and all the days before ?
What can prevail of any other's act,
Be it less pure ?

Those of our subscribers who have not yet paid their subscription for the next year may kindly send it by M. O. at an early date and earn our thanks. *Manager.*

All the appurtenance of royalty,
If wrongfully displayed, counteth as dirt.
Let there be pebble lying on the beach.
Or flower in a cranny of the wall,
Or smaller thing, even a spider's web;
If it move man so much as to his first
Dawning perception of the love of God.
And life as not begun till it begins
In some act of God-loving, it is worth—
Pebble or flower or web, or smaller thing—
More than a thousand thousand earthly thrones
Unsanctioned or his favour who could give
The owner of the unbending knees, let him
But bend the knee, kingdoms and gorgeous thrones,
With flung Alhambras. A poor desert grave
To bury a child in, is a better kingdom.
And better there to rule one's heart in peace,
Full of the love of God, than in Damascus
To lord it over subjects not thine own
By will of God. Better to see around
Your throne not recognised by common eyes
As throne, those martyred bodies in the camp,
Only a little count of warriors slain
For truth and lest the Prophet's word should be
Forgotten among men, and the begun
Purification of the earth be stopped
Almost at the beginning. Better that
Than to usurp a fairer, richer realm
Than ever earth has known.

There is no man

Now left on earth, whom one should wish to seat
Upon a throne, unless there is one able
To turn his gaze aside from what befalls

What should he do?—whether to cast it down
On earth, to be a curse where curses lie
Already thick ? or throw it, oath-like, up
To heaven to mingle with the down-coming rain
Of Benediction ? In either case spilt blood,
Which none should spill. This thinking, the Imam
Like one that dyed his beard with hena,* smeared
The little baby's blood over his beard,
Saying: "With this dyed beard will I appear
'Fore God!" and he was seen in heaven to stride,
A man with blood stained beard, when each wet hair
Told the host there who came ; from where, and whose
The will was that he came so much before
His time, and in such guise. First he would dig
The grave. Then happy earth would have her part
In 'Ali Asghar. There was heaven's part too,
And never father buries son, but thinks
His bliss in Paradise to be again
United to that part While the Imam
Dug with bright zulfiqar the grave that took
So little time to dig, for small the body
To lie therein, what thoughts he must have had
Of waking next in Paradise, with those
Two souls beside him—'Ali Akbar and
The tiny 'Ali Asghar. Think of him
Bent over the hot sand, digging with sword,
The man with blood stained beard, ringed round with hearts
Turned all to wolfish ; his own acts done there,
That men might know, or some—if any would—
That only truth is truth, and maketh free ;
Man's truth being to worship God, and count
Nothing as gain, except the love of God
Increaseth in his heart; wherefore the throne
Usurped, his favour that upon it sits,

* Myrtle.

Believe a life has ended, when not merely
The natural course has not yet run, but when
It hardly has begun? So father, mother,
Will linger by their dead child, the torn hearts
In them half-thinking that it is not dead.
They feel the body they late felt as cold,
Grow warm again; not in reality, but through
So strong imagination. Now their ears
Half-hear a breathing; so the heart is quick,
Filled with that love, to hear what it would hear.
They see those eyes open again; not really,
But in imagination; so the heart
Is quick, as fain, to think that is which is
What it so longs for.

When Imam Husain

Brought 'Ali Asghar out, it was with face
And body covered over with his aba*;
So to protect him from the heat and glare.
His enemies raised a shout. They thought he brought
The Holy Book, covered, and brought it out
To seal a truce on. Now with another aba
Made of the drifting desert sand the Imam
Must cover 'Ali Asghar's body—aba
Made with a sword for needle: not of wool,
But gritty sand; a sepulchre made swiftly,
Full in the sight of all those pitiless eyes,
Unfeeling as a lizard's; a grave dug
With zulfiqar, † though two-tongued, silent sword.
First the Imam the cruel arrow drew
From forth his arm, forth from the baby's neck.
The blood that flowed, poured in the father's hand,
And lay there in his palm—his own child's blood.

* Long Coat covering all clothes.
† The sword of Lord 'Ali'.

Drawn like a tide by that compelling voice;
And then the cry rang hoarsely: "Oh, for mercy
'Give it some water: spare its life". Then cried
Umar bin S'ad, the commander: "There's to be
"No womanish feeling here! Are we to win
"The whole reward, or having a corpse too few
"To show, to have it mulct? A brat's a corpse,
"If dead, as one much bigger; counts as one.
"When heads are fixed on spears, a little one
"Has in the bleeding rank a place as good
"As any other". Then Hurmala shot
Arrow that pierced through 'Ali Asghar's neck,
And buried in the father's pillowing arm.
There it now quivers.

Of all the woe on earth

Meted a man there can be none to tear
The fibres of his heart so cruelly
As that his little child, his innocent,
Who smiled from such a depth of happy eyes,
Should die, and die in pain:—from being soft
To lie in mother's or father's arms, so pliant
It takes the very shape of the arms that make
A cradle for it, to grow cold and stiff;
Too rigid soon to bend. That desolation
Tears now that father's heart, he looking down
For flicker of eyelid, for a sign of life
Remaining; for belief at first is hard,
Too hard at first. How can a life God meant
Should count as many as three score years and ten
On earth before it ends, end suddenly
Before a year is past? Is 't possible?
This world that God created is divine;
Divine man's life and God-sustained, how then



نواب سید تقی مرزا صاحب اسسٹنٹ انجمن رامپور



جناب چودھری فرمانعلی صاحب سیکریٹری انجمن
اثناعشریہ فورٹ سنڈیمن بلوچستان



Mirza Imdad Ali Ispahani,
The Great-Artist of India
who won first prize in London
Exhibition in 1933.



M. S. Iftikhar Hosen Esqr,
Civil Engineer (Manchester)
Hyderabad.

"No rebel of this child. Rebels conspire
" 'Gainst kings. Against what king has Ali Asghar
"Conspired, or could conspire? He hardly knows
"Bitter from sweet. He thirsts, but hardly knows
"What thirst is. He has fainted, but does he know
"What to faint is? He cannot speak a word,
"But only cry. He only knows to smile
"Out of his deer sweet eyes and with his lips,
"When he is happy, or to cry for pain,
"As now for pain and thirst. See, lest you thought
" 'Twas water for myself I sought, I'd lay
"The child here on the mound, and go apart.
"While you brought water for it; gave it drink
"I would stand off and watch. When it has drunk,
' Depart ye and I will come, and take the babe
"Back to its mother". The baby lay,
Unconscious still. Where Husain's arm was bent,
It made a pillow for the little head.
The army came, all a few paces nearer,
Drawn like a tide by that compelling voice.
There is in men what even avarice
Cannot blot out—an instinct to discern
The kingly in a man, and when its voice
Is heard, to offer homage and obey.
The voice that came from where the man and babe
Stood solitary, was a kingly voice.
They saw a mound: a wounded man stood on it;
His raiment torn, all battle stained; but let
That voice be lifted up in any theme
Of passion—straight the sight will change to one
Of regal splendour. "That's my king" each heart
Will say—"a crowned and sceptred king; and I
Shall know my peace only if I obey
His voice". The army came those paces nearer,

With the whole battle resting now alone
On his sword flashing in the sun, his spear,
Had thought: "What matter if a woman cry !"?

He heeded. All his life he had been used
To feel for others. If one wept, 'twas his
To comfort her. If one was sick, 'twas his
To bring the remedy. He could not hear
A loved one cry, and not give heed. What if
Deaths many as there are blades of grass, or grains
Of sand on beaches, menace, will his nature
Not to itself be true, as angel kind
Is like to angel, and would still be like,
If hell's flames licked around? So back Husain
Rode to the camp, to know what ailed, that one
Cried out so loud.

It was because the child,

His 'Ali Asghar, little babe, had fainted
From thirst and heat, and 'twas the mother's cry.
Her cry had summoned the father from the fight.
Did she not always cry for him, if child
Of theirs ailed anything? And now the littlest
Lay in a faint because of bitter thirst
So she had cried. He took the child, and rode
Straight to that lynx-eyed, stony, pitiless ring
Of enemies, and in a voice whose tones
Of passionate pity for the baby touched
Even those hearts, asked for some water for it.

"Give it some water—give it water enough
"To save its life. Have pity. You call *me*
"A rebel—let it be that I am one;
"The grandson of your Prophet, one. That makes

MAULANA S. KALBE HOSEN SAHAB,
the great Mujtahid of Lucknow in the centre.

Left to Right —

1. M. K. Yakub Hosen Sahab of Saharanpur.
2. M. K. Mukhtar Ahmad Sahab. „
3. M. S. Mohammad Ahmad Sahib of Sonepat.
4. N. S. Raza Mirza Sahab. Advocate President Shia League Delhi.
5. Khateebi Azam M. M. Syed Mohammad Sahab, Delhi.

Right to Left :—

1 & 2 not known

3. Alhaj M. K. H. Ghulam ul Hasanain the renowned Muslim Author and Missionary of India.
4. M. Hafiz Kifayat Hosen Sahab Preacher.
5. M. Mohammad Liqai Ali Hadari International Muslim Missionary Budaun.

Sitting.—

S. Kazim Mirza, Advocate in the centre Financial Secretary S. M. League Delhi.

Between Nos. 4 & 5. Nawab S. Haidar Mirza Rais of Delhi.

Infront of No 3. N. S. Hasan Mirza, Delhi.

Infront of No 1. -*Left to Right* :- S. Mujtaba Mirza, Delhi.

On the back of No 5. Standing N. S. Abul Hasan Bilgrami Secretary Shia provincial League. Behind No 5. (R to L) S. Mustafa Mirza Delhi.

Last row corner *Left to Right* :— S. Mohammad Ahsan Khanrar Delhi.



(Standing)
S. Shahid Raza Esqr., B, A.
St Georges High school Agra.
(Sitting) His father with his kid.



Members & some Deligates of Shia Majlis League DELHI 1936. for reference please see back.

(Hazrat) Ali Asghar slain in the arms OF Imam Husain.

BY

Mr. J. A. CHAPMAN, LONDON.

Once these eyes were dimmed,

Not with my tears, but as a man too old
To weep himself, yet seeing women weep,
Or children, will remember bitter grief
Of other days; so that a mist will spread
Before his eyes. Or that the women weep,
Or that the children do, touches his heart;
So that he weeps himself, or half begins,
From sympathy with them. They were that day
Nor women that wept, nor children; but strong men.
From far Ladakh, rough quarrymen wild-eyed.
These wept and beat their foreheads, while a Saiyid,
With broken voice, he weeping too, related
How the Imam, hearing a woman wailing,
Turned himself round from those implacable foes,
Forgetting them and all their brutal force,
To know the ill befallen one of his;
Ill that made woman cry aloud and wail.

He was sore wounded, and if ever hope
Of victory had been there now was none.
Another hour he might endure; but then
The end was sure; as that the sun will set
When day is done. However many more
Of those hired foes he stretched upon the sand
In wormy death, ere night should fall, his own
Heroic blood must mingle with the sand;
The sand be turned bright scarlet ere the sky
Was dyed that sunset. His calm eyes would close
In death before eve's curtains veiled the day,
And dewy night began. Would it have been
Anything wonderful if on his ear
That woman s wail had fallen unheeded; if
The lion taken in the toils, so stricken,

INTRODUCTION.

Following is a chapter from a long poem written by the renowned English poet, Mr. J. A. Chapman, in London at the instance of Khan Bahadur, Syed Abu Mohammad Saheb, Retired Collector, Member. U. P. Public Service Commission. The full poem traces Islamic History from the earliest times upto the days when the episode of Karbala took place in a most researchful manner and is based on authentic data supplied by the Khan Bahadur Saheb to the author.

This chapter is about the events of Karbala and particularly depicts in a most impressive way the "slaughter' of (Hazrat) Ali Asghar. the six Months' old child of Imam Husain, in the Imam arms, when he took him to the enemies to get some water for him because the child was dying of thirst. "Him they transfixed with a dart." (Gibbon).

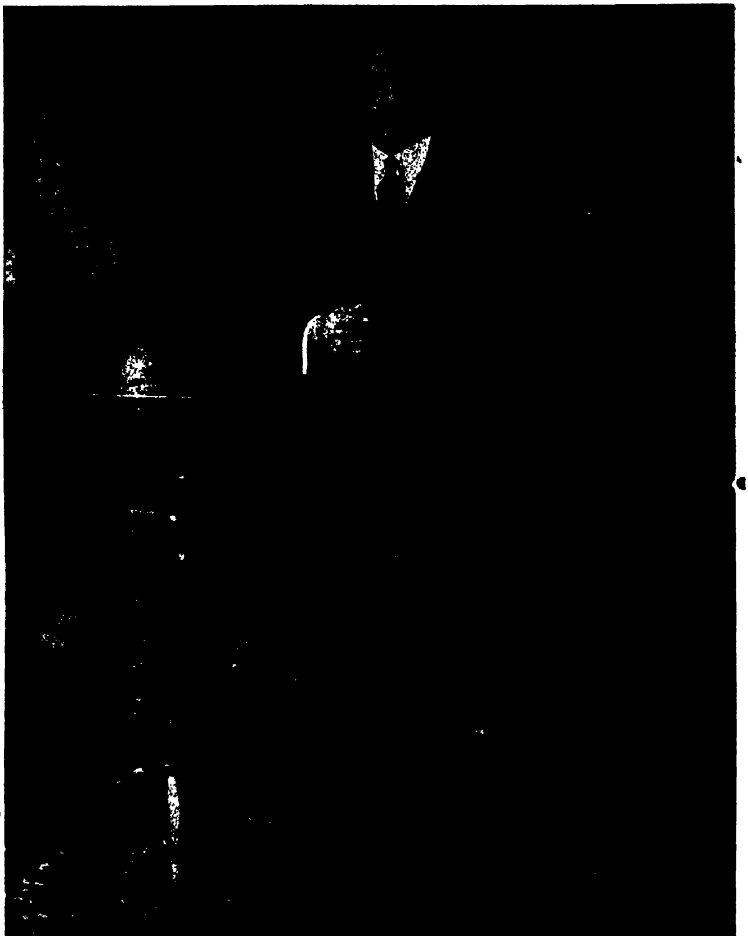
All events of Karbala are terribly tragic and the one of (Hazrat) Ali Asghar's death is the most tragic scene of them all, and when depicted in such natural and masterly manner as this, is well calculated to move the coldest reader. The part speaks of the whole and we, in our appreciation for it, pray that Khan Bahadur Syed Abu Mohammad Saheb who has brought out this work of unspeakable value be long spared to do many more such works of service to Islam, and get his reward from the All-beneficient.

It is hoped that the poem will meet general appreciation from literary people in England, India and other countries for its Historical value and the masterly style which it undi-pu edly possesses.

Ibrahim Hasan Haideri.
B. A., LL. B., M. R. S. L (London).

Please remit your subscription or allow V. P. to be sent.

MANAGER.



Ibrahim Hasan Haidari Esqr.,
B.A., LL.B. M.R.S.L. (London)
A young promising Lawyer of Budaun.
and a keen supporter of
the Islamic World



Nawab Syed Shahanshah Hosain Razavi Esqr
A Leading Advocate of
Lucknow



Mir Syed Hosen Zaidi Esqr.
B.A., LL.B., Advocate,
Sultanpur.

impossible to make any sort of compromise with the Evil for the sake of material comforts for himself in this transient life. He was not afraid of death, inhuman torture had no terror for him and the bitter sufferings of his nearest and dearest ones could not move him an inch from his iron determination, because he knew that, "every thing shall pass away but the presence of God, who created all things by his power, and shall make them by his power to pass away and they shall return to Him alone." If the Prophet preached the gospel of complete surrender to the will of God where else except in Imam Husain can we find a brilliant illustration of such a faith in God? In the tragic field of Karbala it was Yazid, the tyrant, and not the Imam who suffered death. The Karbala field saw the dawning of the life immortal for the Imam who lives in the spirits of all men who strive for the victory of righteousness over wickedness and oppression.

The character of the Imam affords the life and guidance not only to the heroes under exceptional circumstances but also to the every day life of ordinary human beings. We all know that it is under the stress of sorrows and affliction that we come nearer to God, yet in our foolishness we pray to Him for sparing us from these calamities. Even in the midst of the most severe trial Imam Husain does not ask God to relieve him from danger. What he prays for us is the "strength to bear these misfortunes".

Every great religion of the world has passed at some period or other through an ordeal of fire, when the strength of the faith of its adherents has been tested severely. Every religion again, has got its martyrs but no other religion than Islam presents such a martyrdom of eternal value to the human race as that of Imam Husain.

Imam Husain the Universal Teacher

By Prof. B. B. Majumdar, M. A.

The Golden Deeds of Hazrat Imam Husain have transcended the narrow bounds of national or sectarian annals and have become the subject matter of universal history. By his unique and unparalleled deeds of self-sacrifice for the cause of Truth, he has become one of those few religious teachers of the world who continue from age to age to guide and inspire all those brave spirits who dare to risk everything in life for the cause of righteousness. He has not indeed left behind him any elaborate philosophical treatise nor any code of ethical principle, but his very life supplies the best and most brilliant commentary of Islam, which literary means "Striving after righteousness." A real Acharya as he was, Imam Husain did not convey the teachings of Islam by words, but he discharged a sacred trust placed on him by his birth in the line of the prophet by living up to the very ideal of the Holy Koran. The life of Imam Husain also lends an additional proof to the universality of Islam and shows that the causes for which the Imam lived and died gloriously are worthy of striving after in every age and every country.

The greatest lesson which Imam Husain has given by the example of his own life is that a bold resistance should be made to Evil. When the foundation of the Brotherhood of Islam was being slowly undermined by the immoral and oppressive rule of the OMMAYYADES the pious Muslims passed their times in prayer and devotion forgetting the fact that if the body politic was vitiated no amount of individual piety could bring in the good of all, for which Islam stands. While others were tacitly acquiescing in or actively co-operating with the tyranny of Yazid the Imam resolved to rise up boldly against it. He was all along conscious of his apparently meagre resources as against his powerful adversary, but that did not deter him from protesting against the iniquities of the OMMAYYADES. He well knew the dangers ahead but he found it



Dr. S. Tahawwur Hosen,
Retired Medical Officer,
Moradabad.



Dr. Rafiq Hosen M. B.. B . P. M. S.
King's Hospital. Lucknow.



Profassor
M. S. Liqai Ali Naqavi,
M. A. B. T.
Allahabad.



Nawab Syed Qaisar Husain Sahab
M. A. LL. B.
Advocate Lucknow.



S. Muzaffar Hosen Sahab Vakil,
Azamgarh.

علی امام منست و منم غلام علی



جناب مولوی سید غلام علی صاحب احسن
کمال - علی منزل - شاہگنج آگرہ.

water to lips pierced through by an arrow-shot—a draught almost as bitter as the sponge of vinegar and hyssop. "Men travel by the night," says Husain, "and their destinies travel towards them." It was a destiny of immortal memory that he was journeying to meet on that march by night through wilderness, side by side with El Hurr and the Khalif's army." "Abnegation and mildness," says Mathew Arnold, "based on the depth of inner life, and visited by unmerited misfortune, made the power of the first and famous Imams, Ali, Hasan and Husain, over the popular imagination. 'O brother,' said Hasan, as he was dying of poison, to Husain who sought to find out and punish his murderer, 'O brother, let him alone till he and I meet together before God!' So his father Ali had stood back from his rights instead of snatching at them. So of Husain himself it was said by his successful rival, the usurping Caliph Yazid: 'God loved Husain, *but he would not suffer him to attain to anything.*' They might attain to nothing, they were too pure, these great ones of the world as by birth they were; but the people, which itself also can attain to so little, loved them all the better on that account, loved them for their abnegation and mildness felt that they were dear to God, that God loved them. These saintly self-deniers, these resigned sufferers, who would not strive nor cry, supplied a tender and pathetic side in Islam. Round the central sufferer, Husain, has come to group itself everything which is most tender and touching. His person brings to the Mussalman's mind the most human side of Mohammad himself, his fondness for children, —for Mohammad had loved to nurse the little Husain on his knees, and to show him from the pulpit to his people. The Family of the Tent is full of women and children, and their devotion and sufferings,—blameless and saintly women, lovely and innocent children. There, too, are lovers with their story, the beauty and the love of youth; and all follow the attraction of the pure and resigned Imam, all to die for him. The tender pathos from all these flows into the pathos from him and enhances it, until finally there arises for the popular imagination an immense ideal of mildness and self-sacrifice, melting and overpowering the soul."

from the pulpit of the mosque. They degraded their sacred office by the assumption of mean disguises, the better to penetrate the interior of the houses of their neighbours, inviolable in the sight of every sincere Mussalman. Their lives were sullied with incests and every physical abomination. So little regard did the scoffing Ommayyade princes entertained for the sacred texts (of the Koran) that they used it as a target for their arrows" (S. P. Scott).

Such were the men who posed as the Khaliphas or the commanders of the Faithfull. And such their rule!! And it is against this tyranny and godlessness that the descendents of the Prophet set themselves. Islam and Islamic state were saved by the house of Ali by their suffering and self-sacrifice. They stood for real Islam and in them were embodied the real principles of Islam: Principles of peace and justice, brotherhood and equality, of moral and spiritual life. Their arms were the nobility of character, religion and piety. They might seem weak, helpless and unsuccessful in their struggles with the brute force of the Ommayyades; but by their self-sacrifice and patient suffering in the cause of Truth they inspired in the hearts of people a moral awakening which ultimately overthrew the Ommayyade dynasty.

Husain is the outstanding figure in this great struggle between the House of Ommayya and the House of Mohammad, between paganism and Islam. His terrible suffering have captured the imagination of the world. "Even Husain's enemies," says Gertrude Bell, "were moved to pity by his patient endurance, by the devotion of his followers, and by the passionate affection of the women who were with him. The recorded episodes of that terrible tenth of Moharrum are full of the pure pathos which moves and which touches generation after generation. It is not necessary to share the religious convictions of the Shias to take a side in the helpless battle under the burning sun, or to realise that tragic picture of the Imam sitting before his tent door with the dead child in his arms, or lifting the tiny measure of



جناب سید آل احمد صاحب نعیم
ایڈوکیٹ امروہہ



M. S. Ali Raza in the Centre with a child in the lap.

M. S. Athar Raza Vakil High Court to the right.

M. S. Haidar Raza to the left.



Kh. Br Nawab Syed Jafar Hosen
BAR-AT-LAW
Moradabad.

licentious verses the charms of their mistresses. Ladies of the royal household intrigued openly with poets and singers of the court. With such examples before them, the inferior orders of the people could hardly be expected to preserve even the appearance of virtue. As a matter of fact, in no country was society more corrupt, and the name of Syria was everywhere a synonym of effiminacy, infidelity and vice.

" But the excesses of the Khalifs of Damascus, scandalous as they were, became trifling faults in the eyes of the pious Moslem when he considered the horrible acts of sacrilege of which these sovereigns were guilty. The generals of Yazid, after the battle of Harra, delivered up the city of Medina to pillage. A massacre, so cruel as to provoke the indignation of an age accustomed to scenes of butchery and violence, was perpetrated by the infuriated soldiery. A thousand infants were born of the outrages of that fatal day to be branded for life with the epithet of the 'Children of Harra.' The troopers of the Syrian army, encumbered with their horses, fastened them amidst gibes and curses in the mosque (of the Prophet). There, tethered between the pulpit, whence the text of the Koran had fallen from the lips of the Prophet upon the attentive ears of multitudes of believers, and the tomb where his remains had been reverently laid by the hands of his companions, the restless horses defiled the place holiest on the earth to the Mussalman save the Kaaba alone. The survivors of Bedr, whom the favour of Mohammad and the veneration of the populace had exalted to the rank of an ecclesiastical nobility, perished to a man. At the seige of Mecca, which soon followed, the privileges that, from time immemorial, had protected the sacred territory from insult were violated, and the mosque set on fire by the order of the commander of the army, was with the Kaaba, entirely consumed.

"Under the administration of the succeeding Khalifs of the house of Ommayya, the mad freaks of these unworthy chiefs of Islam attained the climax of extravagance and sacrilege. Exhausted by debauchery and careless of public opinion, they sent their boon companions and their concubines, muffled in their royal robes, to repeat the morning prayer

would be crucified in crowded thoroughfares. To the same class of institutions belongs the employment of torture before execution......" (Jurji Zaidan).

"The Syrian (Ommayyade) princes were almost without exception, profligates and infidels. Ever famous (notorious) for voluptuousness and frivolity, they had inherited and improved upon the seductive dissipations of the Roman Empire. In the ingenious invention and development of depraved tastes and acts of unspeakable infamy, Antioch and Damascus (the Ommayyade capital) stood unrivalled. The use of wine, prohibited by the Koran, was universal; the debauchery of the court, which rivalled that of the worst period of imperial degradation, excited the wonder and disgust of foreigners. The ministers of the most revolting vices, unmolested, defiled with their presence alike the halls of the palace and the precincts of the mosque. The drunkenness of the Khalif not infrequently required the constant attendance of slaves, even in audience chamber. Vast sums were lavished upon singing and dancing boys painted and attired like woman, an abomination in the eyes of every conscientious Musalman. Female musicians and performers, whose attractions often obtained over the susceptible monarch a dangerous and permanent ascendancy were imported at great expense, ...Damascus, under the rule of the Ommayyades, presented a picture of licentiousness and luxury unequalled, before or since, by that or any other community in the world................The devotees of pleasure were the favourite companions of the successor of the Prophet. His days were passed in cock-fights and horse races. His nights were amused by the tales of story tellers, by the antics of bufoons, by the lascivious contortions of professional dancers. The barbaric orgies of the bedouin tents were transferred to the palace of the Caliphate, and supplemented with the polished vices of Egypt and the nameless iniquities of Rome and Constantinople. In the depth and frequency of his potations the royal expounder of the Koran might well challenge the admiration of the seasoned revellers of Scandinavia ....Princes visited clandestines, the harems of their subjects, and celebrated in



Capt. Shahid Raza Zaidi,
S/o S. Abid Raza Zaidi,
Treasury Officer, Budaun.



Professor
Mirza Sajjad Hosen, Training College,
M. U. Aligarh.



جناب سید سجاد حسین صاحب
فاضل مشرقی
سررشتہ تعلیم آگرہ
مولف



Professor
M. S. Ali. Muqaddus,
M. A. B. T.,
St. Patrick College,
Agra.

position. Murder was his accustomed mode of removing a formidable apponent. The grandson of the Prophet (Hasan) he caused to be poisoned: Malik al-Ashtar, the heroic lieutenant of Ali was destroyed in a like way. To secure the succession of his son Yazid, Muawiyah nesitated not to break the word he had pledged to Husain, the surviving son of Ali. Yet this cool calculating, thoroughly atheistic Arab, ruled over the regions of Islam, and the sceptre remained among his descendants for the space of nearly one hundred and twenty years."

I have taken the following description of the Ommayyade period from Jurji Zaidan's "Ommayyades and Abbasides" and from Scott, in the words of the authors but with considerable abridgement:—

The policy of the Ommayyades was from the first based on ruthless severity. They exceeded all limits, and thought nothing of violence and assassination in order to confirm their sovereignty. They gave their Viceroys a free hand, permitting them to slay or crucify at their pleasure without consulting the Caliph. So even Muawiyah sent Busr Ibn Artat with an army and orders to march over the country and slay all the partisans of Ali whom they found, not sparing women or children. Busr went on his way till he came to Medina where he put to death many of Ali's adherents, and destroyed their houses; he went to Mecca and other places, doing the same, till he got to Yemen ....If such excesses by Governors were permitted in the time of the gentle and forbearing Moawiyah, what must have occurred in the reign of the violent and blood-thirsty Abdul Malik? We can scarcely feel astonished at the excesses ascribed to Hajjaj, and the number of persons whom he is said to have slain in cold blood. The number of these is put at 120,000; and still astonishment need be felt at the statement that there were in his prisons 50,000 men 30 000 women. Abdul Malik was even more ruthless than his Viceroy, and even more ready to break faith and violate amnesties.........It was their custom to kill rebels and mutilate their bodies. The ringleader's head would be cut off and carried from place to place, or the trunk

opportunity of wreaking vengeance on Islam for shattering their dream of Meccan kingdom. The Meccan aristocracy of the tribe of Ommayya, the very people who had for twenty years insulted, persecuted and fought against the Prophet soon dominated over the Caliph completely and began to possess themselves of high commands and administrative posts of influence. They fastened themselves upon the Provinces like famished leeches, heaping up wealth by means of pitiless extortion. Complaints poured into Medina from all parts of the empire. But they were invariably dismissed with abuses and hard words. This led to a revolt in which the Caliph lost his life.

On Usman's tragic death, Ali, the cousin and son-in-law of the Prophet was elected as Caliph. "Had," says Sedillot, "the principle of hereditary succession (in favour of Ali) been recognised at the outset, it would have prevented the rise of those disastrous pretensions which engulfed Islam in the blood of the Muslims .... The husband of Fatema united in his person the right of succession as the lawful heir of the Prophet, as well as right by election. It might have been thought that all would submit themselves before his glory, so pure and so grand. But it was not to be." From the beginning he was beset with the hostilities of Moawiyah, the son of Abu Sufian and Hind, the "Liver Eater". "Had Ali been allowed to reign in peace," says Oelsner, "his virtues, his firmness, and his ascendency of character would have perpetuated the old republic and its simple manners." But the dagger of an assassin destroyed the hope of Islam. "With him," says Major Osborn, "perished the truest hearted Moslem of whom Mohammadan history has preserved the remembrance."

With Ali the Republic of Islam came to an end and the semi-pagan empire of the Ommayyades, founded by Moawiyah, began. "And its reaction against Islam," remarks Dozy, "was cruel, terrible and revolting." The historian Osborn thus describes the character of Moawiyah; "Astute, unscrupulous, and pitiless the first Caliph of the Ommayyades shrank from no crime necessary to secure his

enemies; and the Hijra itself (the flight of Prophet from his home in Mecca) was necessitated by the discovery of a murderous plot against him, hatched and matured by the Chiefs of the Ommayades,

"In the defeat of Ohad, where the Prophet was wounded and nearly lost his life; at the seige of Medina, which menaced with destruction the existence of the new religion, the hostile armies were commanded by Abu Sufian, the principal sheikh of this powerful family. His wife, the termagant Hind, prompted by the impulses of a savage and a cannibal, had torn out and partly devoured the liver of Hamza, Mohammad's uncle, and had worn a necklace and bracelet of the ears of the Moslems who had fallen bravely in battle."

A few years later, however, the tide turned, and Mecca was occupied by the Prophet. His old persecutors, relentless and ruthless, who had disgraced humanity by inflicting cruel outrages upon inoffensive men and women, and even upon the lifeless dead, were now completely at his mercy. But in the hour of triumph every evil suffered was forgotten and every injury inflicted was forgiven. But the Ommayyades soon repaid this clemency of the Prophet by mercilessly slaughtering his children at Karbala, hardly forty years after his death.

Tbe Prophet died (A. C. 632) leaving Arabia for once united under a common central government and animated with a common purpose which carried the Arabs like a tidal wave from one end of the globe to the other. The intellectual and cultural conquests of the Arabs were also rapid as their arms. "We have seen", says Prof. E. G. Browne in his literary history of Persia, "that the creation of a common feeling amongst the Arabs, nay more a common religious feeling among all Muslims, in place of the narrow clannishness of the heathen Arabs, was one of the greatest and most notable results of the Prophet's mission....... .....This ideal of equality was fairly maintained until the death of Umar... ..With the accession of Usman, however, the old nepotism and clannish feeling once more became very evident................" With the raising of a weak kinsman of theirs to the Caliphate, the Ommayades got their

and their adherents suffered cruel persecution and their blood was mercilessly shed. But the result of their noble sufferings was that Islam was saved from being destroyed in its infancy and the rising flood of Ommayyad paganism was checked; and ultimately the hated dynasty was uprooted.

I shall attempt to make the above statement clear by a brief *resume* of the early history of Islam; and in order to avoid the natural prejudice which a Mussalman feels against the enemies of the Prophet and his descendants I shall base the article, as far as possible, on the findings of non-Muslim authorities, although all of them may not be mentioned.

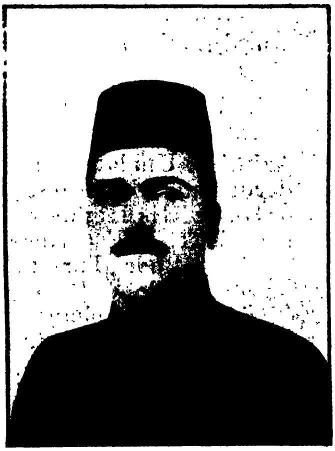
Before the promulgation of Islam, Arabia was a collection of tribes always at war with one another. In Mecca the two most important families were those of Hashim and Ommayya, both belonging to the celebrated tribe of Quraish. The Ommayyades, owing to their possessing great wealth and to their unscrupulous cunning, were the more powerful of the two; and Abu Sufian, the headman of the Ommayyades, was bidding fair to become the king of Mecca, when his schemes were frustrated by the success of the preaching of Islam by Mohammad, a Hashimite. "The riches amassed by the principal members of the family (of Ommayya) were prodigious", says S. P. Scott in his history of the Moorish Empire in Europe, "and their insolence and cruelty were, in nearly every instance, in direct ratio to their wealth and power. Quick to perceive that their political influence as well as their pecuniary interests would be seriously imperilled by the spread of Islam, the Ommayyades early displayed the most unrelenting hostility towards their countryman Mohammad. They reviled his doctrines They reviled his pretensions to divine inspiration. His proselytes were followed by the taunts and insults of the mob of Mecca, instigated by the dissolute young nobles of the Quraish aristocracy. Long before he had secured a respectable following, the Prophet, on several occasions, narrowly escaped the violence of his insidious



جناب جلالتمآب مولوی حکیم امجد علیخاں
صاحب بہادر ڈپٹی کلکٹر و صاحب تصانیف
لکھنؤ



The H'ble
Raja Mir Ahmad Ali Khan Bahadur
M. L. C.
Raja Sahab of Salempur.



H'ble Raja S. Mohd. Mahdi Sb.
Raja Sahab Br. of Peerpur
(Fyzabad)



فخر الحاج
خان بہادر چودھری سید ارشاد حسین صاحب
تعلقہ دار رودولی (اودھ)



Nawab Muhammad Anwaruddin Khan Anwarjung Bahadur.

Managing Director of the Deccan Commercial Bank Ltd., and Director, The Madras Agricultural Bank Ltd., Madras.

Born 24th August 1904.

Son of Khan Bhdr. Nawab Muhammed Munir Khan Bahadur. Muniruddaulah Bahadur., B A.

Related to His Highness Nawab Azimjah, Umdatul Umara, Sirajul Umara, Amirul Umara Madarul Mulk, Umdatul-Mulk, Azimud Daula, Asadud Daulathul Ingliz, His Highness Sir Gulam Mohammad Ali Khan Bahadur G. C. I. E, Prince of Arcot, Khan Bahadur Javad Hussain Khan Bhdr, Bar-at-law, Ex-Commissioner of Corporation of Madras, Collector, Anantapur, Capt. Hameed, Principal, Mohamedan, College, Janab Azeem, Judge; Small Cause Court, Madras.

Studied in Mohammedan College, Madras.

Married–Has five children.

Patron, Promoter, President, Secretary and Treasurer of a few associations including the Anjumani–Khandani–Carnatic.

Sports– Polo and Shikar

Residence– "Nawab House", Pudupet, Madras.

was at this time at its hottest. Abbas was performing prodigies of valour. Although the awe which he had struck into the enemy by his first charge that had thrown open to him the way to the Euphrates had largely contributed to the anamolous situation of one fighting with thousands. Abbas now found that their fury was steadily intensifying. He kept up the hopeless task with redoubled energy Terror again began to seize upon the hearts of the enemy. Many a warrior had now fallen by his sword. There was a certain man named Marid who boasted of his strength and power. In over estimating his skill, his overweeningness went so far as to ask Abbas to throw down his arms and be content with what he had hitherto achieved for inspite of his inborn callousity, he could not, he said, help being sensible to Abbas' handsome person. Abbas replied that as son of Ali, the Lion of God, he could not listen to him. This was enough.

(to be continued)

Martyrdom of Husain in the light of History.

By Sir Shah Nawaz Bhatto, Kt., C. I. E., O. B. E.

The tragedy of Karbala is not an isolated event in the light of history. It is realy the most pathetic episode which has captured the imagination of the world. in a series of tragic incidents of a continuous struggle between Islam as represented by the Prophet and his descendants, and the pagan reaction against it as chamoioned by the Ommayyades. In this struggle the descendants of the Prophet

The conflict raged during the whole of the noon. Husain knew that the enemies were void of any scruples of honour and would not refrain from trampling under the hoofs of the horses the body of the fallen Husainites antagonists, so the moment he heard the cry of his fallen friend for help, he would rush to the spot and rescue the halfdead body from the midst of the enemy at the sword's point.

The sun had by this time begun its downward course and Husain had only two men more by his side—his step brother Abbas of 32, and his son Ali Akbar of 18. It was now the turn of Abbas to engage. Abbas was a warrior of wide repute. The KUFIANS were awaiting the hour of his challenge with great perplexity, for they knew that the tide of the events chiefly depended on the issue of his encounter. His name caused shudder to the boldest. The women of Husain's camp looked to his imposing personality as an emblem of victory but none felt greater gratification in his existence than his brother Imam. At Medina because of his sublime and beautiful countenance he was surnamed 'Qamar-i-Bani Hashim" and at Karbala he won the title of Alamdar' or the Ensign Bearer—the greatest rank in the army.

Abbas was at this time in the prime of his life being 32. Having taken leave of Husain to bring water from the Euphrates, he came to the front and dashed headlong into the midst of the army which was stationed at the river Euphrates. The enemies' worst fears were confirmed Before he could ride his horse into the water, hundreds were put to the sword, for he cut clean right and left with the swiftness of lightning. He filled the skin with water which he had with him for the purpose. but he did not drink himself a single drop of water to quench the burning thirst that was consuming his physique since the 7th. His love for the Imam and his children was too strong to yield to the instincts of self-preservation.

The army again pressed upon him with recruited energy and mad fury for the opponents knew that if water reached the camp of Husain, victory would become extremely difficult. The conflict

In paradise shall we mourn for Husain. Husain is the condition of Muslim existence.

(to be continued).

THE
Most Lamentable Scene
IN THE
TRAGEDY OF KARBALA

BY

(AIJAZ JARCHAWI Esqr., B. A., B. T.,)

In the morning of the 10th of Moharram 61 A. H. it was extremely cheerless extremely gloomy. extremely hot. The atmosphere was arid, close and heavy. as if it were fraught with pity and woe at the black criminality in which man was to indulge after a few hours. After the usual morning service Imam Husain began preparations for arranging his 72 for the battle. Before the horrid task was begun, he delivered a short sermon to the enemy in which he tried to make himself and his descent known to every soldier in the army of Omari Saa'd. But the enemies were too strongly in the grip of the pleasures of the senses to stir from their posts in conformity with the truths that the admonitions of the Imam were impressing upon their minds. The Imam then retired to his tent, summoned his wives sisters, daughters and other female members to his presence and exhorted them to prove specimens of fortitude and equanimity after his death. The whole assembly burst into tears. In the meantime, he found that Hur one of the great generals of Yazid's army) had left the army of Omari Saa'd. On this Omari Saa'd let fly an arrow into the army of the Imam This was the signal for the battle. It began as all oriental battles did in those days by single combats in which Husains men were, without exception successful.

all devotion useless; when he had the charge of these wells, and he was required to butcher the Syeds one by one in the atrocious manner ordained for their massacre. For this, indeed, showed more love for the Calif than God which was demanded by these Abbaside monarchs (Uyun Akhbard Riza). Could, I ask, the blood of these innocent martyrs go unredeemed? They died for God, and God must fulfil their cause. In the time of Mutawakkil the empire was reduced to a shadow with a power no more than to massacre its Syed inhabitants! Eventually an empire was created for the Syeds in Africa, while the backbone of the Abbasides was broken in the east. The Ali Bowaih reduced the Calif to a mere puppet, worse than Bahadur Shah, in the hands of the English; and the day came for the Shias when a Bowaih could pull down a Calif from his throne and put up his trembling son in his place.* All was due to Husain, the intervening causes were many; but the supreme cause is the main thing without which all this was simply impossible. As soon as the Bowaih were gone, the same atrocities began and with it grew the same heathenism. Sijda (obeisance) had to be done at the threshold of Musta'san's gate before one could enter it, so that many conscientious persons used to carry a Quran in their pockets, whereon to do the *sijda* at the tyrant's threshold (Tarikhe Wassaf). His son massacred the Syeds of Karkh, a vast territory, simply for their devotion to Husain and his father, and their frequent resort to their shrines, and the result was that Ibn Alkami invited Halaku Khan; the heathen Caliphate was blown to the wind; the Calif and his sons died the most disgraceful death, and the true believers could breathe again on the Arabian soil. Fit it is that Musalmans mourn for Husain to the end of the world. Their life, their soul their power,—all flow solely and directly from the blood of their great martyr. Paradise is worse than hell, if it does not mourn over Husain. It has all been purchased at the expense of that divine drop of blood. Woe to us that we live in this world forgetting how our life was brought into existence! Mourning for Husain is the price of our life and soul; otherwise we are the most ungrateful of all creatures.

* Suyuti.

tyrants? They were all heroes of faith, without them it would have been impossible for the faith to live as its professors to breathe. It is true they were all unsuccessful; none outlived their movement, but then they were gradually eating away the kingdom of evil; the empire was weakened day by day, till at last its princes were pulled out of their graves. Mukhtar gave such a fatal blow to the State, that its continuance became a physical impossibility. Moreover, it swept away the murderers of Husain, the first step towards real reformation. Mohammed'bn Hanafiya brought an equally successful revolution in the world of thought and sentiment. Zaid'bn Ali protested against the atheism of the day. Imam Abu Hanifa used to send his followers to his standard, and the greatest and best men of the times flocked to his side; and though it is true many deserted him, yet his martyrdom sealed the doom of the State for ever, and the result was that a Persian, Abu Muslim, so completely overthrew the power of the Omyeds that their princes were pulled out of their graves without any one caring for them. Such was the revenge of God for the murder of his apostles.

The atrocities of the Abbasides were too numerous to admit of sufficient reference even in the historical pages of this history. We contented ourselves with the Imams and the history of Husain's grave. But, suffice it to say, that wherever there was a tear-drop for Husain, there might also be seen a martyr's grave. The true believers were put in to dungeons where they could not know even the times of prayer, unless they found a mate whose devotion was imbedded in his physiological constitution.* Yet this was their only complaint in their misery. References would involve a translation of the *Maqatiluttalibum.*† Wherever a voice of love to the prophet's family was heard a monument was erected over the miserable lives. Walls may still be seen in Bagdad which cover the bones of these unfortunate martyrs. They were confined in blind wells, where, too, they had no repose. We have an account of a courtier of Harun, who left prayer and fast, simply because he thought

* Cf. Abdullah, the great-grandson of our lord Hasan.

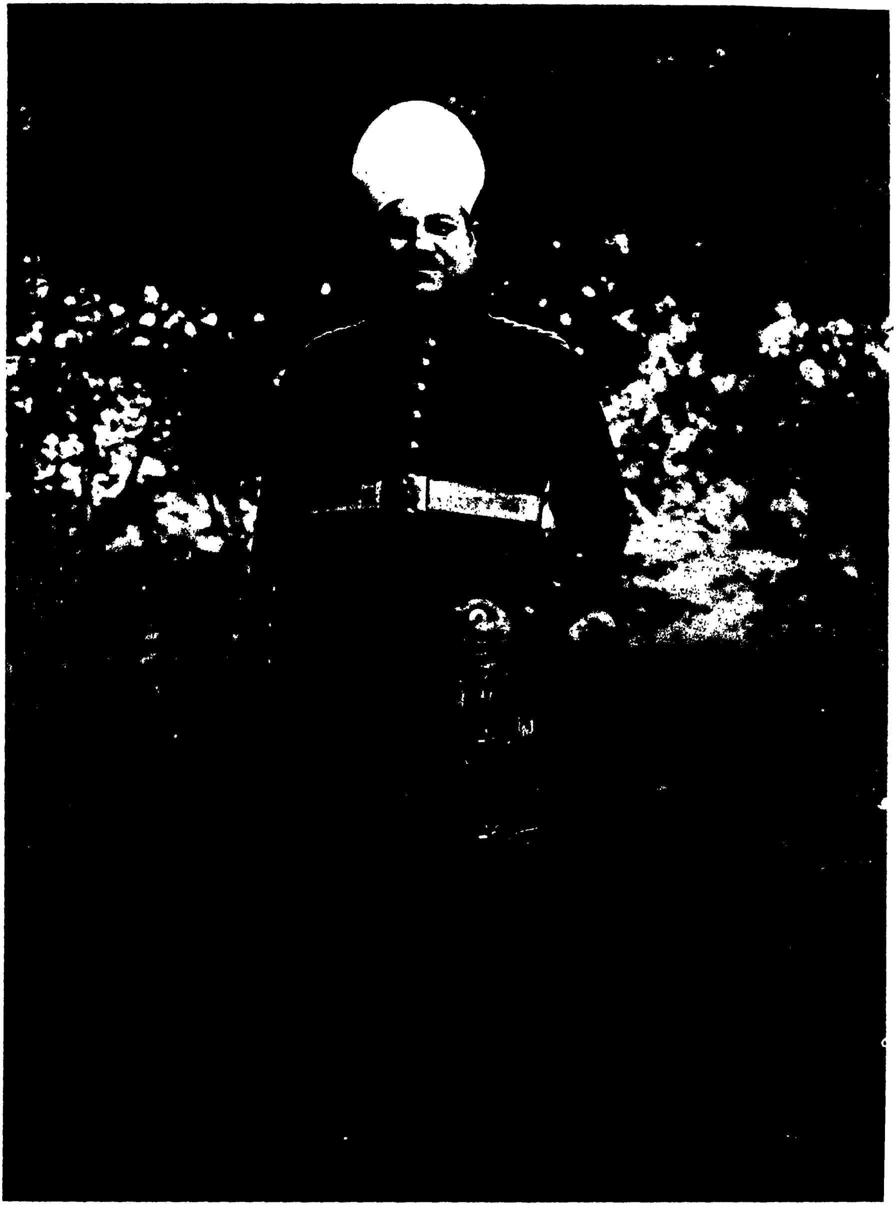
† Third cent A. H The auther is himself an Omyed

indignities, their own miseries and oppression—all this was borne with patience. Had Husain also been simply killed nothing would have come out of it But Husain was so killed, that it became evident all were heathens—nay, fiends in human form. The latent spirit of Islam curbed by long oppression and injustice now burst out into wondering indignation. Yesterday Husain was doing charity in Medina and just to-day his head is lying in an oven. So burst forth an old decaying spirit rejuvenating all its energies due to the startling stimulus that would suffice to repent; and thus began a series of insurrections. A few thousand persons swore simply to die for Husain in repentance; they rose, fought and died to the last man and thus gained the reputation of Tawwabin 'repenters at a time when repentance was a miracle. So also the formidable list of martyrs that followed the grand slaughter shows how much the religious thought and sentiment were quickened by the blood of this prophet. Truly, what the prophet could not do by his preaching that Husain has accomplished in his pounded bones.

We have observed elsewhere that Husain's slaughter is the best proof of the prophet's mission. Hundreds of Jews and Christians found it a sufficient reason to embrace Islam that Husain died for the prophet None could possibly have better knowledge of the prophet than his own dearest son. And he had the precedent of his brother to make a treaty with Yazid—a precedent, it should be remembered was a great deal in those days. It similarly proves his own Imamate and in himself of all others In the same way it justifies the peaceful policy of his brother and the latter Imams. Had they done the same, they would have met the same fate. But, on the other hand it also justifies the activities of the latter Syeds. It must have been manifest to everybody that the Syeds had no air to breathe in the whole of Arabia. What then to do? Death was inevitable. Dungeons? The whole world was a dungeon to them. Simply an insinuation was sufficient that one was a Syed, and the next day a wall is built upon him. The only thing was to die killing, to clear the world of as many wicked men as possible. What possible charge can they be accused of for rising against a set of heathen



Dr. S. ISHTIAQ HOSAIN RAZAVI
M. B. B .S., P. M. S.,
SULTANPUR (OUDH)



KHURSHEED MIRZA Esq.
Bs. C., C. E. M., I. M E. M. M. G T.
Director of Mines and Geological Survey.
HYDRABAD.

Who writhed at all this that would writhe at the massacre of Husain? Such must be the ruin of the prophet's work; such must be the vengeance that heathen Musalmans must wreak on the prophet for the ruin of their gods and forefathers. Many might be amazed at this conclusion; but this is just the way in which blood feuds are revenged in Arabia—a little more refined and accomplished. Such must be the effect when people became sovereigns and everything goes by their will and they put up persons who fall from any recommendation in their favour, were always an object of suspicion to higher classes, and who always, before their Islam, were the most inveterate enemies of the prophet. "What wast thou to do?" said Zainab to Yazid," "Thou couldst not help it. Our blood oozes within thy jaws." Hinda, Yazid's grandmother, had chewed the heart of Hamza the uncle of the prophet.

Thus it is evident that by the time of Yazid a perfect dissolution of the Islamic nation had been effected. A true Musalman was not to be seen throughout the length and breadth of Arabia. What could you expect if that Islam had grown and developed! What if this had dilated would it not have been worse than all atheism and heathenism? Leaving their pontiffs, they became the worst of all brutes fiends in human form. It is allowed there came ever and anon good men like Imam Abu Hanifa, Md bn Idris Shafie, Fusail'bn Ayaz But what could they have done: they could not work miracles. They could not transcend beyond the national character of the day, much less to help the whole nation beyond it. Something was necessary for a light, or the light had departed. Husain slain on the desert, the Imams shut in prison, where was there a ray of light to come from? This very heathen Islam of Omyeds must have reached us, and we must have been worse than the cannibals of Africa. What could have done for the times, but an event as striking as that of Husain. The people had been used to oppression and insult to religion Fatima's life, Fatima's death, Ali's indignities, Hasan's

* His place of burial was concealed for the fear of the people.

A few days after and you see Ali ibn Ali Talib dragged on in the streets of Medina arms tied like one guilty of a capital crime—all to swear against his conscience What a whole nation of Arabian heathens could not have the audacity to do against a nephew of Abu Talib that audacity in a Muslim empire found a man of street against the very lord of Mecca the minister of the prophet Were these things a whit less than Zainab or Sukaina dragged along the streets without a *chadar* on their necks ? Such were the times that the prophet s daughter had to be buried without a public funeral, and but for the wealth of her husband they had tried to have her pulled out of her grave for her majesty and reverence.

But for all this, it appears quite unreasonable to throw the whole blame on the early Califs. It was pseudo-democratic form of government based on the consciousness of the general tendency of the people, They had to rule by the feelings of the people whose attitude towards the prophet's family we have already shown to be inimical, for how else could a nation of Musalmans suffer such things to be done at a time when all lay at their mercy. I repeat, there were but few Mohametans in the early Muslim empire. The reign of Ali proved how ill a strictly righteous prince fitted a nation most fanatic in Kufr and Nifaq as the Arabians*. One wonders at the silly sect of Kharijites pressing Ali to have an arbitrator against his wish, and then calling him infidel for doing it; but we know they had been cursing him a long time before. Great events are the outcome of great causes and little occasions. Ali being murdered * Hasan had to abdicate—a term of the treaty we have given, showing what these times were. One mill on Sahabas and Tabein were killed simply for purity and consistency in the faith. And a hundred others were employed to forge blasphemies on the prophet's house. Thus was the way paved for the final destruction of Islam in the slaughter of Husain. Hasan was poisoned and arrows shot at his coffin. No room was to be given him by the side of the prophet, and the miserable corpse had to be conducted to the Baqia in Medina.

* Sura Tuba

you, save that you love my relatives." Islam, without the love of the prophet and so of his relations, is a stolen property—a plunder upon the prophet. Most reasonably so. Love to the prophet is half—nay the very essence of Islam And psycholagicolly so; love is as much subject to the law of association as anything else. To love a prophet without loving his sons or daughters, is a psychological absurdity. Moses' friends were those that lovingly obeyed Aaron, not those that put up an idol in his place and dealt so harshly towards him. In short, it is vain to try to get many Mohametans among the early Musalmans.

Thus we see the prophet and his relations were hated as the founders propagators and sustainers of the new religion in the blood of the heathens and the destruction of' their gods. History, tradition and speculation all converged to prove that no destruction of the prophet's work (the original motive of the Munafiqs, and the main reason why they opposed the prophet in all movement in Ali's favour could ever be effected without the extermination of the prophet's family. Husain's event was only the final measure for the accomplishment of this purpose. The movement began just on the day the prophet died. Husain certainly was not more entitled to reverence than his father and mother. Pray what would one think of such things as these? To day the prophet dies, and just the day after when the house of the prophet "the heaven of God" is loud in lamentations, when the angels above and spirits below are drowning in one doleful melody for the greatest calamity on the faith of God when the kingdom of God is all death and shadow in the destruction of the primordial cause of its existence—on that day—when the prophet might not yet have forgotten the pangs of redemption daggers and flaming spears are thrust into the bosom of the prophet—a man just risen from a street broker comes to burn away the prophet's daughter, her husband and her sons in one wholesale conflagration Fatima cries in double agony: 'Thou wilt not surely burn us all in our bereavement!" And a dreadful answer comes from the outside: "Aye, I will by God!"

† Abu Hanifa spoke of a particular individual, but probably he meant generally and symbolically

day till the thundering command of Go l came on the burning desert, and the mission had at last to be conveyed, "O thou the prophet, convey what is revealed to thee from thy God, and if thou doest not do so, thou hast not fulfilled thy mission and God will protect thee from all persons." Such was the terror of the people that the prophet himself could not venture a movement in favour of his relatives, even though it might be as important as the prophet's mission himself.

The rise of the Munafiqs is well known ; whatever may be the hidden motive underlying their hypocrisy, whether to kill the prophet or to destroy his work, or to take a momentary advantage [and all these really converged ; the Masjide zirar was built simply to crush the prophet (Sura tauba)] ; all had origin simply in the blood shed by the sword of Islam and the destruction of their religion and idols. How silly it is to imagine that the early converts were immediately after their conversion, miraculously wrought into the *esprit de corps* of Islam. Now every one knows that whether Islam owed its propagation to philosophy or the sword, it was all wrought by his cousin Ali'bn Abi Talib.

" And know that Islam but for Ali's science "
Was sceptics rut or heathen's loathsome drop.* '

The prophet and his cousin were equal sharers in the mischief done by the meccans. The former could not be cursed openly. Ali became the unhappy victim of the whole nation's vehemence. Ali was cursed not less in the prophet's day than in the days of Moaviya or Yazid. Herein do we fully realise the wisdom of the prophet in making love for Ali a sign of true belief, and enmity towards Ali, a sign of *Nifaq* (inimical hypocrisy). Else, what for would one hate Ali, but for assisting and completing the prophet's task. " We never knew." said Jabir, 'a Momin from a Munafiq, but by his love or enmity towards Ali." Herein also do we fully appreciate the divine wisdom of the words " Say, I do not ask any remuneration for this (guidance) from

* Ibn Abil Hadid's seven Qasaid.



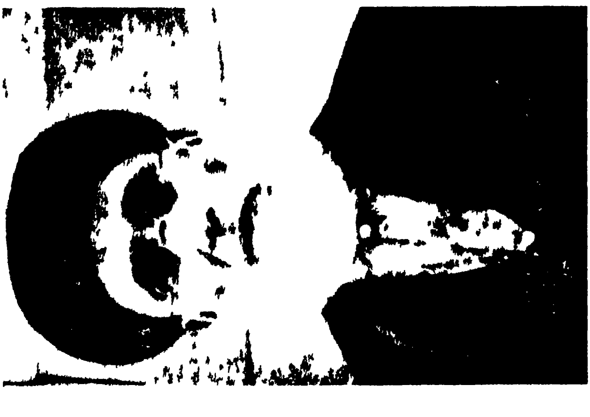
Nawab S Ali Jafari Esq, with his Son,
Jagirdar, Hyderabad



Raja Syed Mohd Akbar Ali Khan Bahadur
Raja Sahab of Pandrawal, (Aligarh)



Nawab Syed Kazim Ali Khan Esq B A Rais Jansath



الفاضل جناب مستطاب مولانا مولوی
خواجہ محمد احمد صاحب انصاری مدظلہ
رئیس سہارنپور

The dire music was responded to in every bosom. All were exulting in this fatal triumph. A nation triumphing over the slaughter of their prophet, what remained more for the final dissolution of the prophet's work. To compare Yazid with his con-natural predecessors with a view to showing that he was so much worse than any one of them would have an air of controversy in it. But to me it appears that the spirit of this malignant antagonism was roaring even in the prophet's day On the surface it would appear that no prophet had a more unsuccessful mission than the prophet of Islam. As a matter of fact the prophet did not work miracles on human nature. If we sillily take all conversions to be real conversions, the number of the prophet's converts would appear the biggest romance that imagination could create. For the prophet's instruction, psychology and physiology would not be blown to the wind. A people to whom blood feud excites hereditary animosity, cannot possibly have sincerely forgotten the bloodshed of their fathers and kinsmen. Else it would be the great possible argument for the prophet, whether it proved his mission or not. Real conversion must be looked for in those alone who were persecuted in the cause of Islam, or exchanged blows in battles for it, or led a life of pure religious devotion worthy of the prophet. This is the true touch-stone of the prophet's real followers; and so tested, these can be counted on fingers. All others can be proved to be Munafiqs or disaffected classes. Consider the faith of these early Musalmans. The prophet announced his nocturnal ascension, and more than half his followers fell away from him. He named one of his relatives through whom God spoke to him, and they broke out upon him (Sura Najm). God put an instance of Jesus Christ among the Musalmans, and his people frowned at the relative singled out for the excellence, though history verified the prediction, and has been verifying ever since (Sura Zukhruf). He signed a treaty with the Meccans, and what to speak of others, some of the greatest dignitaries of the church began to throw out suspicions at the prophet's mission. Such was the terror of the people that the old command in Sura Alam Nashrah. "So when thou art finished, install some one and then turn towards thy God," was postponed day after

The perturbed imagination flies straight into the region of stars; the more thoughtful phantasy finds an explanation in the omnipotent will of a tyrant! A bow to that omnipotent will that could be so omnipotent. The constitution of the State at the time would not admit of an omnipotent will. To me it appears, that Yazid was as good a monarch and as penetrating a statesman as any of his con-natural predecessors. It was a time when forged tradition (instituted by his father) to disfavour the prophet's house, and favour his own clan, had the most lucrative trade. It was a time when compulsory, prayers had to be repeated at the distance of a league if the thousand more compulsory curses on the prophet's family happened to be omitted. What would a thoughtful prince gather from all this? He had it is certain, to rule by the will of his people. And time, too, had come that he might exterminate the prophet's relations. Anyhow, to satisfy a blood-thirsty nation. The event confirmed this. He had commanded only to kill Husain if he did not swear fealty to him, who, pray, wrought all the atrocities that history records It was when he saw the revenge so successful that he began to indulge in it Playing with the head of the martyr by his rod he was singing:—

"Thy wings, O bird of glad intelligence,
Long anxious for the mirth of vengeful pomp,
Now stretch for skies unknown and worlds unheard,

For there be bosoms throbbing for their life
In the blood of those that killed their idol gods,
When thought suppressed and cunning arm was weak,
Now cry out what's most longed for is achieved,

And joy the nations in their glorious triumph.
Let worlds resound hurrah for Yazid's might!
O! would our fathers were alive and saw
How hard and dreadful revenge have we wrought

On Mahomad's life and soul We razed to ground
His pride; his lion that never saw a match;
His faith, his fortress have we trampled down
As straw. Behold your Beder's dire revenge!

So have we killed their valiant Lord, their Lion.
So, hurrah to our glory and our triumph!

The Hashimites but played on silly lives,
No angel came, nor revelation fell."



Group of the members of
the Anjuman Imamia Mysore taken in the courtyard of the Shia mosque Mysore on the occasion
of His Eminence Maulana L. A. Haidari's visit to Mysore
His Eminence in the centre



Khan Bahadur
Nawab Syed Abdullah Khan Sahib
Special Magistrate [illegible] Rais
JANSATH.



Nawab Hasen Ali Khan Saheb Bahadur,
MALERKOTLA

it by the angry mob. What an excellent ball they had for their national amusement! The head of the prophet is floating from the spear to the bough; from Yazid's camp to the gate of the city; from the washerman's basin to the baker's oven: and thence God knows where it went. Daughters of the prophet tied up in ropes, were the festive spectacle of a fiendish nation. All psychology and physiology were blown to the wind in this dreadful animosity towards the prophet. The real question is how the biological demands of an inherited structure of the cerebrum could be done away with in this malicious frenzy. An oath of fealty, duty to the chief, and hospitality to a guest are to the Arab mind so important things that even religion and personal enmities would be sacrificed for them. This is a matter of heredity, and they are not to be credited therewith. But for Husain there was no principle effective, either in law or in nature. Muslim might be repeated again. He had concealed in the house of Hani the only man who proved faithful to him. Hani was apprehended, and refusing to tell where Muslim was, he was beaten so severely in the face that the flesh of his cheek was flowing in the air. And then the ghastly frame was put into a dungeon. Hani was the chief of a very formidable tribe. The whole tribe, up in arms besieged the house of Ibn Ziad. But they were easily dismissed with kind words, assuring them that Hani was safe and treated as an honourable guest. He remained in his dungeon till Muslim, hearing of the fate of his friend came out openly fought and was captured. Then was Hani taken out and the two friends were thrown down from the top of the gate; their heads were cut off and were hung here and there and their bodies were dragged on for a whole month in every lane and street of Kufa; the ingenious diplomacy of the measure had its effect, and they that roared so much on the confinement of Hani were now exulting over his murder and disgrace. So transformed was Arabia in the time of Yazid. So changed! So transformed! But idle words will not do in history and psychology. Even if satan had the power of working miracles, he would have found it difficult to storm and overturn the laws of human nature. Before Yazid's time all were Musalmans and good men. As soon as he stepped in, everything was turned upside down. The prophet himself was driven away into the region of the shadows!

a canal was cut from the river Euphrates, but the waters would not come to the sacred spot; it whirled round the grave, but would not touch it. Hence is Karbala named Hayir; however, miraculously or not, the canal scheme proved a failure; the pilgrims poured in again, and the same atrocities began as ever.

Here ends abruptly the doleful history of Husain beginning within a few years of the last prophet's death and ending within a few years of the last Imam's disappearance. Else, Husain is a life-long story, for six hundred years, at least from the date of this event, there hardly came a day when a hundred daggers were not thrust into the bosom of the prophet. Husain in his martyrdom has a martyr's life, a life of active, woeful triumph, a life as eternal as God himself. What wonder, then, that mourning for Husain must continue to the end of all time—aye, in paradise itself shall we mourn for Husain; mourning for Husain is the very condition of Muslim existence.

From all this it would appear that in the early ages of Muslim history, God had designedly united His best and His worst creation In so far as self-sacrifice is the test of intrinsic goodness, we must conclude that the only good men were those who lived and died for the prophet in Husain, Ali, and the other pontiffs, all others were merely fiends in human form. But that would not help to explain the historical enigma round the event. In the slaughter of Husain we cannot perceive much of the prophet's spirit. Husain's slaughter is the keynote to all Muslim history. The gigantic shadow of the great martyr stands before the historian's eyes, like the great two headed god Janus facing as much to the past as he looks to the future. Consider it was an age of Sahabas and Tabein and the son of the prophet was burning in the desert without any one caring for him. Muslim's shattered body was dragged along the streets. Husain's head found no repose even on the spear; stones were hurled at

* The tradition is, " The tomb of Husain is in the heart of the believer"

† Cf. And his throne is on the waters (Quran)

Sayed Hasan Ali Khan is the eldest son of Khan Bahadur Sayed Abdullah Khan Rais and Special Magistrate Jansath Dist Muzaffar Nagar U. P., a very prominent landlord of the district. He is the direct descendant of S. Hasan Ali and Abdullah Khan who played a historical part in the time of the Mughal kings. [illegible] they held the reigns of the kingdom. They are known in the History as King Makers of India.

Sayed Hasan Ali Khan was educated in the M. A. O. College Aligarh which he left in 1918 at the age of 19 years. He entered the public life in 1920 and was Chairman of the District Board Muzaffar Nagar in 1922 in the first non-official Board and his services were appreciated by the public with the result that he [illegible] is a member of the D. B. He is also the Chairman of the [illegible] Committee of Jansath for the last seven years. He takes a great interest in the politics of the day and is a very prominent and pushing young man. He has been recently elected a member of the Legislative Assembly U. P. on the Muslim League ticket and has attained a good position in the opposition benches against the Congress Government.

He is trying to improve the general condition of his community Saddat Bahera who have unfortunately gone very much backward in their education.



The H'ble
Nawab Mir Hasan Ali Khan Saheb
M. L. A.
Rais Jansath

The history of the tomb of the apostle is equally interesting. Our first visitor was Jabir'bn Abdullah 'Ansari, the companion of the prophet. As the conse-quences and significance of the slaughter grew more and more to be felt, Husain found more and more visitors. Time was when Husain was burning in the scorching plains of Arabia till a few pitying Jewish converts interred his ashes without shroud or service, and now came a time when hundreds of people concealed themselves in day time to visit the martyr's grave at nightfall. Heavy fines and taxes were imposed for the sacred pilgrimage The wealth of the noble classes was soon drained away into the treasury, or distributed to the fiendish watchmen. They that lived in mansions could now scarcely get a cottage to live in that was not exposed to a sudden conflagration for its devotion to Husain. Soon after came the turn of limbs to pay for the sacred visit. You want to heal your eyes at the tomb of Husain, you must have your eyes put out. Hands, feet, arms, legs were successively paid for one short glance at the martyr's grave. If a man calmly succumbed to the atrocities, he was graciously offered to have his head cut off, else the useless bleeding bones were thrown into a neighbouring desert or dashed against a neighbouring hill So was built up a mound of innocent bones round the tomb of the prophet. Good monument this on the tomb of a martyr.† But the monument grew daily in size and foundation. The only remedy was to destory the grave itself. Mutawakkil issued his mandate to clear the ground for agricultural purposes. The swords and spears were gone. and now was the turn of mugs, hatchets and axes on the prophet's bosom. For months the soil of Karbala was turned upside down, the tomb disappeared and was transferred to the hearts of the faithful.* But the overflowing tide of pilgrims was not to be kept back, the soil itself was a healing and guidance, the dust of Husain must be swept away in the waters wherein it had sprung.†

* Some say his fetters were removed on his death.

† These atrocities were not confined to the tomb of Husain alone Musa'bn Jafar, too, had a similar host of martyrs round him.

times. They were pursued, and met their doom in the Himalayas. They hid themselves in a cave ; the persecutors closed its mouth and retired. Their ashes were discovered with the coins of Abdul Malic in the time of Moinuddin Chisti.

Confining ourselves to the Imams alone, we see Mohamed Baqir and his son put into the dungeon of Hisham. Released for political reasons, there issued for them a mandate inexorable that none should open their doors unto them nor give them food or water to taste. They walked on foot from Bagdad to madina (four days' journey) without tasting a drop of water, or getting a bed to lie down till a storm brought the inhospitable people to their senses. Six times at least attempts were made to murder Jafarel Sadique till a cup of water put out the light of Islamic philosophy † Musa'bn Jafer was chained all his life in a horrible dungeon where he always longed for a drop of cold water and fresh air to breathe. When he succumbed to poison, there was no one even to remove his fetters, and he is perhaps the only man who is entered with his irons on his body.* Ali'bn Mohammed was similarly confined by Mutawakkil ; his slaughter was daily contempla ted ; even his grave dug at the door of his prison, but he was released on the tyrant's death. His son was put into a dungeon and never released, till the dearth filled all Arabia and the wonders of the Christian monk arouse them to the necessity of a living pontiff. Such were the times that his marriage even remained a mystery, and the son s name no one dares even now to mention. Even the little child was persecuted by a whole regiment, and the last sign of God was snatched away leaving a world of oppression to grovel therein for ever and ever.

* The man who had stripped Zaid, went playing with the head, and carolling—

:: For you we crucified Zaid on a branch of a tree

:: But never saw a guidance crossed on verdant bough

" You put Othman in silly balance with Ally

" Nay, Othman purer, and better than Ally trow '

Jafaral Sadique hearing the blasphemous song, burst into tears and exclaimed, " O Lord, if this servant of thine is liar, appoint one of thy lions to tear him." The prayer was granted (Ibnul Jowzi) ;

† Vide my Science and Islamic tradition.



Moh mmad Ali Alhaj Salimin,
B. Litt., (London),
Muslim Missionary,
Bombay.



عالی جناب [illegible] نواز شاہ صاحب
گردیزی بی-اے-ای-اے-سی
رئیس ملتان



ملک صادق علی صاحب عرفانی
مدیر اخبار "شیعہ"
لاہور



شمس الواعظین جناب مولانا
مرزا یوسف حسین صاحب
واعظ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

H'ble Raja Ahmad Ali Khan Bahadur

OF

HASANPUR.

Born:—August 11, 1900.

Succeeded·— August 6, 1931.

Heir:—Son Raza Ali Khan, born November 25, 1928.

Residence.- Hasanpur Baudhua, Sultanpur.

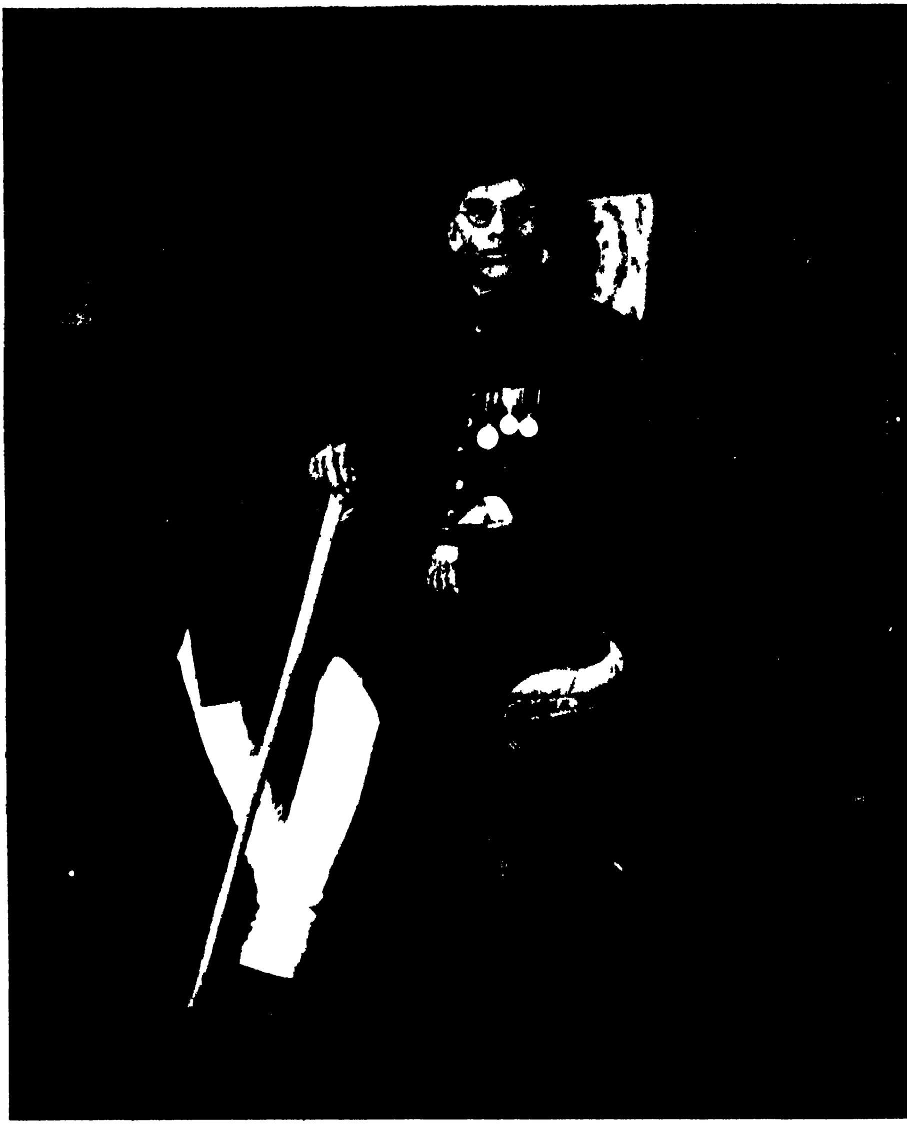
Estate:—One hundred and two villages and seven Pattis, paying revenue Rs. 64,267 in Sultanpur and two villages and one patti paying revenue Rs. 1,560 in Fyzabad.

Title:—The title of Raja was first borne by Hasan Khan and his successors were recognized as the premier Taluqdars of Oudh; the hereditary title was confirmed in Foreign department notification No. 631 of December 9, 1864. Raja Hasan Khan the founder of Hasanpur received from the Monarch (Sher Shah) the title of Badshah Duyam Masnad Ala, and was raised to the position of the Premier Raja in Oudh with the power of conferring the title of Raja on whom he pleased within the limits of Baudhua. This right was long retained by his descendants, and no assumption of the title was considered complete without investiture by the Raja of Hasanpur.

Raja Ahmad Ali Khan has faithfully kept the honour of his Predecessors He is not only loved by his subjects but also by his whole community. He is kind and religious in his private capacity and sympathetic and helping others in the Public. He is at present a member of the U P. Legislative Assembly.



Dr. Haji S. Haidar Ali Khan
F. R. C. S.
Director of Public Health,
Hyderabad



The H'ble, RAJA MOHD. AHMAD ALI KHAN Eqr.
M. L. C.,
RAJA SAHAB OF HASANPUR (OUDH.)



عالیجناب نواب محمد معین جاہ صاحب بہادر، جاگیردار- حیدرآباد دکن معہ صاحبزادہ

Sahabas and Tabein were killed, beheaded strangled or crucified, simply for one reason: they would not leave their Husain, Ali and Mohammed. Hajjaj alone is said to have massacred one hundred and twenty-four thousand choicest men of Arabia. Thirty-three thousand lives were tortured in prison whom Walid set free. Sulaim'bn Qais Hilali the first historian of Islam, was so much persecuted that his book is even now confined in oblivious secrecy. Some one asked Hajjaj in a vision how God treated him after his death. "Once for every martyr killed me God, but for Said'bn Jubair seventy times." This Said was asked what he believed about Ali. Was he in hell or in heaven? "When I will go to heaven I will easily recognise him there." "What, then, about the Caliphs?" "Thou ar not advocate for them" was the reply. "Whom doest thou admire most of all?" "Whoever," said Said, "was the most virtuous of them?" "Who were they?" was the angry question. "That know ledge is with God alone who knows their open and hidden things." But the Taqiya was but threadbare. "I want," said Hajjaj, "simply that thou testify to my belief." Said was forced on a definite answer, and he plainly said, "However I may not love thee, be sure I will not throw the lie in thy mouth." The answer was final, and after a few idle words the illustrious Tabii was beheaded; his head repeating, "there is no God but Allah." Hajjaj ordered the lower part of his body to be put on his mouth, whereon the martyr held his peace. So passed away the last Tabii that Hajjaj lived to kill for their love of the prophet's house *Wafayatul Aayan: Maarif' Ibn Qotaiba)*.

But though Hajjaj died, the fiend remained, and he possessed other tyrants, the cross, the sword, the spear, the gallows, the cauldron the fire were as busy as ever in exterminating the prophet s relations and their religion. Zaid 'bn Ali was slaughtered with his handful of followers. He was buried in darkness but in those days even the dead could not find a repose. He was pulled out from his grave and then put to the cross, and there his head was cut off and sent to Hisham.* Yahya, the miserable son of Zaid, was crossed in the plains of Persia—a whole battalion fell on the single-handed martyr and pounded his bonesbeneath the shoes of horses. A few hundred young men fled to India to avoid the persecution of the

"They talk of sun and air, and they know the walls will be pulled down upon them, and they know not." But the day came not, and they were sent back to Medina.

But in Medina, too the prophet could not get a peaceful repose. Taunts and sneers filled every nook and corner of the city. "Son of the prophet! (*i. e,* Ali'bn Husain) why did he not rescue his father?" "He lives in Medina and his friends are butchered he cannot save them." To avoid these noises, the son had to quit his father's tomb to live in a tent outside the city, far away into the desert But there was no peace for the Syeds any where in the world, the prophet's friends were butchered as so many sheep and oxen—nay, worse, like so many mugs and mosquitoes. Accidently Zainab the sister of Husain, passed by a tree on which the head of her brother was once hung and a few drops of blood served to point out the sacred spot. Zainab clasped the bough and burst into tears. The gardener knowing who she was, and what she wept for, made short work of her misery with his axe. The sons of Muslim scarcely ten years of age were flying from city to city in the darkness of the night and hiding themselves at day dawn in caves and hollows anyhow to avoid their persecutors At last they were discovered in a hospitable house which gave a secure room for them to lodge The master of the house dragged them both to the banks of the Euphrates, barely gave them time to pray and then beheaded them and along with them his own wife and son for interceding for their guests

At the same time the most illustrious Sahabas and Tabein were put to the sword points. The bosom of Raschid Hujri confined the vissicitudes of life but he was unable to strike measures for his own relief. Umr'bn Hamiqe Khazai saw his doom for his fond love of the prophet s family. The house of God itself was razed to the ground on the pretext of taking out a rebel who had taken his sanctuary there. The mosque of the prophet was made a stable for horses and a den of adultery. Such were the days of Hajjaj, Abdul Malik and Walid true successors of Yazid and Ibn Ziad. Almost one million of the noblest souls including

to the battlefield with pearls in his ears and a toy in his hands, was butchered between the eyes of the father and the mother. So was left Husain alone, pray what?— to mourn for the dead or to struggle for life! A shallow ghastly voice panting for thirst and fatigue, tied up in bleeding heart and living wounds inviting a host of millions to consistency in faith and sublimity in God—all but to be drowned in the powwows of heathens and the boisterous roar of a hard-crashing battle. Think of it! An old tottering frame labouring in the extremity of thirst nailed in arrows like the thorns of a porcupine—with a heart rent asunder by the three headed arrow — and by the history of the past and the future—the shattered pillar of God—the broken back-bone of the prophet— answering single and single-handed to the blows of a hundred thousand warriors with brands, arrows, spears, fires, stones,—all at work together. Four times fell the arch-pontiff of Islam, and thrice rose he to remove the fiery proceedings; but on the last falling, so pounded was this divine quintessence of faith that the thirsty neck, the withered bough, was easily sawed. the lips of the martyr moving, the slayer thought he was cursing him, but stooping down to hear him, heard only a dying prayer: "Lord, I have fulfilled my promise to thee, so do thou fulfil Thy promise to me concerning my followers!" A call from heaven in the blissful words of the *Quran* and the prophet passed away beneath the sawing weapon. "So was destroyed this primordial cause of existence; so was broken this essential connection between cause and effect, and so was severed this golden link between God and man!"

At this time the new pontiff was lying senseless in the extremity of thirst and fever, the effect of the interregnum was easily seen, but he rose in time to restore order in God's creation and to find himself a prisoner. The captives were dragged to the prison of Ibn Ziad and thence to the dungeon of the Commander of the Faithful. A fine spectacle, indeed!—the daughters of the prophet bound in one rope and dragged along the public places from city to city, without a *chadar* to veil their faces; a person naming them one by one, and the fiendish spectators laughing in exultation. In the dungeon itself while they were weeping over their miseries in the confinement, their warders were laughing:

However, a number of followers were *caught* in the way, but on reaching the banks of the Euphrates they found quite a different scene. The very people whom this very Husain had quenched of their thirst in the battle of Siffin, had now besieged that very river Euphrates, of which they were drenched, that their valiant leader might not get a drop of water to taste therefrom. On a slight suggestion of the pontiff they all deserted him. They that were left spent the night in vigils or jokes of anticipation. The day dawning, the mimic host of Husain burst on the Arabian army, eighty thousand strong. In the whole army of Husain, there was scarcely one man competent to fight. Old tottering frames drooping from the extremity of thirst and infirmity who would have found it difficult to walk without a stumble, had now to fight out their decaying existence in the midst of the most valiant horsemen that Arabia could boast of. Yet 'Husain' was the dying will of these shattered bosoms. Young men, blooming youths yet within their teens whose matrimonial Hina was not yet erased were required by their wives and mothers to give a speedy close to their tender lives and novel functions. Children, like Qasim, twelve years of age, who wanted some one to help them on to their horses, were required to help a falling martyr against a whole army of heathen giants but so they did, reciting *warnetes* in one breath and thirst cry in the other—all to have their ribs pounded beneath the shoes of horses. For of such things alone consisted the life, the power, the paradise of the prophet. Nay, more,—the tongue of the infant was blistered on the banks of the Euphrates.

"The ruthless archer shot the child
For showing but his dried-up tongue.
A dreadful arrow crossed the neck
That sin nor crime had ever hung "*

Another arrow silenced the new-born infant crying for milk that thirst and terror had drained away.† The little boy crawling on all fours

* From an Indian ballad † Yakuti.

his father and mother absolutely ; he would be thankful it at the command of the Calif they would be decent—not always, but simply in his presence and before his few friends. This might enable us to understand the feelings of the people towards the prophet's family. It was a time when compulsory prayers had to be repeated if they were not followed by a hundred curses on Ali, Fatima, Hasan and Husain. Such was the attitude of the people towards the arch-pontiffs of Islam. Such was the early instruction of this religion. What was the business of the Imam in that day save to sow the seed of the church in his own divine blood. The light of Islam had to hide itself within the bosom of the prophet. But in Medina too, the apostle could have no repose. Letters plagued him from all quarters to come and preach. Husain sent his cousin Muslim to ascertain what truth there was in it. One million people swore fealty to Husain, but just as Muslim despatched his report, they all overwhelmed him on all sides But he was equal to them all. Battalions after battalions were sent by Yazid, but all were dispersed. Eventually pits were dug in the night, and they were filled with dreadful poisoned weapons, and then enamelled over with grass. Muslim's horse falling into one of them, the whole body was torn and shattered, the helpless preacher was dragged to Ibn Ziad where simple minded as he was, he willed in secrecy to one of his tribesmen to write the story of his martyrdom to Husain that he may not cover. Umar betrayed him; he was to be the leader of the army against Husain. Muslim was thrown down from the top of the house and then dragged on in the streets of Kufa the capital of his uncle Ali'bin Abu Talib.

Husain started for Kufa to preach. The whole family was with him. But so changed was the world in a day that those from whom he used to hide behind the curtain of charity* now kept dodging away from his sight lest Husain may ask them to accompany him in the cause of God.

* Husainic charity is proverbial Though he always gave more than was begged of him, yet he gave it hiding behind a curtain, partly as he apologized he had no more to give and partly that the recipient may not be ashamed of the giver

Psychology assures us that pain is self-abating. but when ages after ages mourn for a handful of martyrs when mourning for Husain has outlived thirteen centuries of radical opposition and dreadful oppression, that mourning must surely have life and vigor in itself—a true miracle in psychology. A phenomenon that roars so much in the index of human nature must have a significance far deeper than mere amazement can guess. But, unfortunately, amazement is the only resort if we cling to our old dogmas. Time was when Husain was the pride of the prophet, the glory of the nation. and within a few years of the same, his head became a football for national amusement. Philosophy of history says something significant about this strange national transformation, which opens new horizons of liberal thought to transcend beyond sectarian prejudices, and it would therefore be a moment of noble industry to see if a unity could be traced out on the background of this most absurd metamorphosis. Great events cast their gigantic shadows, both previous to their existence, as they leave behind them. Such a grand event as that could not have been the work of one day ; and, as many years have not elapsed since the prophet's death, it must have been wrought from the beginning. Moreover, it was essentially a struggle between the absolute good and extreme evil. If mere mourning for Husain has had such a permanent standing for more than a thousand years, it must also have a similarly permanent influence on religion and morals ; if we weep for a religion and morality that has wrought this misery on us and our faith, this event must have altered it to its present reformation and we must see how this was accomplished. Then, also, a spirit must have a body for its permanent endurance, we must see how the power of a Mahomedan schism was evolved out of the blood drops of Karbala ; how a cosmos was built up from a primordial germ ; how the kingdom of God was built up on the destruction of its life and essence. Finally we have to consider certain historical, biological and psychological enigmas round this grand slaughter, which was the main purpose of writing this essay.

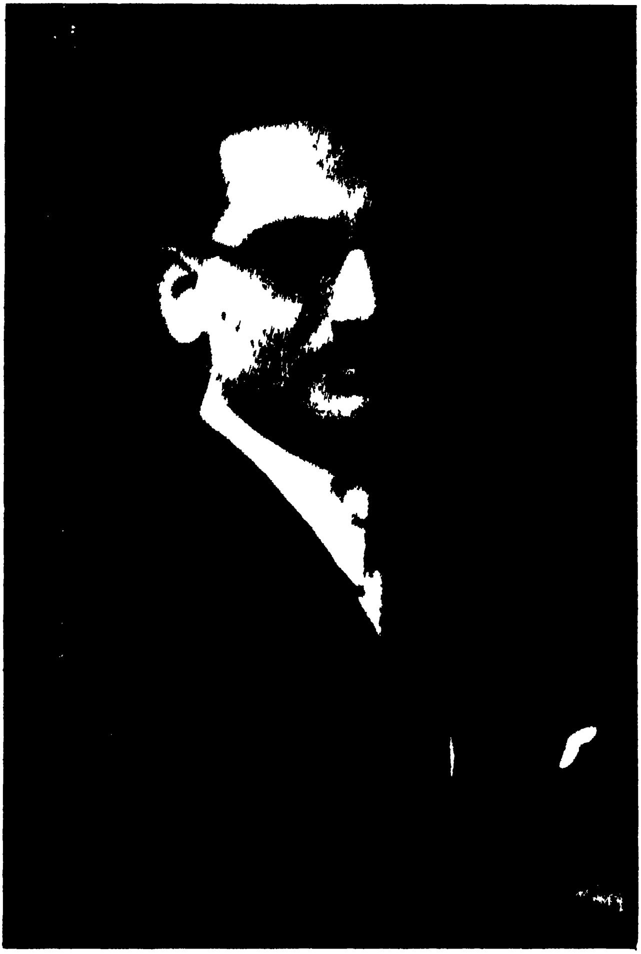
The treaty of our lord Hasan with Moavyah is well-known. Such were the times ! The son of the prophet cannot forbid the people cursing



The H'ble Mr Justice
S. FAZLE ALI,
Judge High Court
PATNA.



The Ho'ble,
Syed Mohamed Hosen Jafari,
M. A. (Oxon)
Director of Public Instruction
Hydarabad.



Syed Basheer Hosen Zaidi, Esqr.,
Bar-at-Law,
Prime Minister, Rampur State.

against all Husainic sentiment. Exclusively a Shia custom. Husain is now commemorated on the burning deserts of Arabia ; a few years ago the tenth of Moharram was a day of rejoicing, new the walls of Kaaba resound with the cries of the mourners. In the very teeth of its revilers a permanent institution, a magnificent Imambara, is set up in the very heart of Constantinople Nay, not the Muslim world alone; the Moharram has had its flaming wonders and Abramic miracles even in the wild Hindu bosoms. Several Hindu States, particularly Gawalior, have come to the forefront of reputation, simply for their open, candid and magnanimous commemoration of a Mohametan apostle. The animosity between the Hindus and Musalmans is growing more and more inherent, but in Husain all are loving brothers One cause, one sentiment ; as soon as the woeful moon falls on expectant eyes, all clashings are forgotten, all hearts melt down into one common dolorous music for Husain. The days are gone, when "friends slew friends not knowing whom they slew"; the days are gone when Musalmans slew Musalmans for mourning over their common dignitary; those days are gone and now has come a day when even the Hindus would sacrifice their greatest festivities for reverence of Husain. Just a few years ago when *Ramnoumi* fell in the month of Moharram, they did away with it; and when *Holi* and *Nowroz* fell on the same day, both *after* the Moharram the mourning for Husain was so loud, that both were equally silent. Such things were not a hundred years ago; but the doleful memory of Husain has had a most unique history of triumphant progress and occupies a most unprecedented and enigmatic position in the philosophy of history.

A formidable battery of associations forces the old tragedy on our drooping reflection. It is a familiar name connected with all ages of Muslim history. It is connected with red conflagrations, ruthless slaughters, life-long persecutions, mutilated brains, immured lives, dreadful atrocities, inherent revenge, ethereal frenzy, roaring mutinies hot-headed insurrections, vengeful diplomacies, dark-mouthed hypocrisies—but, as the blood of the martyr is the seed of the church —with a regular, steady and majestic triumph.

the Muslims to claim a monopoly in him, because he represents moral and spiritual forces which are international and inter-religious in their significance and dominion. It would, likewise, be an act of stupid prejudice on the part of Non Muslim to disown the priceless contributions made by Husain to the moral and spiritual heritage of the human race on the ground that he professed the religion of Islam. There are far too many causes of conflict and discord amongst the nations of the world which it is the function of true statesmanship to diminish and resolve In this laudable endeavour it should welcome all these great and worthy achievements of the human spirit which make the whole world kin by appealing to the nobler impulses of human nature by pointing, as with an unerring finger towards the potential greatness of which man, at his best, is capable. Let u honour Husain irrespective of national, racial or religious differences because he triumphantly justified the faith God in Man.

HUSAIN
IN
THE PHILOSOPHY OF HISTORY.

BY

A. F. B. HUSAIN B.A.,

The days of Moharram are gone; the Ashura has rolled its brief transitory period, even the *Arbaiin* has gone away with its lingering festivities, and yet the world is as loud in lamentations as ever. Not the Shia world alone; the big drop has inundated every territory between the Brahmaputra in the East to the Congo in the West. Miraculously enough the gigantic shadow of the old martyr dilating in life and energy, impersonates even the hardest bosoms steeled

Truth he decided to risk his own life at the alter of his faith. It is the old story of the conflict between good and evil, between the forces of darkness and light of liberation and enslavement but it was fought under such unprecedentedly dramatic circumstances that it has eclipsed all other similar conflicts. Never was there such disparity of numbers between the combatants on the two sides, never such display of heroism and chivalry, such joyous impatience to sacrifice lives in the cause of truth as that displayed by Husain and his followers.

The appeal of this event is permanent and destined to defy the effects of time because the values for which Husain made the supreme sacrifice are permanent values. So long as human nature retains its reverence for all that makes human life noble and great Husain's memory will be cherished as that of a pre eminent liberator and benefactor of mankind. But for his effective intervention at that particular juncture, who knows that the whole course of history might have been distorted and Yazidism usurped the place of Islam ! wherever men will be moved by generous impulses and noble enthusiasms, wherever they will cherish great and worthy causes, wherever they will champion movements aiming at the liberation, of man's better nature from the fetters of cruelty, exploitation, injustice and self indulgence, they will acknowledge Husain as a leader and ally. For, no one has demonstrated more effectively the fact that man gains true greatness and achieves immortality by identifying himself with some great cause, by losing his own self in the service of humanity. For, in the words of the persian poet :

هرگز نمیرد ان که دلش زنده شد به عشق
ثبت است بر جریدهٔ عالم دوام ما !

It is this abiding, timeless significance of the values for which Husain made his historic sacrifice which makes its appeal universal. Husain is not, as it were, an exclusive possession of Muslims or a landmark in Islamic history alone ; he belongs to the ages and is a moral asset for the whole of humanity. It would be unjustifiable conceit for

grounds of race or colour or sex or social and economic circumstances. The poor and the oppressed. the common men who had been always exploited unscrupulously. were given a new hope and a new sense of personal worthfulness.

تا امینی حق بحقداران سپرد   بندگان را مسند خاقان سپرد
اعتبار کار بندان را فزود   خواجگی از کار فرمایان ربود
قوت او هر کهن پیکر شکست   نوع انسان را حصار تازه بست
تازه جان اندر تن آدم دمید   بنده را باز از خداوندان خرید
حریت زاد از ضمیر پاک او   این مئی نوشین چکید از تاک او
تا شکیب امتیازات آمده   در نهاد او مساوات آمده
عصر نو کاین صد چراغ آورده است   چشم در آغوش او وا کرده است

These were the values which Islam was trying to incorporate into the life of the Arabs and through them of mankind. It had actually succeeded in infusing a new vitality and new moral standards into the people of Arabia when this great experiment in psychological and social reconstruction was threatened by forces of reaction and obscurantism which found a rallying point in Yazid the notorious usurper who was ruling over Syria at the time of the tragedy of Karbala. Yazid is important not because he was personally a most corrupt and licentious individual but because he symbolized in his rule and his personality a rejection and reversal of all those values of peace. humanity and justice which Islam had been laboriously inculcating. He rejected the Islamic ideals of simplicity and purity of conduct of democratic social and political institutions of human equality and justice. of chivelry and courage and by word and deed, tried to nullify all that the prophet had achieved. What is more he used violence to force people to accept him as Khalifa, as a legitimate successor of the prophet, with the intention of historically confusing the mission of Islam with his own scandalous behaviour. Husain as the champion of all the great values of Islam could not possibly acknowledge this dissolute pervert as the Khalifa and, in order to vindicate the rights of human conscience and the cause of



Some Members of
Anjaman Isnaasharia Quetta, with His Eminence
MAULANA HAIDARI,
in the Centre



The H'ble Maharaja
Sir Mohd. Ali Mohammad Khan Bahadur
K. C. S. I. C. I. E., C. S. I.
Late Maharaja Bahadur
of
Mahmudabad
Home Member Government U. P.

pity or ridicules. In his History of the world he dismisses this greatest sacrifice of human history—which has added so immensely to man's moral stature—with the stupid and impertinent remark "we do but name them (Hasan and Husain) here because they still afford a large section of mankind scope for sentimental partisanship and mutual annoyance." This from a man who set out to put the history of the world into its true perspective and evaluate events at their proper worth! I propose in this short article to discuss very briefly the reasons which make for the permanence and universality of the appeal made by Husain's martyrdom.

What was the cause for which Husain was striving and in the service of which he spared neither himself nor his family, nor his friends nor his faithful followers? Islam had brought to a priest-ridden wealth-dominated world a message of liberation: liberation from the bonds of the priests who presumed to intercede between God and man, liberation from the autocratic rulers who knew neither human law nor divine, but helped themselves, avariciously and unchecked, to the fruits of other's hard labour; liberation for the slaves and the "low castes" from the tyranny and inhuman cruelty of their masters; liberation for women from a virtual slavery in which they were deprived of elementary human rights; liberation for mankind from the narrow bonds of race and colour and nation which had cut into its living body and divided it into warring camps....Mankind was thus enslaved in cruel bonds of its own making: In the words of Iqbal the great poet and philosopher of Islam:—

بود انسان در جهان انسان پرست ناکس و نابود مند و زیر دست
سطوت کسری و قیصر رهزنش بندها در دست و پا و گردنش
کاهن و پاپا و سلطان و امیر بهر یک نخچیر صد نخچیر گیر
از غلامی فطرت او دون شده نغمه ها اندر نی او خون شده

Islam gave it a message of freedom social equality and human brotherhood and restored to the full status of citizenship for the first time in human history those who had been deprived of their human rights on

The
ISLAMIC WORLD
BUDAUN, U. P.

Vol. 2 | March & April, 1938. | Nos. 1 & 2

THE
Appeal of Husain's Martyrdom

BY
K. G. Saiyidain, Principal Training College,
ALIGARH.

There is no story in the annals of mankind which has a more permanent or a more poignant or a more universal appeal for the human heart than the story of Husain's martyrdom on the battlefield of Karbala. Its poignancy is obvious and beyond dispute, for no historical event has moved people's emotions so profoundly as the tragedy of Karbala and thirteen centuries of time the great opiate, have failed to dim their intensity. Ritual and ceremonials have no doubt a good deal to do with preserving its memory so fresh amongst the devout followers of Husain but it is intrinsically so moving that even those who have no religious attachment to him cannot remain untouched by the story of his great sufferings and sacrifice. But there are many people—some ignorant, others insensitive to the finer values of human experience—who are unable to understand the universality and permanence of its appeal. Mr. H. G. wells, who is in many ways a stimulating and intelligent thinker, is a good example of how ignorance in certain directions combined with aggressive self-complacence can make a man blind to these finer values and lead him to commit blunders of judgment which move one either to

H. E. H. THE NIZAM OF HYDARABAD
IN
MADRASATUL-WAIZEEN, LUCKNOW.

Left to Right:—

1. His Holiness Alhaj M. Ejaz Hasan, the great author and Mujtahid of Budaun. 2 His Holiness M. S. Abul Hasan, Vice-Principal Madrasatulwaizeen, Lucknow. 3. The Hon'ble Raja S. Mohd. Mehdi Raja Sahib of Peerpur.

Right to Left :—

1. His Holiness M. S Sibte Hasan Sahib, Principal, Madrasatulwaizeen, Lucknow. the best orator of his age. 3. Raja Mohd. Amir Ahmad Khan Raja Sahib of Mahmudabad 2 Hon'ble Mr. Justice Syed Raza Judge Judl. Court. Lucknow At the back of H E. H. the Nizam. His Eminence M. L. A. Haidari



THE ISLAMIC WORLD

BUDAUN, U. P.

Vol 2 | March & April | Nos. 1 & 2

1938.

S. No. | Page No

SPECIAL FEATURES:-

ANNUAL SUBSCRIPTION.

INDIA Rs. 4/- | SINGLE COPY (INDIA) -/7/-
FOREIGN Rs. 6/- | FOREIGN -/9/-

SINGLE COPY
HUSAIN NUMBER
Rs 1/8 -

HONORARY EDITOR--
E. A. SHAH NAQVI.

MANAGER & PUBLISHER-
ALI ASHRAF,
KAZI STREET BUDAUN

Under the kind Patronage of

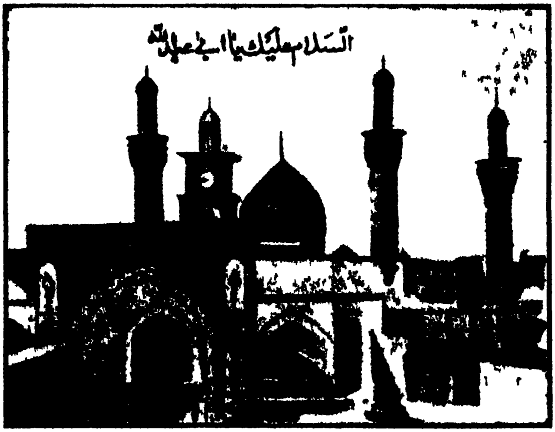
H.E.H. the Nizam of Hayderabad and Berar.

THE ISLAMIC WORLD

BUDAUN, U. P.

HUSAIN NUMBER

Vol. 2 MARCH & APRIL 1938. Nos 1 & 2



The Golden Tomb of Imam Hosen,
The King of Mrtyrs, at
Karbala

Price Rs 1/8/-

Printed by Ahid Uddin at the Nizami Press Budaun

اسلامی دنیا

۵۶۳

چیف ایڈیٹر
ڈاکٹر سید عنایت علی شاہ

اغراض ومقاصد

۱۔ غیر مسلم حضرات کے سامنے حقائق اسلام کو بے نقاب پیش کرنا۔

۲۔ مسلم طبقہ میں رواداری کی مستقل لہر دوڑانا۔

۳۔ فرقہ وارانہ اختلافات اور کشیدگیوں کی خلیج کو حتی الامکان پاٹنے کی کوشش کرنا۔

۴۔ احباب کو مخلص و مخالفین کو دوست بنانا۔

۵۔ حقیقی علمبرداران اسلام کی سوانح حیات اور انکی علمی اور اخلاقی تعلیم کو اصلی رنگ میں پیش کرنا۔

۶۔ دنیائے اسلام کے اہم مسائل پر صحیح تنقید و تبصرہ کرکے غیر مسلم حضرات کی غلط فہمیوں کو رفع کرنا۔

۷۔ عینیت اور رسمی کے تعلقات کو خوشگوار بنانا۔

۸۔ قرآن مجید کے متعلق جو شبہات پیدا کیے جاتے ہیں اُن کو بہ ایں شائستہ زائل کرنا اور ایسی چیزیں دُنیا کے سامنے پیش کرنا جو عام فہم غلط فہمیوں کا ازالہ کرکے ہر باہم انسان کو تسلیم کیلئے سلام بنا دیں۔

۹۔ مسلمات شیعہ و سنی کے خلاف کوئی شئی اس رسالہ میں درج نہ ہوگی۔

۱۰۔ اس رسالہ کے نامہ نگار اسلام کے سچے ہمدرد شیعہ سنی حضرات جو ملک میں کافی روشناس ہیں ہونگے۔

۱۱۔ حضرت علمائے اعلام کثر اللہ امثالہم اپنے بیش بہا افادات سے اس رسالہ کی وقتاً فوقتاً اعانت فرماتے رہیں گے۔

۱۲۔ غیر مسلم حضرات جو مشاہیر اسلام سے عقیدت رکھتے ہیں اُن کا کلام نظم و نثر بھی اس رسالہ میں درج ہوا کریگا۔

نظام العمل

۱۔ یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کے آخری ہفتہ میں لاہور سے شائع ہوا کریگا۔

۲۔ سالانہ چندہ عام شائقین سے للعہ ہوگا۔

۳۔ بیرون ہند ساڑھے سات شلنگ ہوگا۔

۴۔ یہ رسالہ مخصوص غیر مسلم اداروں میں اور کتب خانوں میں بلا قیمت بھیجا جائے گا۔

۵۔ بلا وصول قیمت پیشگی پرچہ روانہ نہ ہوگا۔ جو حضرات وی۔پی کی اجازت دیں گے اُن کا اخلاقی فرض ہوگا کہ واپس نہ فرمائیں۔

۶۔ جملہ خط و کتابت و ارسال مضامین بنام مدیر ہونا چاہیے۔

۷۔ جملہ ارسال زر بنام منیجر ہونا چاہیے۔

۸۔ جن حضرات کے پاس رسالہ آخر ماہ تک نہ پہونچے وہ صدر دفتر کو اطلاع دے کر منگوا سکتے ہیں۔

چندہ سالانہ ہندوستان چار روپے (للعہ)

بیرون ہند سے (چھ روپے (ے)

اِنَّ الدِّینَ عِندَ اللّٰہِ الاِسلام

اسلامی دنیا

حضرت قمر الواعظین [illegible] مولانا مولوی محمد لقاء علی حیدری مدظلہ العالی

(مدیر مسئول)

حکیم ڈاکٹر سید عنایت علی شاہ نقوی ایل۔ای۔ایم (مٹیلسٹ) ایچ۔اے۔ایچ۔پی لکھنؤ

جلد (۶)	فہرست مضامین اسلامی دنیا بابت ماہ جنوری ۱۹۳۶ء عیسوی	نمبر (۱)

قادیانی تحریک کی ابتدا

(گزشتہ سے پیوستہ)

(از حضرت علامہ مولانا خواجہ غلام الثقلین صاحب اعلے اللہ مقامہٗ)

دوم دلائلِ نبوّت میرزا صاحب پر ایک نظر

اوّل ہم میرزا صاحب کی نبوّت کے دلائل پر غور کرتے ہیں بعد ازاں صیغہ "اصلاح تمدّن" کے اصول کی رو سے ان کے مشن پر غور کریں گے۔

پہلی دلیل

وفاتِ مسیح اور اس پر بحث

میرزا صاحب کی پہلی دلیل در حقیقت زبردست ہے یہ ہے کہ "مسیح ابن مریم وفات پا گئے" اس لیے "میں غلام احمد مسیح موعود ہو سکتا ہوں"!

ہم ان دونوں دعووں کو نہایت آسانی سے قبول کر لیتے ہیں[1] اور مان لیتے ہیں کہ آپ مسیح موعود ہو سکتے ہیں! جیسے آپ کروڑ پتی ممبر پارلیمنٹ یا شہنشاہ جرمن ہو سکتے ہیں مگر سوال یہ ہے کہ آپ ایسے ہیں بھی؟ جو چیز محال نہیں وہ ممکن ہے۔ فرض کیجیے کہ ایک امتی مسلم کا مسیح ہونا ممکن ہے مگر اس کی صفات اور آیات بھی دیکھنی چاہییں جو مرزا صاحب کی ذات میں موجود نہیں ہیں۔

سرسید احمد خاں مرحوم بے شک نپولین بونا پارٹ[2] ہو سکتے ہیں کیونکہ نپولین مر چکا تھا اور مسلمانوں کو ایک زبردست جرنیل کی ضرورت تھی مگر کیا سرسید احمد خاں نپولین تھے؟ ہرگز نہیں پس جب تک کوئی خصوصیت ظاہر نہ ہو میرزا صاحب کا مسیح ہونا ایسا ہی مشکل ہے جیسا کہ کسی اور مؤلف یا مصنف کا۔

دوسری دلیل

معجزات اور ان پر بحث

---

[1] چونکہ وفاتِ مسیح کی بحث میں صرفی نحوی لغوی اور ادبی مطالب آتے ہیں اور عوام اس کو سمجھ نہیں سکتے اور بحث کو طول ہو جاتا ہے اس لیے مرزائی حضرات اکثر اسی بحث کو پیش کرتے ہیں تاکہ مرزا صاحب کی نبوت کے ثبوت کی نوبت نہ آئے فاضل مصنف نے اس امر سے قطع نظر کر کے نفسِ مضمون پر بحث کی ہے۔ ہم جو صاحب حیاتِ مسیح کی بحث کو مکمل دیکھنا چاہیں وہ مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی کی کتاب شہادت القرآن حصہ اول و دوم کا مطالعہ کریں جن میں مرزائی حضرات کے تمام شبہات کے جوابات دیے گئے ہیں۔

[2] نپولین بونا پارٹ فرانس کا بادشاہ اور دنیا کے مشہور آدمیوں میں ہوا ہے جس نے تمام دنیا کو فتح کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ بہت سی فتوحات کے بعد آخرکار ۱۸ جون ۱۸۱۵ء کو بمقام واٹرلو اس نے شکست فاش کھائی اور قید ہو کر جزیرہ سینٹ ہلینا میں بھیجا گیا۔ جہاں چھ سال کے بعد ۱۸۲۱ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔

ہر مذہب کے پیرو عام طور پر حقانیت ہادی کی دلیل معجزات اور آیات کو سمجھتے ہیں معجزات کی نسبت مرزا صاحب کا عقیدہ مرحوم سر سید کے عقیدہ کے موافق ہے اور ناچیز اڈیٹر عصر جدید کے نزدیک محض غلط ہے۔

ہر معجزہ یا خرق عادت کو محال سمجھنا حقائق الہیات سے اول درجہ کی ناواقفیت کا ثبوت ہے۔ میں اگر چاہوں تو ایک ایسا کام کرسکتا ہوں جو میں نے برس دن سے نہیں کیا تھا۔ مگر میرا قلم چاہے تو وہ مجھ سے ایسا کام نہیں کرا سکتا خدا تعالےٰ اگر چاہے تو وہ بموجب اپنی مصلحت یا بموجب اپنے قوانین کے جو خاص اس کے علم میں ہیں ایسے حالات پیدا کراسکتا ہے جو ظاہر میں لوگوں کو حیرت میں ڈال دیں۔ مگر انسان خدا کو مجبور کرکے اس کے معجزہ نہیں دیکھ سکتا۔

یہی معنی اس آیت کے ہیں:-

قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰہِ (عنکبوت $\frac{29}{49}$)	(اے پیغمبر!) کہدو کہ نشانیاں (معجزات) خدا کے پاس ہیں"۔

یعنی اُن کا اظہار خدا کی رائے کے مطابق ہوتا ہے نہ کہ بندہ کی خواہش کے موافق نبی کا کام دنیا کو نیک راہ بتانا ہے اور بس۔ البتہ خدا تعالےٰ نے اس کی تائید مناسب مواقع پر معجزات سے کی ہے۔

امکان معجزہ کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ ہمارا علم قوانین قدرت کے متعلق اس قدر محدود ہے جیسے بلا تشبیہ ایک مچھر کا علم بمقابل علم افلاطون کے قلیل ہے جس طرح مچھر کو حق نہیں ہے کہ اپنے علم کے گھمنڈ پر افلاطون کی باتوں کا انکار کرے۔ اسی طرح ہم کو انکار معجزات کا حق نہیں ہے۔

وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ بقرہ $\frac{2}{256}$	اور وہ (لوگ) اس (خدا) کے علم سے کسی شے پر احاطہ نہیں رکھتے مگر جس قدر وہ (دینا) چاہے"۔

یہ بات نہایت کھلی ہوئی ہے۔ اور اس لیئے سر سید مرحوم اور مرزا صاحب سے تعجب معلوم ہوتا ہے۔ پھر بھی سید صاحب تو کل انبیا کے معجزات کی تاویل کرتے تھے مگر مرزا صاحب (۱) حضرت مسیح کے احیاء موتے کو تو شعبدہ اور بیماروں کے اچھا کرنے کو مسمریزم[1] کہتے ہیں اور (۲) حضرت ابراہیم کے اس قصہ کو جس کا ذکر پرندوں کے زندہ کرنے کی بابت قرآن میں ہے کہتے ہیں کہ وہ پرندے زندہ نہیں ہوئے تھے ان کو صرف پرچایا گیا تھا مگر اپنے لیئے بڑے بڑے معجزات کا دعویٰ کرتے ہیں۔ چنانچہ اپنے ایک پسر مُردہ کو زندہ کرنے کا دعویٰ بھی ان کے اخبار نے بشہادت ان کی زوجہ کے شایع کیا ہے۔ اگر مرزا صاحب در حقیقت ایسے معجزات دکھا سکتے تو دوسرے انبیا کے لیئے کیوں منکر ہوتے؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن میں قوت معجزہ نہیں ہے۔ اور اُنھوں نے یا ان کے خواہ یا ب

[1] یہ مرزا صاحب کے اوہام ہیں جن کو اُنھوں نے اپنی کتاب ازالۂ اوہام میں جابجا درج کیا ہے اور یہاں تک لکھ دیا ہے" اگر یہ عاجز (مرزا) اس عمل کو مکروہ اور قابل نفرت نہ سمجھتا تو خدا تعالےٰ کے فضل و توفیق سے اُمید قوی رکھتا تھا کہ ان عجوبہ نمائیوں میں حضرت ابن مریم سے کم نہ رہتا"۔ اور دیگر مقامات پر اپنے آپ کو حضرت مسیح سے بہت بڑھ کر بتایا ہے (ریویو آف ریلیجنز جلد اول صفحہ ۲۵) اور یہ بھی کہا ہے کہ "وہ کام جو میں کرسکتا ہوں وہ ہرگز نہ کرسکتا" (ایضاً صفحہ ۴) غرض معجزات مسیحی سے صاف انکار اور قرآن کی تکذیب ہے

قصیدہ خوانوں نے "لو مُردہ زندہ ہو گیا" [۱] کا دعویٰ غلط طور پر گھڑا ہی۔

تیسری دلیل

پیشین گوئیاں اور اُن پر بحث

پیشین گوئیاں بھی جبکہ صاف اور بلا شرائط ہوں اور مہمل اور مجمل الفاظ سے بری ہوں جن سے کہانت کا شبہ ہو ایک قسم کا معجزہ ہوتی ہیں۔ میرزا صاحب کا دعویٰ ہی کہ میری کئی ہزار پیشین گوئیاں سچی ہوئی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ جو شخص صبح سے شام تک دس حکم سوچ کر بلا علم غیب کے لگائے گا۔ اُن میں سے چار ضرور صحیح ہو جائیں گے۔ مگر نبیوں کی پیشین گوئیاں کبھی غلط نہیں ہو سکتیں کیونکہ وہ خداوند عالم الغیب کی طرف سے ہوتی ہیں۔

مگر یہ امر حیرت انگیز ہی (اور مرزا صاحب کے دعوئے نبوت کے ابطال کے لیئے کافی ہی) کہ جس قدر معرکہ کی پیشین گوئیاں بطور تحدی کے میرزا صاحب نے کی ہیں سب کی سب (سوائے ایک پیشین گوئی [۲] کے جس کے حالات شک سے خالی نہیں اور جو انسان کے ہاتھ سے پوری ہوئی) اس قدر صریح غلط نکلیں [۳]۔ کہ تاویل اُن کو معنی پہناتے پہناتے شرمانے لگی۔ یہاں تک کہ میرزا صاحب کو وہ وتیرہ اختیار کرنا پڑا جو حد درجہ خطرناک ہی اور جس کی وجہ سے ہم کو خاص طور پر اُن کے اوپر شبہ کرنا پڑا۔

ہم نے اس امر کا اظہار اس قدر وضاحت کے ساتھ اس غرض سے نہیں کیا کہ حضرت میرزا صاحب یا ان کے حواریوں اور داعیوں کی وہ جماعت جو مشاہرہ پاتی ہی متنبہ ہو گی۔ کیونکہ ان لوگوں سے نہ ہم کو کچھ اُمید ہی اور نہ ہمدردی۔ البتہ مسلمانوں کا وہ خاصا بڑا گروہ جو جال میں پھنس گیا ہی اور جس کو یہ تنخواہ یاب یا جاہ طلب گروہ یہ کہکر لوٹتا ہی کہ "زندہ اسلام کا نمونہ دیکھنا ہو تو

---

[۱] غالباً ۱۹۰۷ء یا اس کے قریب قادیان کے مشہور اخبار الحکم یا البدر میں ایک نوٹ چھپا تھا جس کا یہی عنوان تھا "لو مُردہ زندہ ہو گیا"۔ اس کا مضمون یہ تھا کہ میرزا صاحب کے ایک بیٹے کو حکیموں اور ڈاکٹروں کے علاج سے کوئی فائدہ نہ ہوا اور وہ مر گیا۔ میرزا صاحب نے دعا کی تو پسر مردہ زندہ ہو گیا۔ اخبار میں "ام المومنین" (زوجہ میرزا صاحب) کا حلفی اقرار بھی درج تھا کہ مسیح قادیان کے معجزات ہرگز مسیح بن مریم کے معجزات سے کم نہیں ہیں۔ غنیمت ہی کہ "اُم المومنین" نے اپنے شوہر کو مسیح بن مریم سے نہیں بڑھایا مگر میرزا صاحب کا قول یہ ہی کہ میرے معجزات کے مقابلہ میں مسیح بن مریم کے معجزات کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہی۔ بہر حال فاضل مصنف نے اس قصہ کے غلط ہونے کی نہایت عمدہ دلیل متن میں بیان کی ہی۔

[۲] پنڈت لیکھرام آریہ مسافر کی موت کی پیشین گوئی سے مراد ہی جو ۶ مارچ ۱۸۹۷ء کو کسی نامعلوم شخص کے ہاتھ سے لاہور میں قتل ہو گیا۔

[۳] مثلاً دختر احمد بیگ (محمدی بیگم) کا میرزا صاحب کے نکاح میں آنا۔ محمدی بیگم کے شوہر مرزا سلطان محمد کی موت۔ مسٹر عبداللہ آتھم کی موت۔ الہامی فرزند بشیر موعود کا پیدا ہونا۔ بہت سی خواتین مبارکہ کا میرزا صاحب کے نکاح میں آنا۔ اُن خواتین سے بہت نسل کا ہونا۔ مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب بٹالوی کی ذلت۔ قادیان کا طاعون سے محفوظ رہنا وغیرہ

قادیان چلو! اس سے ہم کو ہمدردی ہے اس وجہ سے ہم یہ مضمون لکھتے ہیں۔ اگر ہم ایک منٹ کے لیئے بھی یہ سمجھتے کہ درحقیقت میرزا صاحب کی یہ تحریک مذہبی ہی تو کبھی اس بحث میں نہ پڑتے مگر ہمارے نزدیک یہ کارخانہ محض دنیاوی کا ہی۔ اس لیئے بغرض اصلاح معاش مسلمین متنبہ کرنا ضروری ہوا مذہبی معاملہ میں ہم کو دخل دینے کی کوئی وجہ نہیں معتقدات کا فیصلہ قادر مطلق اپنی بارگاہ میں کرے گا۔

(باقی آئندہ)

مردساز دنیا

(از جناب مولوی سید محمد مہدی صاحب تسکین　　ایڈوکیٹ فیض آباد)

فغاں کیں لولیاں شوخ و شیریں کار و شہر آشوب
چناں بُردند صبر از دل کہ ترکاں خوان یغما را

حضرات! یہ نہ مشرقی افسانہ دود و چراغ ہی نہ حکایت لالہ و داغ بلکہ اُس دُنیا کا مرقع تخئیل ہی جسے سرزمین عمل کہتے ہیں، اور جس کی ہر ادا بدنصیب مشرقیوں کیلیئے قابل تقلید۔ جو لوگ ماہ نخشب کی کہانی کا خندۂ زیر لب سے خیر مقدم کرتے تھے آج وہی زمین سے مریخ تک پرواز کرنے والے راکٹ جہاز پر ایمان لانے کے لیئے تیار ہیں کل خرق و التیام کے نظریہ پر جنھیں ہنسی آتی تھی وہی آج کرۂ ہوا سے نکل کر بغیر تیل یا پٹرول کی امداد کے طیاروں کو کشش ثقل کے دوش بہ محو پرواز کر رہے ہیں ۱۸۶۵ء میں "جولیس ورن" نامی ایک ماہر سائینس نے انسان کو توپ کے گولہ کے اندر رکھ کر چاند تک پہونچانے کی کوشش کی تھی۔ اب بھی جرمنی میں اس مقصد کی تکمیل کیلیئے راکٹ جہاز کی تعمیر کا سلسلہ جاری ہی۔

مادی عروج کی یہ ندرت آرائی چشم فلک کے لیئے سُرمۂ عبرت ہی کہ جو بات تخئیل کی دُنیا میں مضحکہ خیز سمجھی جاتی ہو وہی کامران قوموں کے لیئے سرمایۂ ایقان بن جاتی ہی۔ سچ کہیئے اگر آج ہم حضرت انسان کے مستقبل کے متعلق یہ خیال آرائی کرتے کہ دس لاکھ برس بعد اس کا قد دس فیٹ ہو جائے گا، سر مہیب گنبد بن جائے گا بال۔ دانت، کان سب غائب ہو جائینگے اس نقطۂ کمال پر پہونچنے کے بعد زوال شروع ہوگا اور بالآخر اس کی جگہ مہیب اور خوفناک کیڑے لے لیں گے ان کیڑوں کے بعد ایک عجیب و غریب مخلوق کا دور ہوگا، جس پر بمشکل جاندار کا اطلاق ہو سکے گا۔ انسان کے خاتمہ کے بعد بھی عرصہ تک مصنوعی انسان اور مشینیں دُنیا میں باقی رہیں گی۔

اس ہرزہ سرائی پر کیا لوگ ہیں دیوانہ و مجنون نہ کہتے ماہر سائنس "ہربیپ" اس موضوع پر ایک مبسوط کتاب لکھتا ہی اور دانشوران فرنگ اس کے ہر ہر لفظ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ اہل مغرب نے دنیائے عمل میں قابلِ رشک اقدامات کیئے ہیں۔ لیکن جس طرح وہ عمل میں ہم سے بڑھے ہوئے ہیں یوں ہی تخیل و نظر میں بھی ہم اُن کی گرد کاروان تک نہیں پہونچ سکتے انسان کے ہر شعبہ زندگی کے متعلق ان کی رفعت تخیل کا یہی حال ہی۔ سب سے اہم مسئلہ جس پر عقلائے غرب نے طبع آزمائی کی ہی وہ حریتِ نسواں کا مسئلہ ہی۔ صنفی تعلقات اور جنسی روابط کا وسیع لٹریچر افراط و تفریط کا ایک حیرت انگیز مجموعہ ہی۔ اس کا شکوہ چاہے فطرت سے کیجئے چاہے قسمت سے لیکن یہ واقعہ ناقابل انکار ہی کہ قدرت نے عورت کو کمزور دل اور مرد کو شہ زور پیدا کیا ہی۔ شہ زور، کمزور کے ساتھ جو کرتا ہی صحیفۂ کائنات اس کا شاہد ہی۔ یقیناً مرد نے عورت کے مقابلہ میں اپنے غلبہ کا بیجا مصرف کیا لیکن نہ اس قدر جتنا کہ دوسری مخلوق میں پایا جاتا ہی۔ اس کا اصلی سبب وہ باطنی کشش تھی جس نے مغلوب کو غالب کا محبوب بنا دیا۔ باوجود مردوں کے ادعائے غلبہ و حکومت کے درحقیقت عورت ہی مردوں کے دلوں پر حکمرانی کرتی رہی جس وقت زمانہ صنفی کشمکش میں مبتلا تھا فاران کی چوٹیوں سے ایک روح پرور آواز کانوں میں آئی جس نے مردوں کے سر پر تاج دارائی بھی قائم رکھا اور عورت کو قید ستم سے آزاد بھی کر دیا۔ مردوں اور عورتوں کے دائرۂ عمل کی تشخیص کے بعد حریت نوعی میں اُن کو برابر کا شریک قرار دیا اور کہدیا هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ۔ مرد عورتوں کی چولی ہیں تو عورت مردوں کا دامن۔ جوشِ حریت میں یہ طلائی خطِ اعتدال نظروں سے اوجھل ہو گیا مغرب میں طبقۂ نسواں کا شوق آزادی اتنا بڑھا کہ مردوں کے لیئے وبالِ جان بن گیا ابھی گیسوئے دوست دوش سے نیچے نہیں اُترے کہ درازی شب ہجراں کا تصور قلب و جگر میں نشتر بن کر پیوست ہونے لگا۔ کل جن لبوں پر حریت نوازی کا پرجوش افسانہ تھا آج وہی سرگرم مذمت ہیں۔ عورت کو شکوہ ہی کہ میں مرد کی خدمت کے لیئے نہیں پیدا کی گئی ہوں۔ مرد کو گلہ ہی کہ نظام خانہ داری منقلب ہو گیا۔ تریاہٹ کہ دل بہلانے کے لیئے مردوں سے بہتر مشغلہ ہاتھ آسکتا ہی۔ مردوں کا پیچ و تاب کہ ان ڈسنے والی ناگنوں سے کنارہ کش رہ کر تنہائی کی زندگی بسر کرینگے۔ الغرض ایک سیل مصیبت ہی کہ صد طوفاں در بغل ایک بادۂ محبت ہی کہ صد بیابانِ دوش ۶ نہ گنجد بہ صراحی و صراحی بہ بغل۔ اگر مردوں نے ایک سے زیادہ عورتوں کو بیکوقت سرمایۂ نشاط بنانے کی کوشش کی تو عورتوں نے بھی صبح و شام کے شوہر منتخب کر لیئے بہرحال جو ہونا تھا وہ ہوا اور جو ہونا ہی وہ ہوگا لیکن مغرب زدہ ہندوستانیوں کے انتباہ کے لیئے اس بات کی ضرورت ہی کہ اس عہدِ ابتلا کا دلکش لٹریچر اُن کی نگاہوں کے سامنے آجائے موجودہ تالیف اس سعی مشکور یا نامشکور کا دیباچہ ہی۔ خشکی کا شکوہ بے سود ہوگا اس لیئے کہ تجریدی بحث ہی، تر فواکہات سے لذت اندوز ہونے کے بعد اس رطب خشک کا بھی ذائقہ چکھ لیجیئے۔ دیکھیئے تو کہ یوسپ کا خوانِ کرم کیسے کیسے

اشعارِ شیریں پیش کر رہا ہے۔

اس موضوع پر سب سے زیادہ دلچسپ تصنیف پروفیسر لسٹیر ایف وارڈ کی ہے جس کا نام ہے "پیور سیکالوجی" (خالص نفسیات) جس میں دو متضاد نظریے پیش کیے گئے ہیں۔ ایک جینکوسنٹرک نظریہ کہلاتا ہے اور دوسرا اینڈرکو سنٹرک نظریہ۔ پہلے نظریہ کا مقصود یہ ہے کہ درحقیقت عورت نمونہ نوعی ہے اور مرد نمونہ جنسی یعنی انسانیت کا معیارِ حقیقی نسائیت ہے مرورِ ایام کے ساتھ یہ معیار دبتا گیا اور جنسی معیار نوعی معیار پر غالب آگیا۔

دوسرا نظریہ جو موضوع کتاب ہے وہ اس کا عکس ہے یعنی نوعی معیار مرد (؟) کا ہے۔ اور اس معیار نے کارگاہِ ہستی میں عزت حاصل کر کے جہاں تک ممکن ہوا ہر چیز کو اپنے رنگ میں رنگ دیا۔

پہلے نظریہ کا مقصود یہ ہے کہ تانیث مذکروں کی سرخیل ہے اور دوسرا نظریہ بتلاتا ہے کہ مذکر تانیت کا سرتاج ہے۔

قصہ مختصر یہ نہ دیکھیئے کہ کس نے لکھا ہے، بلکہ یہ دیکھیئے کہ کیا لکھا ہے شانہ و کاکل کی حکایت اس سے زیادہ لذیذ نہیں ہو سکتی۔ ترجمہ ہے اور ترجمہ میں جو مصیبت پیش آتی ہے اُس کا احساس ترجمہ کرنے والے ہی خوب کر سکتے ہیں۔ میں نے اس بات کا لحاظ رکھا ہے کہ دوسروں کی تخئیل پیش کرتے ہوئے نہنگِ بحرِ شجاعت کا ترجمہ کرو کو ڈائل آف دی اوشن آف بریوری کے اصول پر نہ کروں کہیں کہیں مجبوراً خود بھی اظہارِ خیال کی جسارت کی ہے۔

بہرحال یہ مرد سازدنیا اربابِ نظر کے ملاحظہ کے قابل ہے یہ چارلٹ پرکنس گلمان کے خیالات ہیں جن کو اُردو کا جامہ پہنا کر ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔ گلمان نے مسٹر وارڈ کی خوشہ چینی کی ہے اور یہ گلمان کی بہارِ تخئیل کی گل چینی ہے

ص

کر کمالِ ناداں طوافِ شمع سے آزاد ہو
اپنی فطرت کے تجلی زار میں آباد ہو

تسکین

رئیس الشعراء حضرت رزم رودولوی افضلہ

(۱) اعمال کا روح پر اثر ہے کہ نہیں
تہہ میں ڈوبی ہوئی نظر ہے کہ نہیں
گنگا میں نہا کے پاک ہونے والے
کچھ دل کے بھی میل کی خبر ہے کہ نہیں

(۲) سرگرمی خامشی سے دل بھُنتے ہیں
دھن کے پکے مگر نہیں سُنتے ہیں
ہم دل کی کہانی اپنے دل سے کہکر
دُنیا سولی ہے رزم سر دھُنتے ہیں

(۳) آیا تو نسیمِ سحری کی صورت
چمکا تو ضیاء قمری کی صورت
کیا جانیے پھیلتا کہاں تک سلام
رہتی جو نظامِ حیدری کی صورت

معیار المنافقین

(اثر خامہ گوہر فشاں عالیجناب فضائل مآب نواب شیخ احمد حسین صاحب خان بہادر
(او بی ای تعلقہ دار پریانواں زاد فضلہ)

(۷۸۶)

نحمدہ اللہ علی جودہٖ ونصلی علی رسولہ محمد و آلہٖ

مومن بنام حیدر کرار عاشق است
دارد از و چو بغض کسے او منافق است

تفسیر در منثور سیوطی میں ابن مسعود سے مروی ہو کہ

ماکنا نعرف المنافقین علیٰ عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا ببغضھم علی بن ابیطالب

ہم لوگ جناب رسول خدا کے زمانے میں منافقین کو بجز اس علامت کے نہ پہچانتے تھے کہ وہ علی بن ابی طالب سے بغض رکھتے ہوں۔

اور سنن ابن ماجہ میں حضرت علی سے مروی ہو کہ

عھد الی النبی الاُمّی صلعم ان لایحبنی الا مومن ولا یبغضنی الا منافق۔

نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے عہد فرمایا ہو کہ نہ دوست رکھیگا مجھے سوا مومن کے اور نہ بغض رکھے گا مجھ سے سوا منافق کے۔

اور جامع ترمذی میں ابوسعید خدری سے مروی ہو کہ

ان کُنّا لنعرف المنافقین نحن معاشر الانصار ببغضھم علی بن ابیطالب۔

ہم انصار لوگ منافقوں کو اس علامت سے شناخت کرتے تھے کہ وہ علی بن ابی طالب سے بغض رکھتے ہوں

نیز جامع ترمذی میں حضرت ام سلمہ سے مروی ہو کہ

کان رسول اللہ صلعم یقول لایحبّ علیاً منافق ولا یبغضہ مومن

فرمایا جناب رسول خدا نے کہ علی کو دوست نہیں رکھتا کوئی منافق اور علی سے بغض نہیں رکھتا کوئی مومن۔

اور کتاب المناقب احمد بن حنبل میں مطلب بن عبد اللہ بن حنطب سے مروی ہے کہ

قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یا ایہا الناس اوصیکم بحب اخی وابن عمی علی ابن ابی طالب فانہ لا یحبہ الا مومن و لا یبغضہ الا منافق

فرمایا جناب رسالتمآب نے کہ ایہا الناس میں تمکو اپنے بھائی اور ابن عم علی بن ابی طالب سے محبت رکھنے کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ علی کو مومن کے سوا کوئی دوست نہیں رکھتا اور علی سے منافق کے سوا کوئی بغض نہیں رکھتا۔

نیز کتاب موصوف میں ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ

انما کنا نعرف منافقی الانصار ببغضہم علیا۔

ہم لوگ منافقین انصار کو اس علامت سے پہچان لیتے تھے کہ ان کو علی کے ساتھ بغض ہو۔

اور مستدرک حاکم میں ابو ذر سے مروی ہے کہ

ما کنا نعرف المنافقین الا بتکذیبہم اللہ ورسولہ والبغض لعلی بن ابیطالب

ہم لوگ منافقین کو ان علامتوں سے پہچانتے تھے کہ وہ تکذیب کرتے ہوں خدا اور رسول کی اور بغض رکھتے ہوں علی بن ابی طالب سے۔

اور کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب بن عبد البر میں ہے کہ

روی طائفۃ من الصحابۃ ان رسول اللہ صلعم قال لعلی رضی اللہ عنہ لا یحبک الا مومن و لا یبغضک الا منافق۔

صحابہ رسول کی ایک جماعت نے روایت کی ہے کہ جناب رسول مقبول نے حضرت علی سے فرمایا کہ نہیں دوست رکھے گا تم کو مگر مومن اور نہیں بغض رکھے گا تم سے مگر منافق۔

اور خصائص نسائی میں حضرت علی سے مروی ہے کہ

عہد الی النبی صلعم انہ لا یحبنی الا مومن ولا یبغضنی الا منافق

جناب رسالتمآب نے مجھ سے یہ عہد کیا ہے کہ نہ دوست رکھیگا مجھے سوا مومن کے اور نہ بغض رکھیگا مجھ سے سوا منافق کے۔

اور صحیح مسلم و مسند حمیدی و مسند احمد حنبل و خصائص نسائی و صحیح ابن حبان و نیز مشکوٰۃ میں زر بن حبیش وغیرہ سے مروی ہے کہ

قال علی والذی فلق الحبۃ وبرا النسمۃ انہ لعہد النبی الامی صلعم الی ان لا یحبنی الا مومن و لا یبغضنی الا منافق۔

فرمایا حضرت علی نے قسم ہے اس [illegible] کی جس نے دانہ کو شگافتہ کیا اور روح کو پیدا کیا جناب رسالتمآب نے بہت اقرار فرمایا ہے کہ مومن ہی مجھسے محبت رکھے گا اور منافق ہی مجھ سے بغض رکھیگا۔

(باقی آئندہ)

جناب سرپرست
رسالہ اسلامی دُنیا کا سفر محمود آباد وغیرہ

(گزشتہ سے پیوستہ)

(از منشی حسن افضل صاحب بدر)

الذین امنوا سے جہاں مومنین مخلصین مُراد لیئے جاسکتے ہیں وہاں اس کے دامن میں اُن لوگوں کو بھی پناہ مل سکتی ہو جو وجود باری تعالےٰ کے قائل اور اُس کی اطاعت کو واجب جانتے ہیں۔ اب اس آیت کو اگر اُن دونوں آیتوں کے ساتھ ساتھ پڑھا جائے جن کا ذکر ہو چکا تو ہر بے تعصب انسان یہ ماننے کے واسطے آمادہ ہوگا کہ اسلام کے متعلق جو غلط فہمی ہو وہ دور ہونا چاہئے کسی خاص قوم یا اہل ملک کا مذہب نہیں ہو نہ یہ کوئی جدید مذہب ہو بلکہ ساری مخلوق الٰہی مسلم ہونے کی مدعی ہوسکتی ہو اور ہر مسلم پر فرض ہو کہ وہ مومن بنے جب ہم دیکھتے ہیں کہ معمولی حکومت و اقتدار رکھنے والے انسان چاہتے ہیں کہ اُن کے احکام کی خلاف ورزی اُن کے زیر دست نہ کریں۔ تو پھر خالق عالم اگر یہ اعلان کرے کہ "ان الدین عند اللہ الاسلام" یا "ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاخرۃ من الخاسرین" تو اس میں کونسی قباحت لازم آتی ہو۔ وہ مالک ہو خالق ہو رب ہو وہ چاہتا ہو کہ اُسکی ساری مخلوق اُس کے حکم سے سرتابی نہ کرے۔ اُس کے اشارے پر چلے اور اُس کی مسلم ہو کر رہے اور مسلم مرے۔ یہ ہو اسلام اور یہ ہر صاحب فہم انسان کا مذہب ہو اور ہونا چاہیئے۔ ہم کو اُمید کرنا چاہیئے کہ اس تشریح اور تعریف کے بعد کسی غیر مسلم کو اسلام سے آئندہ وحشت نہ ہوگی اور ہرگز مخالفت اسلام کی جرات نہ کی جائیگی۔

اسلام کب سے ہی اور کب تک رہیگا؟ اس سوال کا جواب صرف اس قدر ہوسکتا ہو کہ کب نہ تھا اور کب وہ وقت آنا ممکن ہو کہ مخلوق ہوگی اور اسلام نہ ہوگا جب اسلام کے معنی اطاعت اور فرماں برداری کی ہیں تو کون سمجھدار انسان یہ کہہ سکتا ہو کہ وہ خدا کو مانتے ہوئے اُس کا حکم نہ مانے گا۔ اگر تعمیل حکم کے واسطے آمادہ ہو تو مسلم اگر سرکشی پر آمادہ ہو تو چاہے وہ اپنے آپ کو غیر مسلم کہے لیکن قرآن مجید کی تعلیم کے بموجب وہ بھی مسلم ہو مسلم دو قسم کے ہیں ایک وہ مسلم جو برضا و رغبت حکم کی تعمیل کرے دوسرا وہ جو بدرجہ مجبوری بجبر و اکراہ تعمیل کرے "ولہ اسلم من فی السموات والارض طوعا وکرھا والیہ یرجعون (آل عمران)" اور اُس کے حکم کے آگے سر جھکانے والی ہر مخلوق میں

زمین و آسمان ہے۔ برضا و رغبت یا بہ کراہت اور اسی کی طرف سب کی بازگشت ہونے والی ہے۔

قرآنمجید میں فرعون ایسے سرکش اور مدعی خدائی انسان کا اقرار اسلام مذکور ہے لیکن ایسا اسلام بہ کراہت کی تعریف میں آتا ہے اور قابل قبول نہیں" وَجَاوَزْنَا بِبَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ الْبَحْرَ فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُ بَغْيًا وَعَدْوًا حَتَّىٰٓ إِذَآ أَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ آمَنتُ أَنَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا الَّذِيٓ آمَنَتْ بِهِ بَنُوٓا إِسْرَآءِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ (یونس ۹۰)

اب ہم کو یہ دکھانا ہے کہ اسلام کب سے ہے، تمام پابندان مذہب بنی نوع انسان کا سلسلہ کسی ایک انسان سے تسلیم کرتے ہیں جس کے مختلف نام بتائے جاتے ہیں اکثر مذاہب نے اُس انسان اول کو آدم تسلیم کیا ہے لہذا حضرت آدم کو اول بشر ماننے والوں کا فرض ہے کہ وہ یہ پتہ چلائیں کہ اُن کا مذہب کیا تھا۔ عیسائی حضرات یہود۔ کلمہ گویان حضرت صمی مرتبت۔ اور بعض دوسری حضرات کا اس بارہ میں اتفاق ہے کہ یہ پہلے انسان تھے جو بغیر ماں باپ کے خلق کیے گئے۔ کیا عیسائی یہ کہنے کی جرات کرسکتے ہیں کہ حضرت آدم عیسائی تھے؟ ہرگز نہیں۔ یہود کہہ سکتے ہیں کہ وہ موسائی تھے؟ ہرگز نہیں۔ کوئی اور دوسرے مذہب والا کہہ سکتا ہے کہ وہ اس مذہب کے پیرو تھے جس کا وہ خود پیرو ہے۔ حاشا و کلا!!! پھر دُنیا بھر میں کون پابند مذہب ہے جو اول بشر کا مذہب بتائے اور وہ قرین عقل بھی ہو اور بیان کرنیوالا خود بھی اُس مذہب کا ماننے والا ہو۔

یہ فخر اگر دنیا بھر میں کسی کو حاصل ہے تو صرف اسلام اور اُس کے ماننے والے ہر مسلم کو کہ وہ ببانگ دہل کہے کہ اول بشر کا مذہب بھی اسلام تھا اور آج اُس کو مسلم ماننے والا خود بھی دعویدار اسلام ہے۔ قرآنمجید نے حضرت آدم ہی کا نہیں بلکہ تمام انبیا کا مذہب بیان کیا اور اس لیئے اس آسمانی صحیفہ کا احسان تمام مذاہب عالم پر ہے۔ توریت و انجیل حضرت موسیٰ و حضرت عیسےٰ کا مذہب بتانے سے عاجز اور قرآن جہاں ان مقدس ہستیوں کا مذہب بتانے کے واسطے آمادہ ہے وہاں سرخیل انبیا۔ فخر آدم و عالم حضرت سید المرسلین کا بھی مذہب بیان کرتا ہے۔

"انّ اللہ اصطفٰے آدم و نوحا و آل ابراہیم و آل عمران علی العالمین (آل عمران ۳) اللہ نے برگزیدہ کیا آدم۔ نوح۔ آل ابراہیم۔ اور آل عمران کو عالمین پر۔ اس آیت نے حضرت ابوالبشر کا مذہب تو بتایا لیکن غالباً عام فہم نہیں ہوا۔ یعنی حضرت آدم کا مذہب "تھا مصطفےٰ ہونا"۔ اس سے یہ پتہ چلا کہ وہ مسلم تھے کسی دوسرے مذہب کے پابند تھے اس لیئے جناب نوح سے ہم دریافت کریں گے کہ اُن کا کیا مذہب ہے۔ دُنیا بھر میں کوئی کتاب سوائے کلام مجید فرقانِ حمید کے انبیا کا مذہب نہیں بتاتی۔ اس لئے قرآن مجید ہی سے صرف نوحؑ کا مذہب دریافت ہوسکتا ہے۔ فان تولیتم فما سألتکم من اجر ان اجری الا علی اللہ و امرت ان اکون من المسلمین (یونس ۷۲) پس اگر تم برگشتہ ہوگئے (تو تم کو اختیار ہے) میں تم سے

کسی چیز کا طالب کا نہیں ہوں میرا اجر میرے اللہ پر ہو اور مجھے حکم دیا گیا ہو کہ میں بھی مسلمین میں سے ایک ہوں۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہوا کہ حضرت نوح کا مذہب اسلام تھا اور وہ مسلم تھے۔ صرف یہی ظاہر نہ ہوا بلکہ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت نوح کے علاوہ اور بھی گروہ مسلمین کے افراد ہیں۔ اس آیت ان اللہ اصطفٰی آدم و نوحاً پر غور کرنے کے بعد معلوم ہو سکتا ہو کہ جب آدم مسلم تھے اور مصطفٰی بھی تھے تو خدا کا مصطفٰی صرف وہی ہو سکتا ہو جو اس کے نزدیک مسلم ہو لہذا حضرت آدم کا مسلم ثابت ہوئے۔

حضرت ابراہیم و اسمٰعیل کا اسلام "ربنا واجعلنا مسلمین لک" سے ثابت ہو اور حضرت موسیٰ کا اسلام ان کنتم اٰمنتم باللہ فعلیہ توکلوا ان کنتم مسلمین سے نمایاں ہو حضرت عیسیٰ کے اسلام کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیت فلما احس عیسیٰ منھم الکفر قال من انصاری الی اللہ قال الحواریون نحن انصار اللہ اٰمنا باللہ واشھد بانا مسلمون (آل عمران ۴۵)

کافی ہو۔ حضرت ختمی مرتبت کا مذہب قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا ہو "قل ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین لا شریک لہ وبذالک امرت وانا اول المسلمین (الانعام ۱۶۳) (اے رسول) کہدو کہ میری نماز اور میری قربانی یا میرا روزہ اور میری زندگی اور میری موت سب کی سب اللہ رب العلمین کے واسطے ہو۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہو۔ اس نے مجھے اسی بات پر مامور فرمایا ہو اور میں سب سے پہلا مسلم ہوں۔

غالباً اسی آیت سے غیر مسلم حضرات اسلام کی ابتدا آنحضرتؐ کی بعثت کے بعد سے یا نزول قرآن مجید کے بعد سے سمجھتے ہیں لیکن ہم اُن کو قرآن مجید ہی سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ علاوہ آیات مذکورہ کے جناب ختمی مرتبتؐ اول المسلمین بھی ہیں اور اسلام جدید مذہب بھی نہیں ہو۔ تمام انبیا اسی مذہب کے پیرو تھے۔

حضرت آدم ابوالبشر بعض مذاہب عالم کے معتقدین کے عقیدہ کے بموجب پہلے انسان ہیں جو خالق عالم نے بغیر ماں باپ کے پیدا کیے اور اُن سے سلسلہ نوع بشر جاری ہوا ان کی پیدایش کی تفصیل مختلف کتب سماویہ میں تقریباً یکساں ہو۔

قرآن مجید میں ان حضرت ابوالبشر کی پیدایش کی کیفیت یوں درج ہو:

اذ قال ربک للملٰئکۃ انی خالق بشراً من طین فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین فسجد الملٰئکۃ کلھم اجمعون الا ابلیس۔ استکبر وکان من الکافرین۔ قال یا ابلیس ما منعک ان تسجد لما خلقت بیدی استکبرت ام کنت من العالین قال انا خیر منہ خلقتنی من نار وخلقتہ من طین الایہ" جبکہ تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں جب میں اُس کو درست کر لوں اور اُس میں اپنی روح میں سے دم کر لوں تو تم سب کے سب سجدے میں گر پڑنا۔ تمام فرشتے فوراً سر بسجدہ ہو گئے

صرف ایک ابلیس باقی رہا جس نے غرور کیا اور کافر ہوگیا خداوندِ عالم نے فرمایا۔ اے ابلیس جس کو میں نے اپنے (قدرت) کے ہاتھوں سے بنایا ہو اس کو سجدہ کرنے سے تجھے کس شے نے باز رکھا تو مغرور ہوگیا ہو یا تو ان لوگوں میں سے ہو جو علو مرتبت رکھتے ہیں۔ ابلیس نے جواب دیا کہ میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہو اور اس کو خاک سے بنایا ہو الخ (ص - ۷۱ - ۷۷)

مندرجہ بالا آیات سے حضرت آدم کا مذہب گو نہ معلوم ہوا لیکن یہ ضرور پتہ چل گیا کہ حکم خدا کی تعمیل کرنے والے اور حکم کے آگے سر جھکا دینے والوں کا گروہ پیدایش آدم سے قبل بھی تھا۔ ملائکہ کا گروہ گروہ مسلمین ثابت ہوا اور صرف یہی نہیں بلکہ اس مقدس گروہ سے قبل ایک اور معزز گروہ کا پتہ لگا جس کو قدرت نے العالین کا لقب مرحمت فرمایا ہی۔ یہ گروہ کونسا گروہ ہی اور اس کا مذہب کیا ہی اگر قرآن مجید نے اس کا پتہ بتا دیا تو پھر اسلام کی صحیح تاریخ دنیا کے سامنے پیش ہوسکے گی۔

جس مقدس ہستی نے اول المسلمین ہونے کا دعوے کیا ہی اُسی نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہی اوّل مَاخلق اللہ نوری۔ سب سے پہلے جو چیز خدا نے خلق کی وہ میرا نور تھا۔ یہ حدیث شریف مسلمانوں کی حدیث کی متعدد کتابوں میں درج ہی لیکن آج تک کسی غیر مسلم کو یہ جرات نہ ہوئی کہ اس کی صحت پر شبہ کرسکے۔ سیل صاحب جو اپنی اسلام نوازی کے باعث اسلامی دنیا میں کافی روشناس ہو چکے ہیں وہ بھی یہ تہمت کرتے نظر نہیں آتے اس لیئے اب ہم اس حدیث مبارک کو قرآن مجید کی آیت سے ملاکر پڑھتے ہیں نتیجہ یہ نکلتا ہو کہ حضور ہی اوّل مخلوق ہیں اور حضور ہی اوّل العالمین یعنی بلند مرتبہ حضرات ہیں کو قدرت نے اس آیۃ میں یاد فرمایا ہو کہ یہ پیدایش آدم سے قبل موجود تھے اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اُس مقدس گروہ کے رئیس اور سردار تھے حضرت برنابا:

حواریون حضرت عیسٰی میں ایک ممتاز درجہ رکھتے تھے اُنھوں نے ایک نسخہ انجیل کا مدون کیا تھا جو آج بھی انجیل برنابا کے نام سے موسوم ہو سیل صاحب نے اس انجیل کے اس نسخہ کو غیر محرف تسلیم کیا ہو جو اطالوی زبان میں ہو اور جو قدیم الایام کی ایک یادگار ہو اور شاہزادہ سیورائی کے کتب خانہ میں محفوظ ہو۔ وہ فرماتے ہیں۔

But we having at a gospel of sain Barnabo in Italian lang-tage great entiquity which is preserved in the library of the prince of Savoy. This gospel has excepted the for geries of the Mahomedan."

سینٹ برنابا کے اس نسخہ انجیل کا ایک نہایت مستند ترجمہ ایران میں شایع ہوا ہو جس میں اس اصل نسخہ اطالوی

کے دو صفحوں کا فوٹوگراف دیا گیا ہے اس انجیل میں پیدائش آدم و عالم کے سلسلہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ بیان قابل توجہ ہے "حضرت یسوع اورشلیم سے باہر نکلے اور پشت اور بن جنگل میں چلے گئے۔ شاگرد جو اُن حضرت کے گرد جمع تھے اُنھوں نے پوچھا کہ اے معلم یہ تو ارشاد ہو کہ شیطان کس طرح غرور میں مبتلا ہوا۔ اس لیے کہ ہم جانتے ہیں کہ اُس نے نافرمانی کی تھی اور انسان کو ہمیشہ بدی پر آمادہ کرنے کا بیڑا اُٹھایا تھا۔ یسوع نے جواب دیا کہ چونکہ خدائے تعالےٰ نے ایک مشت خاک کو پیدا کیا اور اُس کو ۲۵ ہزار سال تک ایک ہی حالت پر رکھا شیطان جو کاہن اور فرشتوں کا رئیس تھا اپنی عقل کی وجہ سے سمجھا کہ عنقریب خدائے تعالیٰ اس مشت خاک سے ...۱۴۴ ہزار نشان شدہ حضرات کو پیغمبری کے درجہ پر فائز کرے اور رسول اللہ کو جن کی روح کو تمام مخلوق سے ساٹھ ہزار سال قبل پیدا کیا تھا ..." (انجیل برنابا فصل ۳۵ (ب) آیت ۱—۸)

(باقی آئندہ)

سپہر امامت کے بارہ بروج

(از قلم حقیقت رقم جناب عالیجناب نواب شیخ احمد حسین صاحب خان بہادر او۔ بی ای تعلقدار)
(رئیس پریانواں ضلع پرتاب گڑھ)

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

فاتحۃ الکتاب

آفتاب رسالت طلوع ہو چکا تھا لیکن ابھی اسکی ہدایت افروز شعاعیں حرا سے بیت الشرف ابوطالب ہی تک ضیا گستر تھیں اور خدا کا رسول مصالح ایزدی کے مطابق ہنوز مخفی طور پر دعوت اسلام میں مصروف تھا ناگہاں اُس برگزیدہ بارگاہ صمدیت کو یہ الہام ہوا کہ

انذر عشیرتک الاقربین

واخفض جناحک لمن اتبعک من المومنین

(اے رسول تم اپنے قرابتداروں کو عذاب الہٰی سے ڈراؤ اور جو مومنین تمھارے پیرو ہوں اُن سے بتواضع پیش آؤ)

اس آیۂ کریمہ کے نازل ہونے پر خدا کے حبیب نے اپنے تربیت کردہ بھائی علی بن ابی طالب سے فرمایا کہ اے

علی مجھے حکم ہوا ہی کہ اپنے قرابتداروں کو ڈراؤں اور تلقین اسلام کروں لہذا تم سامان ضیافت مُہیا کرکے بنی عبدالمطلب کو جمع کرو تاکہ میں حکم الٰہی پہونچا دوں حضرت علی نے ارشاد نبوی کے مطابق سامان ضیافت مہیا کرکے بنی عبدالمطلب کو (جو تقریباً چالیس مرد تھے) جمع کیا اور جب وہ لوگ آسودگی کے ساتھ کھا پی چکے تو رسول مقبول نے اُن سے مخاطب ہو کر تقریر پُر تنویر فرمائی کہ

یا بنی عبد المطلب انی قد جئتکم بخیر الدنیا والاخرۃ وقد امرنی اللہ ان ادعوکم الیہ فایکم یوازرنی علی ہذا الامر ویکون اخی ووصیی وخلیفتی فیکم فاحجم القوم عنہا جمیعا۔

(یعنی) اے بنی عبدالمطلب میں تمھارے پاس دنیا و آخرت کی بہتری لایا ہوں اور خدا نے مجھے حکم دیا ہی کہ تمھیں اس کی طرف بُلاؤں پس تم میں کون ایسا ہی جو اس باب میں میری مدد کرے اور کار تبلیغ میں میرا بھائی میرا وصی اور میرا خلیفہ ہو۔ آنحضرتؐ کا یہ کلام بلاغت نظام سُن کر کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔ اس حقارت آمیز خاموشی کا عالم دیکھ کر حضرت علی نے ادب کے ساتھ عرض کیا کہ یا نبی اللہ انا وزیرک علیہ قال فاخذ برقبتی فقال ان ہذا اخی و وصیی وخلیفتی فیکم فاسمعوا لہ واطیعوا فقام القوم یضحکون ویقولون لابی طالب قد امرک ان تسمع لعلی وتطیع (یعنی) علی نے کہا کہ یا رسول اللہ میں کار تبلیغ میں آپ کی مدد کرنے اور آپ کا ہاتھ بٹانے کو حاضر ہوں یہ سُن کر جناب رسالت مآب نے حضرت علیؑ کی گردن پر دستِ شفقت رکھا اور فرمایا کہ اے افراد قوم دیکھو یہ میرا بھائی میرا وصی اور تم میں میرا خلیفہ ہی تم لوگ اس کا حکم سُنو اور اس کی اطاعت کرو۔ آنحضرت کی یہ تقریر سنتے ہی لوگ قہقہہ لگا کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور ابوطالب سے کہنے لگے کہ سُنو تمھیں حکم دیا گیا ہی کہ اپنے بیٹے علیؑ کی اطاعت کرو۔

واضح ہو کہ اس واقعہ کا ذکر صرف کتب معتبرہ اسلامیہ تک محدود نہیں ہی بلکہ اس کو مسیحی مورخین نے بھی ذاتی تحقیق و تدقیق کے مطابق اپنی تالیفات مشہورہ میں بیان کیا ہے چنانچہ مسٹر کارلائل اپنی کتاب ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ کے لکچر دوم میں لکھتے ہیں کہ۔

لہ تفسیر ثعلبی و مغازی ابن اسحق و تفسیر ابن ابی حاتم و تفسیر کبیر حافظ ابن جریر و تہذیب الآثار حافظ ابن جریر و تفسیر معالم التنزیل محی السنہ بغوی و تفسیر سراج المنیر خطیب شربینی و تفسیر لباب التاویل خازن بغدادی و دلائل النبوۃ بیہقی و تاریخ کامل ابن اثیر جزری و تاریخ ابوالفدا۔

ٹہ ،، ،، ،، ،، ،، ،، ،، ،، ،، ،, ،، ،، ،، ،، ،، ،، ،، ،،

(حاصل ترجمہ)

بنی عبدالمطلب کے لوگوں کو ایک ادھیڑ اور پڑھے آدمی اور ایک سولہ برس کے لڑکے کا یہ فیصلہ کہ وہ مل کر دُنیا کے خلاف کوشش عمل میں لائیں گے ایک مضحکہ خیز بات معلوم ہوئی جس پر وہ مجمع قہقہہ لگا کر منتشر ہو گیا لیکن بعد میں ثابت ہوا کہ یہ ہنسی کی بات نہ تھی بلکہ بالکل ٹھیک اور درست تھی کیونکہ نوجوان علیؑ ایسا شخص ضرور تھا کہ جس کو ہر متنفس خواہ مخواہ پسند کرے چنانچہ علی سے ہمیشہ جو باتیں ظہور میں آئیں اُن سے معلوم ہو گیا کہ وہ ایک صاحب اخلاق فاضلہ اور محبت سے بھرا ہوا ایسا بہادر شخص تھا جس کی تیز و تند جرات کے سامنے کوئی چیز ٹھہر نہیں سکتی تھی۔ اس شخص کی طبیعت میں عجیب طرح کی جوانمردی تھی یعنی مثل شیر کے تو بہادر تھا مگر مزاج میں ایسی نرمی رحم دلی اور سچائی تھی جو ایک کریچین نائٹ کے لیئے شایاں ہو سکتی ہے۔

اور مسٹر گبن اپنی کتاب ڈکلاین آف رومن امپائر میں لکھتے ہیں کہ

(حاصل ترجمہ)

محمد (صلعم) نے (بعثت کے) چوتھے برس بالاعلان دعوت رسالت شروع کی اور تصدیق وحدانیت کا نور پھیلانے کی غرض سے بنی ہاشم کے چالیس آدمیوں کو ضیافت پر مدعو کیا بعد ازاں اُن کی جانب مخاطب ہو کر کہا کہ اے دوستو اے عزیزو میں تم لوگوں کے لیئے دُنیا اور آخرت کی نیکیاں لایا ہوں جس کو میرے سوا دوسرا نہیں دے سکتا۔ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم لوگوں کو اُس کی عبادت کی طرف بلاؤں پس تم میں سے کوئی شخص اس کام میں میرا رفیق اور وزیر ہوگا۔ اس بات کا کسی نے جواب نہ دیا حتی کہ وہ حقارت اور شک اور تعجب بھری خاموشی علی کی جرأت سے دفع ہوئی جو ایک چہاردہ سالہ جوان تھے چنانچہ اُنھوں نے عرض کیا کہ اے نبی میں ہر طرح اس کام میں آپ کی رفاقت اور نصرت کے لیئے حاضر ہوں۔ میں آپ کے مخالفین کی آنکھیں نکال لونگا اُن کے دانت توڑ ڈالوں گا اور اُن کے پیٹ پھاڑ ڈالوں گا اے نبی میں آپ کی وزارت کے لیئے دل و جان سے حاضر ہوں۔ محمد (صلعم) نے علی کی التماس کو جوش مسرت کے ساتھ قبول فرمایا۔ اور حاضرین نے ابوطالب کو اپنے بیٹے کی اس اعلیٰ عزت پانے پر طنزیہ کلمات کہے۔

اور مسٹر ڈیونپورٹ اپنی کتاب اپالوجی فرام محمد اینڈ دی قرآن میں لکھتے ہیں کہ

(حاصل ترجمہ)

محمد (صلعم) نے مخالفین کی مخالفت سے خائف نہ ہو کر دوبارہ پھر اپنے قبیلے کے لوگوں کو جمع کیا اور ان کی پر تکلف ضیافت کے بعد اٹھ کر اپنی پُرجوش تقریر اس درخواست پر ختم کی کہ تم میں کون شخص اس بار گراں کے برداشت کرنے میں میری رفاقت کرے گا اور میرا نائب اور وزیر ہوگا جیسا کہ موسیٰ کے وزیر ہارون تھے یہ سُن کر کل مجمع تعجب انگیز سکوت میں آ گیا اور کسی کو اس خطرناک عہدہ وزارت کے قبول کرنے کی جرات نہ ہوئی لیکن نوجوان علیؑ نے اُٹھ کر اور للکار کر کہا کہ اے نبی میں تمھاری نیابت اور

وزارت کو بسر و چشم حاضر ہوں۔ یہ سُنکر محمدؐ (صلعم) نے اپنا ہاتھ علیؑ کے گلے میں ڈال کر اپنے سینے سے لگایا اور باواز بلند فرمایا کہ میرے بھائی اور میرے وزیر کو دیکھو چنانچہ محمد (صلعم) نے اپنے کام کو اس طرح آغاز کر کے عام طور سے مکے میں وعظ شروع کیا اور یوماً فیوماً اپنے معتقدین کی تعداد بڑھاتے گئے۔

(۲) مسٹر واشنگٹن اروِنگ اپنی کتاب محمد اینڈ ہز سکسیسرس میں لکھتے ہیں کہ

(حاصل ترجمہ)

حضرت محمد (صلعم) نے بنی ہاشم کی ایک جماعت کو مدعو کر کے جمع کیا اور بعد ضیافت کھڑے ہو کر باواز بلند فرمایا کہ اے بنی عبدالمطلب جس خدا نے تم کو بہترین نعمتیں عطا کی ہیں اُسی کی جانب سے میں دُنیا کی برکتیں اور آئندہ کی بہتری لایا ہوں پس تم میں سے کون شخص میرا بھائی میرا جانشین اور میرا وزیر ہوگا یہ سُنکر سب ساکت ہے بعض تو تعجب کرتے تھے اور بعض بے اعتقادی سے ہنستے تھے۔ آخرکار علی نے اپنی جوانانہ دلیری کے ساتھ عرض کیا کہ اے پیغمبر میں اس خدمت کے لئے حاضر ہوں محمد (صلعم) نے اپنا ہاتھ علی کی گردن میں ڈالا اور اُن کو اپنے سینے سے لگا کر باواز بلند فرمایا کہ میرے بھائی میرے وزیر اور میرے جانشین کو دیکھو اور ان کی بات سُنکر اطاعت کرو۔ نوجوان علی کی جرأت پر قریشیوں نے ایک حقارت آمیز قہقہہ لگایا اور اس کمسن خلیفہ کے باپ ابوطالب کو اپنے بیٹے کے آگے جھکنے اور اُس کی فرماں برداری کرنے پر ملامت کی۔ (انتہی)

اس روایت صحیحہ میں یہ امر بھی خاص طور سے لحاظ کے قابل ہے کہ رسول مقبول نے الفاظ "وصیی خلیفتی" کے ساتھ "اخی" کا لفظ ارشاد فرمایا ہے اس رشتے کا بھائی مراد نہیں ہو بلکہ ہمسر و ہمنشین یعنی شریک منزلت مراد ہے چنانچہ روایات مواخاۃ مصرحہ ذیل اس کی شاہد ہیں۔ مثلاً ارشاد الساری شرح صحیح البخاری للقسطلانی میں ہے کہ

آخی رسول اللہ صلعم بین ابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما وبین حمزۃ و زید بن حارثۃ رضی اللہ عنہما وبین عثمان وعبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما وبین الزبیر وابن مسعود رضی اللہ عنہما وبین عبیدۃ بن الحارث وبلال رضی اللہ عنہما وبین مصعب بن عمیر وسعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما وبین ابی عبیدۃ وسالم مولی ابی حذیفۃ رضی اللہ عنہما وبین سعید بن زید وطلحۃ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہما وبین علی ونفسہ صلعم (یعنی)

جناب رسالت مآب نے دو دو مہاجروں کے آپس میں رشتہ برادری قائم کرکے حضرت ابوبکر و حضرت عمر کو اور حضرت حمزہ و زید بن حارثہ کو اور حضرت عثمان و عبدالرحمن بن عوف کو اور زبیر بن العوام و ابن مسعود کو اور عبیدہ

بن الحارث وبلال کو اور مصعب بن عمیر وسعد
بن ابی وقاص کو اور ابوعبیدہ وسالم مولی ابی
حذیفہ کو اور سعد بن زید وطلحہ بن عبید اللہ کو باہم
بھائی بھائی قرار دیا اور اپنی اخوت کا شرف
آنحضرت نے علی بن ابی طالب کو عطا فرمایا۔

اور تاریخ ابوالفدا میں ہے کہ

اخی رسول اللہ (بالمدینۃ) فاتخذ
علی بن ابیطالب اخاہ وصار ابوبکر و
خارجۃ بن زید الانصاری اخوین
وابوعبیدۃ بن الجراح وسعد بن
معاذ الانصاری اخوین وعمر بن
الخطاب وعتبان بن مالک الانصاری
اخوین وعثمان بن عفان واوس بن
ثابت الانصاری اخوین وطلحۃ بن
عبید اللہ وکعب بن مالک الانصاری
اخوین وسعید بن زید وابی بن کعب
الانصاری اخوین (یعنی) جناب رسالتمآب نے
مابین مہاجرین وانصار (دو دو آدمیوں میں) رشتہ
برادرانہ قایم فرمایا تو حضرت علی کو اپنا بھائی قرار
دیا نیز حسب ہدایت نبوی حضرت ابوبکر خارجہ
بن زید انصاری کے بھائی اور ابوعبیدہ بن الجراح
سعد بن معاذ انصاری کے بھائی اور حضرت عمر
بن الخطاب عتبان بن مالک انصاری کے بھائی
اور حضرت عبدالرحمن بن عوف سعد بن ربیع انصاری
کے بھائی اور حضرت عثمان بن عفان اوس بن
ثابت انصاری کے بھائی اور طلحہ بن عبید اللہ
کعب بن مالک انصاری کے بھائی اور سعید
بن زید ابی بن کعب انصاری کے بھائی قرار
پائے۔

اور استیعاب ابن عبد البر میں ہے کہ

اخی رسول اللہ صلعم بین المہاجرین
ثم اخی بین المہاجرین والانصار و
قال فی کل واحدۃ منہما لعلی انت
اخی فی الدنیا والآخرۃ واخی بینہ
وبین نفسہ (یعنی) رسول مقبول نے
(بمقام مکہ) مہاجرین میں مواخاۃ فرمائی نیز مدینے
میں) مابین مہاجرین وانصار رشتۂ اخوت
قایم فرمایا اور دونوں موقعوں میں آنحضرت
نے اپنا بھائی علی بن ابی طالب کو قرار دے کر
ارشاد کیا کہ تم میرے بھائی ہو دنیا میں بھی اور
آخرت میں بھی۔

اور کتاب المناقب ابوالحسن المغازلی[1] الجلابی کتاب
المناقب احمد بن حنبل میں حذیفہ بن الیمان سے مروی

---

[1] صواعق محرقہ میں ہے کہ اخرج ابوالحسن المغازلی عن ابن عباس
رضی اللہ عنہ الخ اور کتاب الانساب سمعانی میں ہے الجلابی بضم
الجیم وتشدید اللام والمشہور بھذہ النسبۃ ابوالحسن
علی بن محمد بن الطیب الجلابی المعروف بابن المغازلی
من اہل واسط العراق کان فاضلاً عارفاً برجال
واسط وحدیثہم وکان حریصاً علی سماع الحدیث وطلبہ

ہے کہ

آخی رسول اللہ صلعم بین المہاجرین والانصار وکان یواخی بین الرجل ونظیرہ ثم اخذ بید علی بن ابیطالب وقال ھذا اخی۔ قال حذیفۃ فرسول اللہ سید المرسلین و امام المتقین الذی لیس لہ شبہ ولا نظیر و علی اخوہ (یعنی) جناب رسول خدا نے مہاجرین و انصار میں عقد مواخاۃ منعقد فرمایا اور ہر مہاجر کو ایک ایسے انصاری کا بھائی بنایا جو اس کا نظیر ہو بعد ازاں علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ یہ میرا بھائی ہے۔ حذیفہ کہتے ہیں کہ پس رسول اللہ سید المرسلین و امام المتقین ہیں جن کا مثل و نظیر نہیں اور علی اُن کے بھائی ہیں۔

سبحان اللہ کیا رفیع شان ہے علی بن ابیطالب کی کہ رسول مقبول نے ہر مہاجر کو کسی نہ کسی انصاری کا بھائی قرار دیا لیکن اپنا اور علی کا بھائی کسی انصاری کو نہ بنایا بلکہ بفحوائے "تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری"! علی ہی کو اپنا بھائی بنایا اور خود ہی اُن کے بھائی بنے پس اس سے آفتاب کی طرح روشن ہے کہ علی کے سوا رسول کا اور رسول کے سوا علی کا کوئی نظیر نہ تھا۔

(باقی باقی)

جواب استفسار

سرکار علامہ مولانا مولوی سید محمد سبطین صاحب قبلہ ظلہ العالی پروفیسر گورنمنٹ کالج لدھیانہ سے بعض استفسار کیئے گئے تھے جن میں سے ایک استفسار مع جواب سرکار علامہ درج ذیل کیا جاتا ہے یہ جواب "البرہان" میں شایع ہو چکا ہے لیکن ضرورت ہے کہ اس قسم کی خبریں مکرات و مرات دنیا کے سامنے پیش ہوں تاکہ کمزور عقیدت والے حضرات اطمینان حاصل کر سکیں۔

(نائب مدیر)

سوال۔ اس کا کیا ثبوت ہے کہ وید اُن ۱۰۴ صحیفوں میں سے ایک صحیفہ نہیں جو آسمان سے نازل ہوئے اور کرشن جی .....۰ انبیوں میں سے ایک نبی نہ تھے بلکہ ہندو کے قدیم اعلیٰ اصحاب میں سے بھی نبی ہونا ناممکن ہے۔ کیا خدا ہندستان کو بھول گیا۔ آسٹریلیا اور یورپ میں بھی نبی نہیں آیا اور تمام ۱۰۴ صحیفے بنی حجاز و عرب میں ہی بھیجے گئے۔ دیگر ممالک میں کوئی صحیفہ کسی کو عطا نہیں ہوا۔ حضرت علی نے پارسیان ایران میں وجود صحف تسلیم کر کے عقد کی اجازت دیدی اور علمائے مصر نے بدھ مذہب والوں میں وجود صحائف تسلیم کر کے مسلمانان چین کو ان کے ساتھ مناکحت جائز کر دی۔ ہندوستان کے ہندوؤں کی بابت ایسا کیوں نہ مانا گیا۔

الجواب۔ نفی و انکار کے لیئے حقیقۃً ثبوت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اثبات مدعا کیلئے ثبوت کی ضرورت ہے۔ وید کے جاننے والے اس کے ذمہ دار ہیں وہ ثبوت پیش کریں

کہ اس کا کیا ثبوت ہے کہ وید الہامی کتاب ہیں اور ان صحائف میں سے ہیں جو آسمان سے نازل ہوئے صحیفہ آسمانی نبی کو دیا جاتا ہے۔ ثبوت کیلئے معیار مقرر ہے اور الہامی کتاب ایک خاص خصوصیت رکھتی ہے۔ وید جس کو الہام ہوئے اس کی نبوت ثابت کریں اور پھر ان ویدوں کا ان پر الہام ہونا اور اس کے دلائل قاطعہ بیان کریں اور وہ ہمارے سامنے پیش کریں اگر وہ دلائل معیار عقل و نقل پر پورے اترینگے اور الہام کے خواص ان کتب میں ثابت ہو جائینگے تو ہم ضرور تسلیم کر لینگے کہ بے شک یہ الہامی کتب ہیں اور ان کے ملہم انبیاء تھے! اور اگر وہ دلائل صحیح ثابت نہ ہوں گے تب ہم کہینگے ان وجوہات اور دلائل سے ہم ویدوں کو الہامی کتب نہیں مانتے۔ امکان ہے کہ یہ الہامی کتب و صحائف ہوں لیکن ہر ممکن عقلی کیلئے وقوع و وجود فی الخارج ضروری نہیں ورنہ وہ ممکن نہیں بلکہ ضروری و واجب ہے ان الشئ مالم یجب لم یوجد جب تک کوئی شئ واجب نہ ہو جائے موجود نہیں ہوتی۔ ہر ممکن کا فی الواقع موجود ہونا کب ضروری ہے۔ امکان ہے کہ وید الہامی ہوں ثبوت اس کا اس کے مدعی دیں چونکہ الہامی ہونا ہمارے نزدیک ممکن ہے اس لیئے بعد ثبوت ہم وجود الہام تسلیم کریں لے ہم کیوں ثبوت دیں کہ کیوں وہ الہامی نہیں ہیں دنیا کی کوئی عقل ہم پر یہ بار لازم نہیں کر سکتی۔ ہم صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ابھی تک ہمیں اس کے الہامی ہونے کا واقعی ثبوت نہیں دیا گیا۔ اس لیئے ہم نے ان کو الہامی و آسمانی نہیں مانا اور بالفرض اگر یہ الہامی ہیں بھی تو اپنے زمانہ نزول میں ان کی تعلیم ختم ہو گئی۔ پھر قانون لاحق سابق کو غیر محمر اور غیر نافذ بنا دیتا ہے۔ اور منسوخ کر دیتا ہے قرآن آخری قانون آگیا اور اس کے بعد کوئی نہیں اور نہ کسی نے دعوے کیا ہے۔ لہذا اب معمول یہی ہوگا۔ وید اس وقت معمول نہیں ہو سکتے اور ہم پر ان کی تعلیم و تفہیم اور پیروی عائد نہیں ہوتی۔

ویدوں کے قائلین کے نزدیک ان کا وجود لاکھوں برس سے ہے لاکھوں برس میں ہزاروں نسلیں بنی آدم کی ختم ہو چکیں اور کتنی ہی مرتبہ زمین پر پرلے آ چکی پھر اس نسل انسانی کے لیئے جس کی عمر موافق تحقیق علماء علم الانواع وعلم الحیوان اور علم طبقات الارض۔ نیز علم تاریخ دس بارہ ہزار سال سے زیادہ نہیں ہے وید معلم ہادی کیونکر قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ اس لحاظ سے وید خدا جانے کس باوا آدم یا جن کی نسل کے لیئے آئے ہوں گے ممکن ہے کہ مہادیو موافق معنی لغوی کسی سب سے بڑے مہا تما جن کا نام ہو یہ بھی نہیں تو بہر حال جس طرح توریت و انجیل و زبور و تمام صحف آسمانی اب منسوخ ہو گئے وید بھی ہو گئے اب ان کی پیروی لازم نہیں۔ اس لیئے ان کی تصدیق و تکذیب بھی ہم پر واجب و لازم نہیں۔ ہم اگر تصدیق نہیں کرتے تو قطعاً تکذیب بھی نہیں کرتے یعنی امکان کے قائل ہیں لیکن ثبوت واقعی کا ہمیں یقین نہیں اور ہمیں ثبوت نہیں دیا گیا۔ اور بار ثبوت بذمہ مدعی ہے۔

ہمارا خدا ہندوستان کو ہرگز نہیں بھولا وہ رب العلمین رب المشارق و المغارب ہے سب سے پہلے اول نبی و خلیفہ خدا آدم کا قدم سرزمین ہندوستان ہی پر آیا قیل ان ادم لما ھبط الی الارض وقع الی سرندیب

من ارض الهند (ملل ونحل) پھر وہاں سے وہ ارض حجاز میں پہونچے اور ہندو حجاز کا سب سے پہلے تعلق قائم ہوا اور پھر کوہ صفا و مروہ پر آدم و حوا بعد جدائی اکٹھے ہوئے اور پھر نسل چلی، اور ہدایت پھیلی کیا جس طرح آدم اول ہند میں رہ کر حجاز پہونچے تھے ناممکن ہے کہ وہ پھر ہندوستان آتے ہوں یا آتے رہتے ہوں۔ ایک نبی کے لئے آن واحد یا روز واحد یا چند روز میں ایک ملک سے دوسرے میں جانا کوئی دشوار کام نہیں بلکہ تاریخ یہ بھی ثابت کرتی ہے کہ قیام ہند میں رہا اور ہر سال حجاز تشریف لے جاتے تھے یعنی حج بیت اللہ بجا لاتے تھے۔ اس لئے یہ بھی ممکن ہے کہ کرشن جی مہاراج ایک لاکھ چوبیس ہزار یا بقول سائل ایک لاکھ اسی ہزار انبیاء میں سے ایک نبی ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہندوؤں کے قدیم اعلیٰ خاندان میں سے بھی نبی ہوئے ہوں بیشک یہ بھی ممکن ہے کہ ہندوؤں کے مہادیو جی نبی یا نبی اول ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مہادیو جی پہلے انسان اور ہمارے نبی اول ہی کو کہتے ہوں۔ لیکن پھر وہی جواب ہے کہ امکان دلیل ثبوت وقوع نہیں۔ ہر امکان واجب الوجود نہیں ہو جاتا۔ ممکن ہونے اور واقعاً ہونے میں بہت فرق ہے ممکن ہے واقعاً ہو۔ مدعی ثابت کریں ہم ضرور تسلیم کریں گے دلائل و براہین کی قوت دیکھنی ہے۔ اگر ان میں قوت ہے تو وہ ہمیں ضرور منوا دیں گے ورنہ جیسے لاکھوں برس میں نہ منوا سکے اب کبھی نہ منوا سکیں گے۔

بہرحال اگر ان کی نبوت کا ثبوت معیار نبوت پر دیا جائے تو ہمیں کیا کسی قوم کے ذی عقل کو بھی اس کے تسلیم کرنے میں عذر نہ ہوگا محض امکان کی بنا پر کیونکہ ہر دعویدار کا دعویٰ قبول کر لیا جائے امکان نبوت تو سائل کے اصول کے موافق ہر بشر میں ثابت ہے کہ بشر ہی نبی ہوتا ہے البتہ بشر بکلمۃ اللہ تو کیا ہر دعویدار یا ہر ایک بشر کو ضرور نبی تسلیم کر لیا جائے اور کیا وید کے ماننے والے ایسا ہی عقیدہ رکھتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ کیا اس کا ثبوت ہے کہ وید مقدس کے معتقد و قائل بھی سوائے ہندوستان کے کسی اور جگہ کسی اور قوم میں کسی الہامی کتاب کسی اوتار کا خواہ وہ پرشید اوتار ہو یا دھرم اوتار ہو وجود تسلیم کرتے ہیں اگر کرتے ہیں تو ثبوت دیجئے۔ وید سے دکھلائیے پرانوں سے ثابت کیجئے۔ ہندی تاریخ سے ثابت کیجئے کہ وہ ہندوستان کے باہر کس کس ملک کس کس قوم میں کس کس وقت کس اوتار کس رشی یا کسی الہامی کتاب کا وجود تسلیم کرتے ہیں۔

امریکہ میں کب خدا نے جنم لیا۔ آسٹریلیا میں کس روپ میں آیا عرب حجاز یا شام میں کون کون اوتار ہوئے کیا دس لاکھ سال کے لامتناہی زمانے میں کیا روپ اور ہزاروں سال کے دور میں کوئی وید کسی اور قوم اور ملک کو بھی دیا گیا۔ دیا جاتا کیا وید کو تو سوائے پنڈت کسی دوسرے انسان کو چھونے کی بھی وید کے تحت متعصب خدا کی طرف سے اجازت نہیں دی گئی چہ جائیکہ ساری دنیا اولین و آخرین کی ہدایت و تعلیم و تربیت کے لئے پیدا کرتے گئے ہوں۔

پس وید کا خدا اور وید کا پرماتما ان تمام ممالک کو بھول گیا کیا ان میں نسل انسانی آباد نہ تھی یا پرماتما

ان کا برہمانہ تھا" فما ھو جوابکم فھو جوابنا
"آنچہ برخود نہ پسندی بر دیگراں ہم مپسند"
ہاں ہم اپنے نہ ماننے کی تائید میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ کسی کتاب کا الہامی ہونا اس کے ملہم کی حقانیت و حقیقت سے ثابت ہوتا ہے۔ ویدوں کے ملہموں کی حقانیت و حقیقت بلکہ شخصیت خود ہندو محققین کو ثابت نہیں کہ وہ کون تھے کہاں تھے کس خاندان کے کس کیرکٹر کے تھے۔ الہام کی قابلیت واقعی رکھتے تھے یا نہیں کیونکہ محض کتاب کے وجود سے الہام ثابت نہیں ہوتا بلکہ ملہم کتاب کی مافوق بشریت عامہ شخصیت سے کتاب کا الہامی و آسمانی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ وہ ثابت نہیں تو اس کتاب کا ملہم ہونا بھی ثابت نہیں۔ بیاس جی جو ویدوں کے مولف یا مصنف فرض کیئے جاتے ہیں ان کی ابتدائی زندگی بھی تاریکی میں ہے اور اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ یہ خاص روح قدس کے حامل اور الہام کی قابلیت رکھنے والے تھے اور دعوی نبوت کیا تھا۔ بلکہ ان کی تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ہندوستان سے سفر کرکے بلخ وغیرہ گئے اور خشود زرتشت سے ملے اور ان کی امت میں داخل ہوئے اگر انھوں نے وید مرتب کیئے ہیں جیسا کہ ظاہر کیا جاتا ہے تو دراصل انھوں نے زرتشت کی تعلیم کو اپنے انداز میں درج فرمایا ہے۔ اور یہ حقیقت مسلم ہے کہ ژند کی قدیم زبان اور وید کی زبان ایک ہی ہے اور ویدوں کے مطالعہ کرنے والے محققین مورخین تصریح کرتے ہیں کہ زرتشت کی تعلیم اور ویدوں کی تعلیم اب بھی کچھ بہت بعید

اعتقادات و اعمال و خیالات میں اتفاق رکھتی ہے اور یقین ہو جاتا ہے کہ یہ دونوں ایک مرکز سے نکلے ہوئے خطوط اور ایک منبع سے ابلے ہوئے چشمے ہیں۔ بیاس جی یہ دولت ایران سے ہند میں لائے وہ خود نبی نہ تھے بلکہ نبی زرتشت کے پیرو امتی تھے۔ باقی بیاس کی ابتدائی زندگی اور ولادت کا حال جو پرانوں میں مذکور ہے، اس کے لکھنے کو شرم انسانیت مانع ہے۔

ہم سے پوچھیئے کہ ہم جن جن صحف کو آسمانی تسلیم کرتے ہیں۔ اس کے ملہم کی پوری ہسٹری پیش کرتے ہیں اور ان کا نسب نامہ تا اول بشر تاریخی حیثیت سے علم الانساب سے ثابت و بیان کرتے ہیں ان کی سوانح عمری سے انکا اعلیٰ کیرکٹر ثابت کرتے ہیں ان میں روح قدس نبوتی کا وجود اور الہام کی قابلیت ثابت کرتے ہیں۔ اس لیئے ہم مانتے ہیں کہ یہ کتب انسانی نہیں۔ آسمانی اور الہامی اور ربانی ہیں فاتوا برھانکم ان کنتم صادقین" مدعی بھی اگر سچے ہیں تو ایسے ہی براہین پیش کریں۔ ہم ضرور ان کو تسلیم کریں گے۔ اور جب تک یہ براہین موجود نہ ہوں ہم ہرگز تسلیم و تصدیق نہیں کرسکتے۔ امکان بجائے خود البتہ باقی ہے لیکن امکان محض مفید مدعا نہیں۔ دنیا میں کوئی عقلمند قائل نہیں ہے کہ کل ممکن موجود فی الواقع۔ وفی کل زمان"۔ یعنی ہر ممکن فی الواقع موجود ہے۔ نیز ہم کہتے ہیں کہ ان حضرات کا کیرکٹر جو ہندی تاریخ نے ہمیں دکھلایا ہے وہ عام انسانوں سے بالا نہیں۔ اس سے ہرگز یہ ملہمین ثابت نہیں ہوتے اور اس وقت تک حامل روح نبوت

نہیں ہوسکتے اور قابلیت الہام پیدا نہیں ہوسکتی کہیں یہ چور کہلائے جاتے ہیں یا کہیں یہ گویئے ثابت کئے جاتے ہیں اور کہیں یہ ننگی نہاتی ہوئی عورتوں کے کپڑے لیکر بھاگتے دکھائے جاتے ہیں کہیں یہ خود خالق اور خود مخلوق کہیں خود اپنی اولاد آپ پیدا کرنے والے۔ بیوی علٰحدہ اپنا بچّہ پیدا کرلیتی ہے۔ اور میاں علٰحدہ شیوجی کا علم قدرت بھی جاری اور پاربتی کا بھی۔

ہماری نظر عقل میں یہ پیغمبری کیرکٹر نہیں ہے نبوت ہمارے یہاں ایسی ذلیل حیثیت نہیں رکھتی۔ ہم یقیناً نبی کو مافوق عام بشریت مانتے ہیں۔

بے شک ہم ان حالات میں جو ہمیں ہندو تاریخ سے پہونچے ہیں ان کو ہم بڑے معزز و مکرم و ممتاز ہستیاں مانتے ہیں اور ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور ہمارے ہادی برحق کا حکم ہے کہ "اکرموا کریم کل قوم" ہر قوم کے بزرگ کی عزت و حرمت کرو۔ یہ نہیں کہ ہم ہندوؤں کی طرح مندروں کے باہر کسی کو انسان ہی نہ سمجھیں اور کسی ملک میں کسی اوتار یا الہام خدا کا وجود ہی تسلیم نہ کریں اور دوسروں کے یہاں کسی نیکی کے قائل ہی نہ ہوں لیکن ہمارے معیار نبوت پر یہ کیرکٹر پورا نہیں اُترتا۔ ممکن ہے کہ ہندو تاریخ نے دنیا کے سامنے ان کی صاف تصویر پیش نہ کی ہو یا مرور زمانہ سے ان کی روحانیت کا صاف چشمہ مکدر ہوگیا ہو لیکن ہم وہ ہی کہیں گے جو دیکھیں گے اور اسی کو مانینگے جس کا ثبوت پائینگے۔ اور وہیں تک تسلیم کریں گے جہاں تک ان کے دلائل کی قوت و طاقت ہمیں منوائے گی محض اس رواداری میں کہ ہندوؤں کے پرماتما یا مہاتما کو خوش کردیا جائے۔ ہم حقیقت واقعی سے آگے قدم نہیں بڑھا سکتے۔ آپ ہمیں ان کے کیرکٹر اور ان کی روحانیت منوائیں ہم مانینگے۔

نمبر ۳۔ ہندوؤں میں جواب تعلیم موجود ہے وہ شرک و بت پرستی سے ملو ہے۔ اور کوئی خدا کا فرستادہ نبی شرک و بت پرستی کی تعلیم نہیں دیتا۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ (آل عمران)

کسی بشر کو یہ زیبا نہیں کہ خدا تو اس کو اپنی کتاب و حکم و نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں کو کہے کہ خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ میری عبادت کرو۔ بلکہ وہ یہی کہے گا کہ تم اللہ والے بنجاؤ اور تم کتاب خدا پڑھاتے اور خود پڑھتے ہو۔

وہ یہ حکم نہ دے گا کہ تم فرشتوں یا نبیوں کو رب بنالو۔ کیا وہ تم کو مسلم خدا پرست ہونے کے بعد کفر کا حکم دے دیگا۔ ہرگز نہیں کبھی کوئی نبی ایسا نہیں کرسکتا اگر کسی نبی کی تعلیم میں کفر و شرک۔ بت پرستی پائی جائے تو وہ ہرگز نبی اللہ نہیں کہلا سکتا۔ وید بے شک کفر و شرک و بت پرستی سے پر ہیں۔ اور آج تک علمائے وید پنڈت اس پر عامل۔ گھر والے گھر کا حال بہتر جانتے ہیں اگرچہ ان میں توحید ذاتی کی جھلک ضرور پائی جاتی ہے لیکن شرک عبادتی مسلم ہے جس کی تعلیم یہی ہوتی ہے کہ "فاجتنبوا الرجس من الاوثان" بت پرستی کی نجاست سے احتراز و اجتناب و

لمعات روشن

(منقبت حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام)

(از استادِ فن جناب مولوی عنایت اللہ صاحب روشن)

صدقے اے ساقیِ کرم گستر
ہو ادھر بھی کبھی کرم کی نظر

باعزیبان رنج دیدہ باز
تا فلک خواندت غریب نواز

ساقیا رند مے پرست ہوں میں
مے حُبِّ علی سے مست ہوں میں

جام بھر کر شراب دے مجھ کو
بدر میں آفتاب دے مجھ کو

رشک سے گل چراغ ہو جائیں
مہر و مہ داغ داغ ہو جائیں

کہ لکھوں وصفِ ساقیٔ کوثر
یا علیؑ سب کہیں اسے سُن کر

منقبت کیا لکھے یہ ہیچمداں
وصفِ مشکل کشا نہیں آساں

وصفِ مشکل کشا علی لکھیئے
تو اُسے کہہ کے یا علی لکھیئے

یا علیؑ تم ہو ساقیِ کوثر
شیرِ حق جاں نثارِ پیغمبر

سایۂ مہر تو شکستہ پناہ
ذیلِ عفو تو پردہ پوشِ گناہ

کس زباں سے بیاں ہو وصفِ جناب
ذاتِ پاک آپ کی ہے فیض مآب

تم ہو عقدہ کشائے اہلِ جہاں
تم نے کیں سخت مشکلیں آساں

بخشا وہ جس نے جو سوال کیا
مردِ بے برگ کو نہال کیا

اسمِ اعظم ہے نام نامِ خدا
تم ہو کل کے امام نامِ خدا

اوج میں آسماں جناب ہیں آپ
خاکساری میں بوتراب ہیں وہ

آپ ہیں آفتابِ برجِ شرف
جانشینِ رسول شاہِ نجف

شرفِ آدم از نکو خُلقی
نائبِ مصطفےٰ بوحیِ خفی

قبلۂ آرزو ہے روضۂ پاک
اوج ہے جس کے پست ہیں افلاک

کوئی زائر جو ہے نظر آتا
دلِ بے تاب ہے تڑپ جاتا

ہے جو تقدیر میں تو جائیں گے
پھر نہ پھر کر نجف سے آئیں گے

mad a fundamental lapse of judgement. He has merely confused one with the other. What he calls things peculiar to individual natians such as language, habits and ways of thought—and there are many others — which principally mark and determine the culture of one nation as distinguished from that of another. It is the 'things peculiar' to his own community that Muslim is anxious to safeguard just the in the same way as even great men like Mahatma Gandhi are endeavouring to preserve things peculiar to the Hindu Culture. As for the things born of the machine age, let every one seriously put the question to himself whether he is prepared to give them the same position in life, viz: the cinema, the radio and the like. Obviously these are not the things which should form the inspiring forces in any national activity. They come in when they have to, and are replaced by other amenities of life. To us they are mere impersonal forces just like electricity. No body can use it unless he knows how to regulate it. But a knowledge of this in itself is not the end. That itself is not a sign of civilization. On the other hand, it is the purpose for which it is used or regulated, or the spirit behind the handling of that is a determining factor in life. You can use electricity to work for happiness and comfort, or you can put it to destructive ends, as it is being done in Europe at this moment. The aim is the thing; and it is this aim, the nature of it or the outlook on life that makes the difference between the culture of one people and that of another. You can never evolve a uniform world culture merely through the things of the science. Any uniformity that the machine can give you will only be in the externals of life, in mere superficialities. But that will not take hold of your soul, and will not denote a universal mind which alone can produce a world culture. And the universal mind is possible only when man has learnt to react from the very depths of his being to a universal spiritual or moral law of life.

(To be continued.)

Let me proceed to yet another quotation, from Mr. Nehru, before I enter upon an analysis of the basis of Muslim Culture. The passage is from one of his recent writings. It will afford to you a very good example of mistaking the non-essentials for the essentials and of the habit of refusing to see the wood for the trees.

> "Nations may retain", says Mr. Nehru, "and will retain for a long time much that is peculiar to them—language habits, ways of thought, etc.,—but the Machine age and science, with swift travel, constant supply of world news, radio, cinema, etc., will make them more and more uniform. No one can fight against this inevitable tendency, and only a world catastrophy which shatters modern civilization can really check. There are certainly many differences between the traditional Hindu and Muslim philosophies of life. But these differences are hardly noticeable when both of them are compared to the modern scientific and industrial outlook on life; for, between this latter and the former two, there is a vast gulf. The real struggle today in India is not between Hindu culture and Muslim culture, but between these two and the conquering scientific culture of modern civilization. Those who are desirous of preserving 'Muslim culture', whatever that may be, need not worry about Hindu culture, but should withstand the giant from the West. I have no doubt, personally, that all efforts, Hindu or Muslim to oppose modern scientific and industrial civilization are doomed to failure and I shall watch this failure without regret".

Here, Mr Nehru makes distinction between two sets of things. One there is, he says, which is peculiar to individual nations, such as language, habits, ways of thought and philosophies of life; and the other is that which may commonly affect one and all such as what the machine age may provide—swift travel, constant supply of world news, radio and cinema. In the opinion of Mr. Nehru, it is the latter group of things that mould the culture of a people and it is here that he has

Here in this passage you find Pandit Jawaharlal Nehru trying to seek the manifestation of the Muslim mind and soul, which alone is culture, in his fez, and pyjamas, and beard Is that the line of enquiry for a serious student ? Again, one may have his own prejudices. We all have a few. They are usually hindrances to right understanding. But when they are of a defiant challenging variety they vitiate the sense of perspective.

In the same chapter of his auto-biography from which I have just quoted, Mr. Nehru notices that Turkey has discarded religion, that Persia is looking back for pre-Islamic days for her cultural inspirations and that even Egypt is going the same way and keeping her politics quite apart from religion. And so, on the strength of what he thinks to be a change in these countries, a change which even like the Muslim culture in India he has not been able to understand, as I shall show later on, he proceeds to ask:

> *"What of the Muslim nation and Muslim culture ? Are they to be found in the future in Northern India rejoicing under the benign rule of the British ?"*

And he himself answers,

> *"This idea of a Muslim nation is the figment of a few imaginations only, and but for the publicity given to it by the Press, few people would have heard of it, and even if many people believed in it, it would still vanish at the touch of reality".*

I am afraid this is rather an unkind and again an unscientific treatment of the subject. Suspicion is a dangerous instrument of argument. Very often it betrays an absence of a grasp of realities and increases misunderstanding. The desire for preserving one's own peculiarities of thought and living is a natural desire. Is it not possible to respect one's own culture and yet, through the strength of character that culture gives contribute to the progress aud prosperity of a common body-politic ?

subject, I think, I should warn you against such notions. Let me quote from Pandit Jawaharlal Nehru for the sake of illustration. I have selected him for a very special reason. Living in the detached atmosphere of the Osmania University, I have quietly watched for years the career of many a public man in our country, and I fancy that he is one of our few men who can make or mar a great cause. There is so much of honest strength in him that it will be a matter of genuine grief if his energy, especially at a time such as this when he is holding a place of great trust and influence if his energy is victimized by any incorrect or inadequate approach to the Muslim problem in India.

"I have tried hard", says he, "to understand what this 'Muslim Culture' is, but I confess that I have not succeeded. I find a tiny handful of middle-class Muslims as well as Hindus in Northern India influenced by the Persian language and traditions. And looking to the masses, the most obvious symbols of 'Muslim Culture' seem to be: a particular type of pyjamas, not too long and not too short, a particular way of shaving or clipping the moustache but allowing the beard to grow, and a lota with a special kind of snout, just as the corresponding Hindu customs are the wearing of dhoti, the possession of a topknot, and a lota of a different kind. As a matter of fact, even these distinctions are largely urban and they tend to disappear. The Muslim peasantry and industrial workers are hardly distinguishable from the Hindu. The Muslim intelligentzia seldom sports a beard, though Aligarh still fancies a red Turkish cap with a fez (Turkish it is called, although Turkey will have none of it). Muslim women have taken to the sari and are emerging rather slowly from the Purdah. My own tastes do not harmonize with some of those habits, and I do not fancy beards or moustaches or topknots, but I have no desire to impose my canons of taste on others, though I must confess, in regard to beards, that I rejoiced when Amanullah began to deal with them in summary fashion in Kabul".

his genius has laid the foundations of modern science and determined its subsquent course. And in the field of creation, what has he not done to enrich and beautify life by his spiritual energy expressing itself out in his literatures, his arts and his philosophy and religion. So, you see, it is a vast culture, every aspect of which is a great subject in itself. Like every other culture, especially in its social aspect, it has reacted, every now and then, to the influences of other cultures; and this reaction is mostly visible in minor details and is brought about by climatic conditions, exigencies of expansion and mixed living, and individual tastes and lapses. But the structure stands with all its outlines permanently impressed on the life of the Musalmans. To question its existence, to ask what it is, and where it is to be found. is to put it mildly an intellectual self-dec p-tion. I should like to guard you against that. The Muslim Culture is here in India as in countries where the Musalmans predominate, and it is better frankly to recognize it, and see how it can be invited to help this country to rise to the fullest growth of its political stature than to close one's eyes to it. My object tonight is to emphasise that this Culture of the Musalmans is still alive, and has the vitality to promote that end.

I do not propose to make a survey of the different fields in which this culture has expressed itself in the course of history; for that will be a mere pedantic effort, and will be wearisome to you. On the other hand, I shall invite you to feel the soul that has worked in all the branches of the Muslim life and holds together the entire body of his culture. In other words, I should like you to consider the basis on which this culture rests. If that basis is properly appreciated, I dare say, the difficulty in understanding the cultural safeguards of the Indian Muslims may be greatly minimized,

Pandit Nehru's Views Examined

So far as I could see, the difficulty in appreciating the value of the Muslim Culture as a means of political progress for India lies in the fact that those who question it seem to be obsessed by rather indifferent notions as to what it is that really constitutes culture In the interests of my

communalism. Every culture is a living organism. Very often it proceeds from the life of a people only to react on it and receive further volition, and it develops or decays with the life of the people who sustain it. In a few cases, it functions as a living idea, and satisfies some spiritual law of life. It then reacts on humanity at large and introduces a harmony in the clashing interests of class and colour and race. It has no particular habitation of its own and gives its name to the place it travels and to the people who react to it. If the hands that hold it grow weak, it does not drop itself and disappear. It passes on to other hands and transfers its name to them. Thus it lives and moves on. We do not judge it by the hands that tremble to hold it, but by the hands that have held it firmly or by the hands that stretch themselves out to give it a welcome. Above all we judge it by its own inherent strength. Wisdom lies not in quarrelling with such a culture for the sake of any passing political end, but in utilizing it as a contributory force to the progress of humanity. It is of such a culture that I propose to speak to you this evening. And I should believe that to do so is not communalism.

If you agree with me so far, my task will be greatly lightened; for then, I shall not stand in need of analysing the political background to the question before us I should however, like to clear one are two points before I proceed further.

The subject of the Muslim Culture is too vast to be discussed in a single lecture, and I must explain to you how I should like to approach it so as to give you an idea as to what it is and where it is to be found in India.

The mind of the Muslim has, in the course of history, expressed itself in every culture-field—in the field of action, of thought, and of creation. These are the three great fields in which all human activity is distributed; and in each field, the Muslim has made a mark for himself. In the field of action he has evolved a particular type of social and economic order and polity influenced by a jurisprudence of his own worked out into a comprehensive law called the "Shariyah". In the field of thought,

no thought on the part of any one group of denying the heritage of another, although a scale of values was always applied by each for the sake of self-satisfaction. That natural intellectual attitude is now being disturbed, and we are being asked, in the name of nationalism, to cease from caring for our individual cultures Indeed, attempts are being made to treat the culture of the Musalmans in particular, as of no consequence in our present state of modern civilization. Its very existence in any dynamic form at the present day is doubted and challenged causing a sort of uneasiness among the Muslim intellectuals in every part of the country.

Muslim Cultural Problem, not Communalism.

On the face of it, the question is a simple one, and can be answered in a simple straightforward manner from an intellectual plane Unfortunately dictated however, as every body knows, the question has been dictated by reasons not purely intellectual, more to operate as a check against the Muslim desire to safeguard the interests of his culture than to elicit information that may help us to understand and appraise its value to life. Not merely that: it has become part of the plan of those who have devised this question to cry down every answer to it as communalism. That is the situation now. An amusing situation ! You ask a question and you refuse to listen to a reply. Even when you give a hearing, you have learnt to say you are not satisfied: it is all communalism. So, when I have to speak on this subject today, I feel a natural diffidence: for I do not wish to be misunderstood, much less to receive the self-same compliment for the trouble. I may tell you. I am not a politician and cannot easily follow the jargon of politics. But I should believe that to explain a point of view or an attitude towards life, or to speak out the truth one has in order to dispel ignorance is not communalism. I should also believe that to describe the culture of a people, to show how their mind or genius has manifested itself in their language and literature, in their arts and sciences, in their modes of thought and living, in their personal laws and social and economic order and in their outlook on life, and to explain how these together give them a distinctive character of their own, I should believe that to do so is not

use this most natural and correct name Mohammedanism! for it defines that religion exactly which *Islam* does not. The only objection to it which appears to me is that it is such a long word; but it is better to use it than the word implies that peace of God which comes to the soul through repentance and remission of sins, by one Mediator, Jesus Christ, whom Mohammed refused to accept as divine.

This Christian writer seems to be ignorant of the teachings of the holy prophet Mohammed and his own practical life which is a living commentary of "Islam." He has either willingly ignored the philosphy of the holy prophets taking up more that 4 wives or this may be due to his historical bankruptcy. *(Editor)*

The Muslim Culture in India.

BY

Dr S A. Lateef M. A. Ph. D.
of Hyderabad Deccan.

Our readers will be muhch delighted to read a most learned and exhaustive contribution from one Moslem who has in the bottom of his heart true love for this sacred religion. It was an address delivered by the learned Doctor in August 1937 before the elite of Hydrabad. Nawab Sir Nizamat Jung Bahadur presided over the meeting. The whole thesis cannot be issued atonce and therefore we shall try to put it up, before our readers in 2 or 3 instalments.

The Learned Doctor thus began:—

THE MUSLIM CULTURE.

The question has been raised and repeated more than once : What is the Muslim Culture and where is it to be found in India ? There was a time when such a question could hardly have been even conceived In academic circles, we used freely to talk of our own peculiar group cultures- the Hindu, the Muslim, the English and so forth—and take delight in recalling to mind our several achievements in the past in the domain of arts, and science, and philosophy and lifes, other expressions. There was

In fact, as Wellhausen again says "No god but the One God was the sum of his dogmatics; less importance was attached to belief in it than the profession of it," and "prayers took the form of military exercises."

All missionaries to Mohammedans can vouch for the truth of those statements, which are sufficient to account for the lack of true spirituality: so also when he claimed to be personally exempt from those restrictions in regard to the female sex which he laid upon all his followers, what could have happened to his principles of *Islam.*

The religion Mohammed originally designed for the Arabs, may have been well worthy of the name *Islam,* "submission to the will of God," but it developed into anything but submission to God's will. His religion as exemplified by himself, proved any hing but worthy of that name, it is a name far more worthy of Christianity, and might well be used as a synonym for it.

The same must be said of *Moslem* (*Muslim*). Mohammedans as a body are entirely unworthy of such an exalted title, for the Koran lays down no such exalted ideas of purity and holiness of life as are inculcated in the Old and New Testaments.

We cannot forbid these titles *Islam* and *Moslem Muslim*) being used by Mohammedans, but what Christian speakers and writers should do, is always to use Mohammedanism" for "Islam " and "Mohammedan" for "Muslim," "Moslem" and "Mussulman."

It would be quite right for us Christians to call our religion Islam and ourselves *Moslem* or *Muslim* but as it would be wrong for Christianity and Mohammedanism to be called by the same name *Islam,* the only way out of the difficulty is to call Mohammed's religion after his own name, ' Mohammedanism," and *Not* "Islam' which is too good for it.

We are accustomed to the words Christianity, Hinduism, Zoroastrianism, Buddhism, Taoism, Bahaism, Animism, etc. why then not

Then again we have in Hebrew the equivalent of Islam TASLIM etc, all derived from *Shalam* to make peace, to submit oneself peace-offerings, etc.

The ideas of peace and submission are scattered in profusion all over the Bible, and were well understood ages before the birth of Mohammed, in fact it is from the Bible only that we can learn the true idea of submission to the will of God.

Where in the Koran can we find such lofty ideals as Ps. xl 8, "I delight to do Thy will O my God."

Ps. cxliii. 10, "Teach me to do Thy will for Thou art my God."

St. Matt. vi. 10, "Thy will be done in earth."

St. Matt. xxvi. 42 "Father, Thy will be done."

Heb. x 7 "Lo I come to do Thy will, O God."

Only those who did the will of God could be accepted by Him - See Levit xxii. 19 29 and many other passages.

The service which Mohammed at first required of his followers was a serious life characterised in particular by prayer, meditation alms and fasting, based on the teaching of the Sermon on the Mount, which was the very essence of a true religion.

But after Mohammed's flight (the *Hijra*) from Mecca to Madina, to save his life from the enraged Meccans, his religion became sordid and anything but spiritual. It was a convenient fiction for him when demanding alms to say they had to be "paid to God," when they turned out to be nothing else than taxes for the support of his wars. History tells us how soon began his method of plunder on the neighbouring villages, if the inhabitants refused to accept him as a prophet and then followed war, atrocious murders, assassinations even during the solemn time of the great fast, the Ramazan, although he had instituted it, which took away all life from the original spirituality of the movement.

It means that before the sermon on the mount came into Existence there was no true religion in the world !!'

and Isac, and Jacob and the Tribes and that which was delivered to Moses, and Jesus, and the Prophets from their Lord; we make no distinction between any of them; and to Him are we resigned (Muslim), and whosoever followeth any other religion than Islam, it shall not be accepted of him; and in the next life he shall be of those who perish. (Sale).

See also Sura xiii. 11, and sale's Preliminary Discourse iv. p. 50, "The fundamental position on which Mohammed erected the superstructure of his religion was, that from the beginning to the end of the world there have been and for ever will be, but one true Orthodox belief"—Therefore according to Mohammed, Islam does not pertain solely to the Mohammedan religion.

In the Hebrew Bible, we come across all these words, and many more from the same root, but of course in Hebrew characters; they existed hundreds of years before Mohammed was born.

The root is similar to the Arabic, namely SHALAM, which means peace, perfect, complete, to have peace, to be at peace submissive, reconciliation, peace-offering in its derivatives. The expression, "Let your hearts be PERFECT with the Lord your God, "in I King viii, 61, xi, 4, xv. 3, 14, etc expresses the idea of SUBMISSION admirably.

Many readers of their English Bible are not aware that the Hebrew word MESHULLAM translated in the Revised Version of Isaiah xiii 18 "he that is at peace" is the equivalent of Moslem (Muslim).

Dr. George Adam Smith says in his commentary on Isaiah, vol. 2 p. 263, "The context shows that the servant here or meshullam, as he is called, the Devotee or submissive One, from the same root, and of much the same form as the Arabic MUSLIM is the whole people."

MESHULLAM also occurs as a proper name in II Kings xxi. 19; xxii. 3; Neh. iii. 4, 6, 30 etc.

The root form in Arabic is SALAM, which means submission, surrender, peace, safety, etc.

From this root are derived, ISLAM; MUSLIM; MUSALLAM; TASLIM; ISLAMIYA; etc.

ISLAM—meaning yielding obedience to the will of God.

MUSLIM—a submissive one, a true believer in God, a Moslem.

MUSALLAM—one who submits to or acquiesces in, the judgment of another.

TASLIM—resigning resignation, submission to

ISLAMIYA—pertaining to Islam.

None of these words therefore have any reference, PER SE, to Mohammed. The above are not meanings put upon those words by Christians. Let us see what Mohammedans themselves say:—

First, about ISLAM

Abdul Haqq the great Mohammedan commentator of the "Mishkat," states that the word implies, "submission to the Divine will".

In the dictionary of the Koran, entitled "Moghrab," Islam is explained as "entering into peace (SALAM) with another."

In the Koran, Surat-Ali-Imran, iii: 19. it is explained by, "surrender to God"

Second about MUSLIM

The same Sura, iii: 19 tells us it means, "surrendering to God" Again, Mohammed did not assert that Islam had any special reference to his own religion, but he distinctly says it was the religion of ALL the prophets from Abraham to Jesus, and to Mohammed. See Surat-Ali-Imran, iii: 78.

Say we believe in God and that which hath been sent down unto us, and that which was sent down unto Abraham, and Ishmael,

Jesus Christ was refused by our Lord Mohammad. He is not right in saying so. It is only Mohammad the True prophet of Allah who has accepted Jesus Christ son of Virgin Mary as the Divine Messenger and it is only through his blessed Teachings that we Muslims all over the world, believe that Jesus Christ an infallible prophet of Allah-has been given long life and raised into heavens and will come down one day when Allah wishes and say prayers behind our holy Imam Al-Mahdi (peace be upon him) the 12th Successor of the prophet of Allah.

He says:—These are names given by Mohammadans to the religion handed down by Mohammed and to his followers, respectively.

In Arabic dictionaries, the following, among other meanings, are given:—

[1] ISLAM—the Mohammedan religion, the true or orthodox faith among Mohammedans, the religion of Mohammed.

[2] MUSLIM—a true believer in the Mohammedan faith, a Musalman, a Moslem, (plural (MUSLIMIN).

Such are the meaning that Mohammedans would wish us to accept, and Europeans of all classes, missionaries included, have been far too obliging, in complying with their suggestions; for neither of those words, by their etymology, can claim any reference whatever to Mohammed or his religion.

Europeans have, in the past, without verifying their true meanings, too slavishly accepted the explanations put on those words.

Christians and Mahammedans do not, as a general rule, know what those words really mean, and so, implications have been put upon them which they will not bear.

Let us then go back to the etymology of those words, for they are both derived from the same root, leaving out all reference to Mohammed, as his name is in no way involved.

on which we are every day dependent is but the outcome of the conversion of Matter into Energy," (p. 25)

Now, observing *Matter and Energy interchangeable*, i. e. a material converted into a non-material and vice versa, we are simply justified in concluding that neither of them is eternal for, as I have shown in a previous part of this work (Arts. 21—23) even that energy could not but have been supplied by an Intelligent Being of infinite power and wisdom.—the First Cause and the Creator of all.

Islam and Muslim

Mr. W. Jukes in one of his contributions, to the Moslem World. America, some time past being affected by the attraction versted in the above words tried to induce the christian world to accept them in exchange for Christianity and Christian respectively. To his great disappointment the Christian world has not yet consented to use these words as advised We have so often declared on public platforms as well as in writing that Islam is not a new religion. All the prophets who came to this world in different ages and countries were Moslems, the last of them our Lord Mohammad was also a Moslem. Our Christian friend suggests that Mohammadaneism should be used instead of Islam and every Moslem should be called a Mahammadan. He must know that being a Moslem we are proud of being Mohammadan too as our Lord Mohammad the true prophet of Allah gave us that guide book which will illumine the dark paths till the end of this world. The Quran has declared that all the prophets were muslim.

It is a pity, however that our Christian as well as other Non-Moslem friends do not pay due reverence to our holy prophet who is the only world Teacher who testified to the statements of all preceding true world Teachers. Mr. Jukes in the end of his contribution states that

ments now come to the following conclusion:—

"Matter when thus studied melts away therefore, into a kind of power." (The book of knowledg Vol. XX, R 5336).

Sir Oliver Lodge, F. R. S., D. Sc., LL. D. &c., &.,—a most eminent scientist of the present day deals with the same subject in the first chapter of his recent work "Making of Man" (published by Hodder and Stoughton Ltd , London June 1924). The following quotations from the work will be found useful and instructive:—

(1) "The aim of Physics at the present time is to explain all material phenomena in terms of Ether and Motion. Energy and matter are now beginning to be considered interchangeable. Strictly speaking, Matter is not conserved nor is energy. What is conserved is the sum of the two," (pp. 23—24)

(6) The author gives a foot-note on the above which runs thus:—

"Haeckel of Jena said something liket his years, ago in advance of demonstration. At that time I disagreed with him, and said so; but recent progress has justified his speculation. The assertions of men of genius are often of value: their denials, seldom or never." (p. 24)

(3) "Matter is turning out to be one of the forms of energy,—a newly discovered form discovered largely through the genius of Einstein." (p 24)

(4) "But now that we know that matter is composed of positive and negative electric charges,....we are beginning to realise that matter is one of the forms which its rotatory or circulating motion or some other modification as yet unspecified, can take" (p. 24)

(5) "And now, in the giant stars, we see some of the energy of atoms converted before our eyes into light and heat" p. 24—25)

(6) "Even in our own Sun the process is going on though not with the same violence as in the giant stars; and the heat of the Sun

infinitely wise and *powerful* personal spirit whose existence, upon the hypothesis of his possessing the power of absolute creation is *sufficient to account for* all the phenomena of the Universe, *it is unphilosophical to multiply gratuitously causes* by supposing the independent, eternal, self-existence of matter also"

(d) "When the physical Philosopher has *analysed matter* to its ultimate atoms, and determined their essential primary properties, he finds in them as strong an evidence of *a powerful antecedent cause,* and of a wisely *designing mind,* as he does in the most complex organization of nature. For what are the ultimate properties of matter but the elementary constituents of the universal laws of nature, and the ultimate conditions of all phenomena? If the *design* discovered in the constitution of the finished universe proves a *Divine Former* by equal right must the same design discovered in the elementary constitution of matter prove a *Divine Creator.*"

(e) 'Atoms were asserted by *Sir John Herschell* to have all the appearance of a manufactured article on account of their *uniformity.* Whether or not the conception of a multitude of beings existing from all eternity is in itself self contradictory, the conception certainly becomes palpably absurd when we attribute a relation of *quantitative equality* to all those beings. We are then forced to look beyond them to some common cause or common origin to explain why this singular relation of equality exists. We have reached the utmost limit of our thinking faculties when we have admitted that because matter cannot be eternal and self existent it must have been created."

It should be noted that the above arguments against the eternity of matter are generally based on the assumption of the old *atomic theory,* probably the oldest one about matter But the *new discovery* that matter is electrical throws greater light on the subject. For fuller particulars the reader is referred to the 'Book of Knowledge" Vol. V. & VI, PP. 1567—1570, (Published by the Education Book Company London), Modern scientists have, after careful investigation and constant experi-

the less the excellence or the power of each of the number and the greater the necessity for an instrument or material, the less the power of the worker."

Thus we see that God could not be Omnipotent if He stood in need of some material-something He did not create for the formation or arrangement of the Universe. If God is not Omnipotent He cannot be called God

(5) The theory of supposing the eternal God to be the Supreme Ruler and the eternal matter and souls His dependents or subordinates does not conform to reason, for, in that case, there should exist some other thing to account for the *difference* between the Ruler and the ruled. Hence the necessity for supposing a *fourth eternal* of a greater power that could have raised the one to the dignity of a ruler and caused the others to become his subordinates because the eternity of God souls and matter-which is supposed to have been common to all-cannot be taken to explain their *difference in power and knowledge*. The chain would thus be infinite which is simply absurd.

(c) CLERK MAXWELL'S ARGUMENTS.

Professor *Clerk Maxwell* a famous Scientist, has thus briefly mentioned his arguments in proof of absolute creation:—

(a) "This doctrine alone is consistent with the feeling of *absolute dependence* of the creature upon the Creator which is inherent in every heart and which is inculcated in all the teachings of the Scriptures. It could not be said "that He up-holds all things by the word of His power" nor "that we live and move and have our being in Him" unless He be absolutely the *Creator* as well as the *Former* of all things."

(b) "It is manifest from the testimony of *consciousness* that our souls are distinct individual entities and not parts or particles of God; that they are not eternal."

(c) "After having admitted the necessary self-existence of an

some fixed period, and He cannot be any other being than the Eternal One who is also their Creator

(3) Believers in this kind of Trinity (i. e. eternity of God, soul and matter) do also hold that God is *perfect* and the other two are *imperfect.* But the belief is utterly unfounded. How does it conform to reason:—

(a) that one external being (i. e. God) has all power and all knowledge.

(b) that the second (i. e. soul) has only a limited power and limited knowledge, and

(c) that the third [i. e. matter] is only a blind power without knowledge and consciousness ?

If eternity is the cause of perfection in the of God how is it that the same eternity is not the cause of perfection in the case of other co-eternal beings i. e matter and soul ? If, on the contrary, eternity be not taken as the cause of perfection in anything what reason can be assigned for belief in God's perfection ?

(4) The theory asserts that a *potter* cannot make pots without clay etc., so the *Almighty God* could not form the Universe without matter and soul already in existence ! Unless these eternals exist by themselves, eternally acting according to their inherent qualities or essential properties God cannot, it is said, form and mould them in the present shape of Universe. This notion clearly violates the Superiority of *God's Omnipotence*, and places the Most High on a very unworthy platform, attributing to him power similar to that of a *potter*, a *mason*, a *carpenter* or any other *workman.* It is true that a potter (or any human being) cannot work without materials simply because he is not Almighty. *Is it not unreasonable to consider the Omnipotent God as conditioned and limited by the inherent properties and power of these primary materials*-Jivatama (soul) and Prakriti matter) ? The following rule is *a self-evident truth* which no one can deny:—

"The greater the number of hands required for a particular effect

In the first or *primary sense* of creation the Almighty God is the only Creator as no other being has the power to create a thing out of nothing. The formation of the Universe with already existing souls or matter is only *secondary creation* and applies but to a subsequent act of God. In other words God is the Creator of souls and matter (in its most elementary form) in the first sense of the word and the Creator of the whole machinery of the universe (with all its parts) in the second sense thereof.

This definition of creation is fully adopted by *Islam* and almost all the religious systems believing in a *Wise* and *Intelligent Creator*, but only the second part is accepted by the *Arya Samaj*. Similar views were held by *Plato* and *Aristotle* who believed that there are two eternal self-existent principles God and matter Thus we see that these gentlemen keep matter and souls beyond the creative energy of God, thus placing a *limit* on His infinite power.

(B) ETERNITY OF MATTER AND SOUL CONFUTED

Let me now give some arguments to show why the Aryan theory is untenable—why we cannot believe in the eternity of matter and soul: –

(1) If *matter* and *soul* are regarded as co-eternal with God they should be *independent* of Him in all respects. *From whatever inherent power they are supposed to be eternal from the same inherent power must arise their quality of self-preservation as well as their freedom from His sovereignty.* But as they are admittedly under His full Sway and entirely *dependent* on Him it follows that they are not self-existent and co-eternal with the Supreme Ruler.

(2) In the same manner if *matter* and *soul* be co-eternal with each other they should be *independent* of each other. But our experience shows their *mutual dependence*. A human soul, for instance, can only work through the medium of a body, and the body, with all its wonderful structure, is practically useless without the soul. This sort of *mutual dependence* shows that they are not co-eternal with, but under the full control of, the Supreme Ruler who has most wisely connected the one with the other for

Islam and The Divine Unity

By

Late Al-Haj Khawaja Gholam-ul Hasanain.

(Continued from No. 10 P. 5)

THE ARYAN TRINITY

ETERNITY OF MATTER & SOUL AS BELIEVED BY THE ARYA SAMAJ

NOW I am going to deal with *another form of the Trinity* so strongly advocated by the late Dayananda Sarasvati, the Founder of the Arya Samaj-a modern religious movement in India. The sum and substance of the belief so far as I have been able to gather from his writings may be briefly given as follows:—

'God, soul and matter are all eternal and so are their qualities. All atoms of matter in the universe, all souls contained in human or animal or even in vegetable bodies, as they say, are co-existent with God. It is impossible for Him to create a thing and whatever He has done or can do is the formation of the universe by making use of souls and atoms of matter already in existence just as a potter makes use of clay, water, etc., for making pots or earthenware. God is almighty notwithstanding His inability to create anything. Creation out of nothing they say means nothing and is quite impossible even for the Almighty."

(A) CREATION DEFINED

Before I proceed to examine this theory I want to let you know what is meant by *creation* The term, as used in theology, has a twofold sense:—

(1) bringing into real existence things which have no existence before.

(b) giving other forms to things already in existence.

THE ISLAMIC WORLD

BUDAUN. U. P.

Vol. 2 **JANUARY 1938.** **No. 1**

S. No. *Page No.*

SPECIAL FEATURES:-

REGD. No. A 3086.

THE ISLAMIC WORLD

BUDAUN, U. P.

Vol. 2 JANUARY No. 1

1938.

ANNUAL SUBSCRIPTION

INDIA Rs. 4/- SINGLE COPY (INDIA) -/7/-
FOREIGN Rs. 6/- FOREIGN -/9/-

HONORARY EDITOR--
E. A. SHAH NAQVI
LUCKNOW.

MANAGER & PUBLISHER-
ALI ASHRAF
KAZI STREET BUDAUN.

Printed by Ahid Uddin at the Nizami Press, Budaun.

اسلامی دنیا

بدایوں

چیف ایڈیٹر

ڈاکٹر ایس عنایت علی شاہ
نقوی

اغراض و مقاصد

۱۔ غیر مسلم حضرات کے سامنے حقایق اسلام کو بے نقاب پیش کرنا

۲۔ مسلم طبقہ میں رواداری کی مستقل لہر دوڑانا

۳۔ فرقہ وارانہ اختلافات اور کشیدگیوں کی خلیج کو لگاتار پاٹنے کی کوشش کرنا۔

۴۔ احباب کو مخلص اور مخالفین کو دوست بنانا

۵۔ حقیقی علمبرداران اسلام کی سوانح حیات اور اُن کی علمی اور اخلاقی تعلیم کو عملی رنگ میں پیش کرنا۔

۶۔ دنیائے اسلام کے اہم مسائل پر صحیح تنقید و تبصرہ کر کے غیر مسلم حضرات کی غلط فہمیوں کو رفع کرنا۔

۷۔ رعیت اور راعی کے تعلقات کو خوش گوار بنانا۔

۸۔ قرآن مجید کے متعلق جو شبہات پیدا کیے جاتے ہیں اُن کو بہ آئین شایستہ زائل کرنا اور ایسی چیزیں دنیا کے سامنے پیش کرنا جو عام فہم غلط فہمیوں کا ازالہ کر کے ہر فہیم انسان کو شیدائے اسلام بنا دیں۔

۹۔ مسلمات شیعہ سُنی کے خلاف کوئی شئے اس رسالہ میں درج نہ ہوگی۔

۱۰۔ اس رسالہ کے نامہ نگار اسلام کے سچے ہمدرد شیعہ و سُنی حضرات جو ملک میں کافی روشناس ہیں ہونگے

۱۱۔ حضرات علمائے اعلام کثر اللہ امثالہم اپنے بیش بہا افادات سے اس رسالہ کی وقتاً فوقتاً اعانت فرماتے رہیں گے۔

۱۲۔ غیر مسلم حضرات جو مشاہیر اسلام سے عقیدت رکھتے ہیں اُن کا کلام نظم و نثر بھی اس رسالہ میں درج ہوا کریگا۔

نظام العمل

۱۔ یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کے آخری ہفتہ میں بدایوں سے شایع ہوا کرے گا۔

۲۔ سالانہ چندہ عام شائقین سے چار روپیہ ہوگا۔

۳۔ بیرون ہند سے ساڑھے سات شلنگ ہوگا۔

۴۔ یہ رسالہ مخصوص غیر مسلم اداروں میں اور کتب خانوں میں بلا قیمت بھیجا جائے گا۔

۵۔ بلا وصول قیمت پیشگی پرچہ روانہ نہ ہوگا جو حضرات وی۔پی کی اجازت دیں گے اُن کا اخلاقی فرض ہوگا کہ واپس نہ فرمائیں۔

۶۔ جملہ خط و کتابت و ارسال مضامین بنام مدیر ہونا چاہیئے۔

۷۔ جملہ ارسال زر بنام منیجر ہونا چاہیئے۔

۸۔ جن حضرات کے پاس رسالہ آخر ماہ تک نہ پہنچے وہ صدر دفتر کو اطلاع دے کر منگوا سکتے ہیں۔

چندہ سالانہ چار روپے ۔۔۔ بیرون ہند سے چھے روپے

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ

اسلامی دُنیا

(زیر سرپرستی)

حضرت قمر الواعظین لسان الملتہ ناصر الشریعۃ مولانا مولوی محمد لقا علی حیدری مدظلہ العالی

(مدیر مسئول)

حکیم ڈاکٹر سید عنایت علی شاہ نقوی ایل ڈی ای ایم آئی ایس (میڈلسٹ) ایچ ای ایچ پی لکھنؤ

جلد ۱ ۔۔۔ فہرست مضامین اسلامی دنیا بابتہ فروری سنہ ۱۹۳۲ء ۔۔۔ نمبر ۲

ضروری نوٹ

رسالہ اسلامی دُنیا واسلامک ورلڈ نے دوسرے سال میں قدم رکھا۔ ہم اپنے محترم ناظرین سے شرمندگی کے ساتھ عذرخواہ ہیں کہ دوران سال میں بوجہ گوناگوں موانع کے ہم رسالہ کو وقت پر حاضر نہ کرسکے لیکن ہم کو فخر ہی کہ جو کچھ ہم نے اسلامی دنیا یا اسلامک ورلڈ کے صفحات میں پیش کیا وہ ہر طرح اطمینان بخش اور اغراض ومقاصد رسالہ کے مدنظر پایا گیا اور خدا کے فضل وکرم سے ہر شخص کو مدح خواں پایا۔ اس میں شبہ نہیں کہ بعض نفوس ایسے بھی ہیں جن کو رسالہ بھلا نہیں معلوم ہوتا اور اُن کو کوئی بات بھی ایسی نظر نہیں آتی جو توجہ کے قابل ہو۔ ہم کو نہ کسی سے گلہ ہی نہ شکوہ و فریاد کی عادت ایک کام کو صرف قربتہً الی اللہ کرنا چاہا ہی وہ ذرّہ نواز ہی اُس کے اشارے میں کچھ سے کچھ ہو سکتا ہی۔ اگر ہم حضرت مرزا صاحب کی طرح دعویٰ کرنا نامناسب نہ سمجھتے تو کہہ گزرتے کہ یہ معجزہ تھا اور کرامت تھی کہ ایک ایسا رسالہ جس کا خیرخواہ گروہ بہت کم۔ بدگو اور بدنظر زیادہ پھر بھی صرف زندہ نہیں بلکہ نہایت قلیل عرصہ میں دُنیا کے مختلف حصوں میں مشاہیر کی نظر سے گزرا اور مقبولیت حاصل کی اور اب ایک ایسا سالنامہ پیش کرنے والا ہی جو انشاء اللہ تعالیٰ اپنی نظیر آپ ہوگا اسلامی دنیا کے ہمدرد اس رسالہ کو ملاحظہ فرمانے کے بعد مطمئن ہو جائینگے کہ واقعی جو کچھ بددلی اُن کو پیدا ہوئی تھی اُس کا مداوا بہترین صورت میں کر دیا گیا۔ خدا نے چاہا تو اسی عنوان کے دوسرے نمبر بھی مناسب اوقات میں پیش ہوا کریں گے۔ اُمید ہی کہ مستقبل قریب میں رسالہ کے حجم میں بھی اضافہ ہو سکے گا۔ مارچ میں سالنامہ شائع کرنے کا قصد تھا لیکن بعض مخلص ہمدردان رسالہ کے اصرار پر اپریل میں تیار ہوگا۔ دیر آید درست آید جن حضرات نے سال گزشتہ کا چندہ مرحمت نہیں فرمایا ہی وہ اگر رسالہ جاری رکھنا چاہتے ہیں تو آخر مارچ تک چندہ روانہ فرمادیں ورنہ بذریعہ کارڈ یا خط مطلع فرمادیں تاکہ رسالہ اُن کے نام جاری نہ رکھا جائے اور ہم زیر باری سے اور وہ حجت سے بری ہوں۔

یورپ اور امریکہ کے اُن مشاہیر کے پتے ہم کو درکار ہیں جن کو اسلامی لٹریچر سے دلچسپی ہی جو صاحب ایسے اشخاص کے پتے روانہ فرمائینگے اُن کا صرف شکریہ ہی ادا نہ کیا جائے گا بلکہ ادارہ اسلامی دُنیا اُن کی خدمت میں بعض انگریزی کتب (تعداد ایڈریس کے اعتبار پر ہوگی) ہدیۃً روانہ کرے گا۔

اب تک ارادہ تھا کہ اشتہار بازی سے رسالہ کو بری رکھا جائے لیکن ہمارے تمام کرم فرما مصر ہیں لہذا رسالہ میں مہذب اشتہارات مناسب اجرت پر درج ہو سکیں گے۔ سالنامہ کئی ہزار کی تعداد میں دُنیا کے ہر گوشہ میں تقسیم ہوگا اور بفضلہ مشرق ومغرب میں رسالہ کے خریدار بھی ہر طرف ہیں لہذا اس نمبر میں اشتہار دینا یقیناً مفید ہوگا۔ ہم کو لانبے چوڑے الفاظ جو کلیتہً کامیابی کا پتہ دیں نہیں آتے۔ جو صاحب اپنے واسطے

مفید سمجھیں وہ ضرور اشتہار بھیجیں۔ اُردو یا انگریزی دونوں اشتہار جگہ پا سکیں گے۔ نرخ البتہ ہر رسالہ سے ارزاں ہوں گے جس کا تجربہ ہو سکتا ہے۔

خاکسار مدیر

اِصلاح ذاکری

(از جناب محمد ضیغم علی خاں صاحب رئیس و اسپشل مجسٹریٹ ہربوا)
(ضلع سلطانپور)

سکوں محال ہے دُنیا کے کارخانے میں
ثبات ایک تغیر کو ہی زمانے میں

ابھی کل کی بات ہے کہ مجالس میں مناظرانہ نکات پر واہ واہ کا شور اس قدر بلند ہوتا تھا کہ حضرات واعظین مجبوراً آئمہ دین کی سیرت کا پہلو نظر انداز کر جاتے تھے مگر آج ۱۹۳۶ء کے پہلے مہینے سے وہ نمایاں تغیر شعبۂ ذاکری میں عمل میں آیا کہ ہر فرد شیعہ اب کی کانپور کی عمسان کانفرنس کا عملی اقدام دیکھ کر صدر کانفرنس کے خلوص دلی اور حضرات علمائے ملت کی عملی دلچسپی کی مدح سرائی کیئے بغیر نہیں رہ سکتا ناچیز کو اتفاقیہ ۵ جنوری ۱۹۳۶ء کو ایک مجلس میں شرکت کرنے کا موقع ملا یہ مجلس سید حسین صاحب زیدی مرحوم وکیل کے دولت خانہ پر ۹ بجے شب کو منعقد ہوئی تھی اور مولوی لقا علی صاحب حیدری بدایونی نے ذاکری فرمائی تھی مجمع معزز حضرات اہل سنت کا بہت کافی تھا شہر کے وکلا صاحبان و اہلکاران کا اس قدر مجمع تھا کہ امام باڑے میں تل رکھنے کی جگہ نہیں تھی۔ ذاکر نے اپنے نئے انداز سے کلام پاک کی افضلیت کو بیان کیا کہ تمام مجمع تین گھنٹہ تک متواتر درود کے پُر زور نعرے لگا کر ذاکر کا دل بڑھاتا رہا۔ ذاکر نے اپنے مخصوص انداز سے آئمہ دین کی سیرت کا نقشہ کھینچ دیا اور پُر زور اپیل قوم سے کی کہ اسلام کی تمام مشکلات صرف اس وجہ سے ظہور میں آتی ہیں کہ ہم لوگ آئمہ دین کی سیرت کی پیروی عملاً نہیں کرتے ہیں۔ ذاکر نے مصائب معصومین اس انداز سے بیان کیئے کہ کسی فرقہ کے دل کو ٹھیس نہ لگنے پائے۔ ان تمام نکات کو مدنظر رکھتے ہوئے گریہ و بکا کا منظر ناچیز کو جو اس یادگار مجلس میں دیکھنے میں آیا آج تک کبھی کسی مجلس میں مخصوصاً سلطانپور میں ظہور میں نہیں آیا تھا۔

اس طریقہ پر مجالس سے نہ صرف تبلیغ اور تنظیم کی اشاعت ہوتی ہے بلکہ آئمہ دین کی سیرت اور ان کے بلند اور قابل تقلید اُسوہ حسنہ قوم کو بھولے ہوئے اخلاق حسنہ اور سیرت سازی کی طرف متوجہ کرتی ہے اور اتحاد کا سبق یاد دلاتی ہے۔ ناشکری ہو گی اگر مولوی صاحب کی کامیاب ذاکری کا تذکرہ کرتے ہوئے سید اظہر عظیم حسن صاحب کی نمایاں کارگزاری کو نظر انداز کر دیا جائے۔ (سرفراز ۲۱/۱/۳۶)

رُباعیات

(از جناب سید الشعرا خان بہادر سید محمد ہادی صاحب ڈپٹی کمشنر)

ہر مقصد اقدام نبی عالی ہے
ہر فعل کسی غرض سے کب خالی ہے
حمزہ کا پیمبرؐ نے دلا کر پُرسا
ماتم کی شہیدوں کے بنا ڈالی ہے

زربفت جہیز میں نہ کمخواب دیا
بیٹی کو رسولؐ نے یہ اسباب دیا
جلباب پلنگ۔ مشک۔ چکی۔ بستر
سارا سروسامان خور و خواب دیا

ماں ایسی کہ اک زمانہ تکریم کرے
بیٹوں کی نبی سپرد تعلیم کرے
زوجہ وہ کہ شوہر کے لیے مایۂ ناز
بیٹی ایسی کہ باپ تعظیم کرے

حضرت جو نماز سے فراغت پائیں
بیٹی کو زیارت کے لیے بلوائیں
جب جائیں تو فاطمہ کے گھر سے جائیں
جب آئیں تو فاطمہ کے گھر میں آئیں

پوچھو تو شکایتوں کا دفتر کھولیں
جو کھائیں نہ جب تک کہ نہ پہروں رولیں
کیا بات ہے فاطمہ کی خودداری کی
بیزار ہوں جس سے پھر نہ اُس سے بولیں

از خامہ حقیقت رقم جناب سید آل رضا صاحب ایڈووکیٹ لکھنو

وفا خطا تھی خطا جس نے زندگی بھر کی
اب اس کے آگے جو مرضی ہو بندہ پرور کی

جدا ہوا تھا جو سجدہ میں صبر و شکر کے ساتھ
اُسی نے سجدہ سکھایا قسم اُسی سر کی

تنقیدِ متین ردِ مذہبِ مسیحیین

عقیدہ تثلیث کی رد

(ایک امریکن عیسائی کے قلم سے)

یوں تو ہر شخص اپنے مذہب کو برحق سمجھ کر اس کی پیروی کرتا ہے اور متعصب اشخاص کسی وقت میں بھی کسی دوسرے مذہب کی حقیقت کے دلائل سننے کو آمادہ نہیں ہوتے لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مذہب کی واجب یا ناواجب سختیوں سے تنگ آکر آزاد خیال حضرات مطلق العنان بن جاتے ہیں اور ایسی حالت میں جو کچھ اُن کے زبان و قلم میں طاقت ہوتی ہے وہ اس مذہب کی رد میں صرف کرتے ہیں جس کی جکڑ بندی میں وہ آجکل رہے تھے۔ ہندوستان میں ایسی صدہا بلکہ ہزارہا مثالیں موجود ہیں لیکن خوش قسمتی سے مجھے حال میں ایک ایرانی دوست نے ایک انگریزی کتاب مرحمت فرمائی جس کا نام Lectures and Essays (a selection) by Col. R. G. Ingersoll ہے۔ یہ کتاب واٹس کمپنی نے لندن میں طبع کرائی ہے اور اس میں کئی سلسلے ہیں بیان کے اہل الرائے حضرات کا خیال ہے کہ کرنیل انگرسول سے بہتر مقرر نہیں گذرا بعض نے اُن کی تحریرات کو شکسپیر سے بہتر اور بعض نے اُس کا ہم پلہ قرار دیا ہے کرنیل صاحب موصوف اُنیسویں صدی عیسوی میں امریکہ میں گزرے ہیں اور چونکہ بوجہ اپنی علمی قابلیتوں کے مشہور خواص و عوام ہیں لہذا اُن کے متعلق کچھ زیادہ کہنا بخوف طوالت مناسب نہیں سمجھا گیا۔ برادران اسلام کی اطلاع اور مسیحی بھائیوں کی عبرت کے واسطے اس کتاب کے تیسرے سلسلے کے مضمون "The foundation of faith" یعنی بنیاد عقیدہ کے چوتھے حصہ "The Trinity" کا ترجمہ ذیل میں درج کرتا ہوں اُمید ہے کہ نتیجہ خیز ہوگا۔

تثلیث

عہد نامہ جدید سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ (حضرت) مسیح پسر یوسف ابن اللہ تھے اور (حضرت) مریم اُن کی والدہ تھیں یہ امر کس طرح پر ثابت ہوا کہ (حضرت) مسیح ابن اللہ تھے؟ اس کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ یوسف کو اس امر کی اطلاع خواب میں دی گئی تھی اور ایک فرشتہ نے بشارت دی تھی لیکن یوسف نے اس بارہ میں نہ کچھ لکھا نہ جہاں تک ہم کو علم ہے زبانی بیان کیا نہ حضرت مریم نے تحریر کیا یا تقریراً کچھ اس مسئلہ پر روشنی ڈالی۔ جو فرشتہ یوسف کو نظر آیا یا جس نے یوسف کو

یہ خبر دی تھی اُس نے بھی کسی دوسرے کو اس امر سے آگاہ نہ کیا نہ روح القدس (مفروضہ باپ) نے بھی کچھ بیان کیا نہ ایک حرف لکھا۔ ہم کو فریقین متعلق معاملہ سے کوئی اطلاع اس امر کی نہیں ملی، ہم کو جو کچھ واقعات ملے ہیں وہ صرف اُن لوگوں سے حاصل ہوئے ہیں جن کو کچھ بھی علم نہیں ہو سکتا تو ایسی حالت میں یہ کیونکر ممکن ہو کہ روح القدس مسیح کا باپ ہو سکے، کون جانتا ہو کہ روح القدس کی ایسی ہستی کبھی موجود تھی اور (حضرت مریم کے واسطے یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ روح القدس کی بابت کچھ علم حاصل کرتیں (اور) یوسف کیونکر جان سکتا تھا کہ خواب میں اس سے ایک فرشتہ سے ملاقات ہوئی تھی کیا یہ ممکن تھا کہ وہ آنے والے کو فرشتہ ہی سمجھتا؟ یہ سب کا سب خواب میں گزرا اور غریب یوسف سوتا رہا ایسے شخص کی شہادت کیا وقعت رکھتی ہو جو سو رہا تھا ہمارے پاس جو کچھ شہادت ہو وہ یہ ہو کہ کسی ایک شخص نے جس نے عہد نامہ جدید کا کچھ حصہ لکھا اُس نے یہ بیان کیا ہو کہ روح القدس مسیح کا باپ تھا اور کسی دوسرے شخص نے جس نے عہد نامہ جدید کا دوسرا حصہ لکھا یہ بیان کیا کہ (حضرت) مسیح کا باپ یوسف تھا متی اور لوقا نے شجرہ نسب دیا ہو اور ظاہر کیا ہو کہ مسیح یوسف کے بیٹے تھے۔

نجات کا عقیدہ بلا کسی شہادت و تصدیق کے قائم کر لیا جائے؟ یہ کوئی طریقہ نہیں ہو جس سے نجات ثابت ہو یہ بات عقل و فہم کے دسترس سے بالاتر ہو مشاہدہ کے خلاف ہو تحریر سے مستغنی ہو۔

صرف یہی دعویٰ نہیں کیا جاتا کہ (حضرت) مسیح ابن اللہ تھے بلکہ یہ بھی دعویٰ ہو کہ وہ خدا تھے اور ہیں کیا وہ قبل پیدا ہونے کے خدا تھے؟ اور کیا (حضرت) مریم کا جسم خدا کے رہنے کا مکان تھا؟ ہمارے پاس اس امر کی کیا شہادت ہو کہ وہ خدا تھے؟ کسی شخص نے یہ دعویٰ مسیح پیش کیا ہو کہ وہ فرماتے تھے کہ خدا اُن کا باپ ہو اور یہ کہ وہ خود اور باپ دونوں ایک ہیں ہم کو معلوم نہیں کہ یہ .... (کوئی شخص) کون تھا اور یہ بھی معلوم نہیں کہ اُس کو یہ اطلاع کہاں سے ملی، کسی ملہم شخص نے یہ بیان کیا ہو کہ (حضرت) مسیح نسل (حضرت) داؤد سے تھے اور اُن کا باپ یوسف تھا بس ہمارے پاس صرف یہی شہادت ہو کیا ہم یہ اعتقاد کر سکتے ہیں کہ خدا خلاق عالم نے بیت المقدس میں نجار کا پیشہ سیکھا اور یہ کہ اُس نے اپنے گرد و پیش چند مرید جمع کیے اور تقریباً تین سال تک تعلیم دینے کے بعد چند نادان اور پرہیزگار یہودیوں کے ہاتھ سے صلیب چڑھا یا گیا؟ بموجب عقیدہ تثلیث (حضرت) مسیح اقانیم ثلثہ میں دوسرے شخص ہیں باپ پہلا ہو اور روح القدس تیسرا ہو۔ ان تینوں میں سے ہر شخص خدا ہو (حضرت) مسیح خود اپنے باپ ہیں (بموجب عقیدہ مسیحئین) اور خود اپنے بیٹے ہیں روح القدس نہ باپ ہو نہ بیٹا ہو لیکن ہر دو ہو، بیٹا باپ سے پیدا ہوا لیکن پیدا ہونے سے قبل ویسا ہی موجود تھا جیسا کہ بعد میں، مسیح کا سن بھی اتنا ہی ہو جتنا اُس کے باپ کا روح القدس باپ اور بیٹے سے پیدا ہوا لیکن پیدا ہونے سے قبل وہ باپ اور بیٹے دونوں کے برابر تھا لیکن وہ بھی اُسی عمر کا ہو جس عمر کے یہ دونوں ہیں اس بنا پر یہ عقیدہ ظاہر کیا جاتا ہو کہ بلسبب خدا ہو بیٹا

خدا ہی اور روح القدس خدا ہی اور یہ تینوں مل کر ایک خدا ہوتے ہیں، اس عجیب غریب آسمانی ضرب کے قاعدہ سے ۳ = ۱×۱ کے ہوتا ہی اور ۱ = ۱×۳ کے ہوتا ہی اور اس آسمانی تفریق کے قاعدہ کی بموجب اگر ہم ۲ کو ۳ میں سے گھٹائیں تو حاصل تفریق ۳ ہوتا ہے (۳ = ۳ − ۲) اور ایسے نورانی قاعدہ کی جمع بھی ایسی ہی عجیب اور خاص قسم کی ہی یعنی ۱=۱ ۲ ہر ایک اپنے برابر ہی اور دوسرے ۲ کے بھی برابر ہی، ہر صاحب فہم بآسانی سمجھ سکتا ہی کہ اس قاعدہ تثلیث سے زیادہ حماقت اور بے عقلی کا عقیدہ نہ کبھی ہوا ہی نہ آئندہ ہو سکتا ہی۔

اقانیم ثلثہ کا وجود کس طرح ثابت کیا جائے؟

قطعی محال ہی کہ کوئی انسان جو صرف ایک مرتبہ پیدا ہوتا ہی یہ خیال کر سکتا ہی کہ تین وجود ایسے ہو سکتے ہیں جنہیں کا ہر ایک تینوں کے برابر ہو؟ خیال کرو کہ ان تینوں میں سے ایک دوسرے کا باپ ہی اور خیال کرو کہ وہ ایک نصف انسان اور کل خدا ہی اور خیال کرو کہ تیسرا ان دونوں سے پیدا ہوا ہی پھر تینوں کو ایک خیال کرو۔ یہ بھی خیال کرو کہ باپ سے جب بیٹا پیدا ہوا تب بھی باپ تنہا تھا اور باپ اور بیٹے سے جب روح القدس پیدا ہوا تب بھی باپ تنہا تھا کیونکہ سوائے ایک خدا کے نہ کبھی تھا نہ ہوگا۔

جب مہملیت اس حد کو پہونچ گئی ہو تو سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ہم کو بس (آنکھ بند کر کے پرستش کرنا چاہیئے۔

(مترجم) مجھے اگرچہ کرنل انگرسول کے عقیدہ سے پورا اتفاق نہیں ہی کیونکہ جن چیزوں کا انھوں نے قطعی انکار کیا ہی اُن میں سے بعض وہ بھی ہیں جن کے خلاف قرائن عقلیہ بھی ہیں، اور کرنل صاحب کا قیاس اس موقع پر قیاس مع الفارق کی حیثیت رکھتا ہی لیکن اس میں شبہ نہیں کہ عقیدہ تثلیث یقیناً بعید از قیاس عقیدہ ہی اور اب تک اس کے ثبوت میں نہ دلائل عقلیہ پیش کیئے جا سکتے ہیں نہ آئندہ امید ہی یہی وجہ ہی کہ یورپ اور امریکہ کا سمجھدار طبقہ تثلیث کو ترک کر رہا ہی اور چونکہ صحیح عقیدہ کی تعلیم اُن لوگوں کو نہیں دی جا رہی ہی اس وجہ سے وہ ایک دم الحاد کی جانب جا رہے ہیں۔

انشاءاللہ عنقریب وہ وقت آئے گا کہ حقیقی دین الٰہی کے مبلغین یورپ و امریکہ میں پہونچکر کار تبلیغ کو انجام دینگے اس اہم دینی خدمت کی انجام دہی کے واسطے کام کرنے والے آدمی اور دام درکار ہیں۔ ایسے اشخاص جو علوم مغربیہ میں بھی کمال رکھتے ہوں اور علوم دینیہ سے بھی کافی باخبر ہوں اس کام کے واسطے مفید ہو سکتے ہیں بشرطیکہ قوم اُن کے جانے اور ممالک مغربیہ کے مصارف کا انتظام کرے۔

(الاحقر محمد لقا رعلی حیدری واعظ مسلم مشنری)

حضرت ابوطالبؑ

(از افاداتِ حضرت علامہ رزم ردولوی زاد فضلہ)

اک تو شیخ القریش و سید البطحیٰ ہوا
اک تو دُرِّ ثمین بحرین عز و جاہ کا

ای کہ پیشانی ہے تیری مطلعِ انوارِ کائنات
ای کہ تیرا قلب طاہر منزلِ نورِ خدا

تو ہی لفظ آلِ ہاشم کا وہ معنی جمیل
نسل میں جس کی امامت کا سنہرا سلسلہ

کیا ثمر لائی ہے تیری خدمتِ بیت الحرام
ہو گیا فرزند تیرا خانہ زادِ کبریا

وہ خلف جس کو پیمبر نے کہا خیر البشر
وہ بہو جس کا دو عالم میں لقب خیر النسا

کیوں نہ ہوتا نیر اعظم فخرِ عرب شانِ حجاز
تو کہ ہے عمِ مکرم سرورِ کونین کا

ای سقایت کرنیوالے حج بیت اللہ کے
حق نے تیرے لال کو ساقی کوثر کر دیا

تیرے دامن کو ہے رشتہ چادرِ تطہیر سے
تیری گودی کا پلا ہے وارثِ دارِ انما

ہے جزاک اللہ یہ دردِ اخوت کی تڑپ
آج ہے بھائی پہ قربان کل بھتیجے پر فدا

جان پر کھیلا کیا جانِ برادر کے لئے
وہ ہی سینہ سپر تو ہے عبداللہ تھا

ایسے ہی سینہ میں ہوتا ہے خدا آگاہ دل
جس کی طینت ہو محبت جس کی فطرت ہو وفا

جب تھا روشن ضمیر جس سے تجھ پر تھا عیاں
صلبِ عبداللہ میں پنہاں ہے نورِ کبریا

یہ شرف تیرا کہ حق نے بعد عبدالمطلب
شاہِ کونین کو تیری ولایت میں دیا

ذمہ داری میں یہ تھیں احساس کی بیداریاں
دل کی ہر جنبش تھی مفہومِ خیالِ مصطفےٰ

وہ سلوکِ کرم وہ شفقت وہ خلوصِ انہماک
صفحۂ تاریخ پر جاندار تصویرِ وفا

والہانہ خدمتیں طرح خاطر داریاں
بے تکلف جذبہ داری جاں نثاری برملا

دستِ دشمن کیا کہ دشمن کی ہوا بھی دور تھی
تھا تہِ دامن ترے روشن چراغ دوسرا

قبل انصار و مہاجر یارِ ہستی تھی تیری
جس نے ہر پہلو سے روکی یورشِ اہلِ جفا

تیغ دشمن کش تھی ہستی ابوطالب کبھی
اور کبھی حصن حصین شعب بوطالب بنا

ہر نظر سے تیری اک شانِ حمایت آشکار
ہر نفس اک اہتمام خاص میں ڈوبا ہوا

تیرا استقلال ایسے پرخطر ماحول میں
اہلِ ہستی کے لئے ہے معجزہ سا معجزا

تو نے دیکھا ہے نبوت کا لڑکپن و شباب
تیرے سایہ میں چڑھا پروان وہ ظلِ خدا

اک جوانی دید کے قابل غدیر خم میں تھی
تو کہاں تھا جب ہوئی تکمیلِ دینِ مصطفےٰ

"حُسینؑ"

(از افادات حضرت علامہ زمرد لوی زاد فضلہ)

شمعِ حق بن کر رہا یا حق پہ دیکر سر گیا
تو بصورت صداقت کو درخشاں کر گیا

تو نے ثابت کر دیا ہوتی نہیں حق کو شکست
بات ایماں کی رہی گو راہِ حق میں سر گیا

کیسے تیور سے دیا اموی سیاست کا جواب
یعنی روشن امتیازِ کفر و ایماں کر گیا

تیری مظلومی کی قوت تھی جواب سلطنت
شان تیری چھا گئی ظالم کا کر و فر گیا

تو نے گل بوٹے بڑھائے گلشنِ اسلام میں
باغ تیرا لٹ گیا ایمان کا دامن بھر گیا

لکھنے والے یہ بھی لکھدے اس حدیثِ غم کے ساتھ
کون مر کر بھی ہے زندہ کون جی کر مر گیا

زندگی در اصل ہے احساس کی برجستگی
گر نہیں ہے حس تو انساں جیتے جی ہی مر گیا

اپنے خوں سے دھو کے روشن کر گیا رازِ حیات
یعنی جان دے کر تو احساسات زندہ کر گیا

دردِ ملت دردِ قومی دردِ نوعی دردِ دل
درد سے خالی تھی دُنیا درد سے تو بھر گیا

صرف گریہ سے نہیں ممکن ہے تکمیلِ ولا
یہ تو وہ غم ہے جو قاتل کو بھی گریاں کر گیا

نازِ زمرد تیرے شعر ہیں یہ روح تو پہلے نہ تھی
شعر نکلے یا کہ دردِ دل کو موزوں کر گیا

قطعات

در مدح امام آخر الزماں علیہ السلام

(از جناب سید لایق علی صاحب ہنر لکھنوی)

درد فرقت سے نہ گھبراؤ ہنر
دل تصور ہی میں بہلاؤ ہنر

وہ نہ آج آئے تو کل آئیں گے عجل اللہ کہے جاؤ ہنر

دیگر

رسول خدا کی شباہت بھی دیکھیں

الٰہی ترا رنگ قدرت بھی دیکھیں	بہار گلستان رجعت بھی دیکھیں
جو گل مثل معنی قرآن ہو پنہاں	ہم اس چھپنے والے کی صورت بھی دیکھیں
مواحق عیاں مٹ گیا رنگ باطل	کسی شان سے یہ عبارت بھی دیکھیں
جلائے جو مردوں کو فیض قدم سے	قیامت سے پہلے قیامت بھی دیکھیں
امامت کا جلوہ نمایاں ہو رخ سے	رسول خدا کی شباہت بھی دیکھیں

اس امید پر حال دل لکھ رہا ہوں
عریضہ مرا کوئی حضرت بھی دیکھیں

ضروری اطلاع

اس ماہ میں رسالہ "اسلامی دنیا" نے اپنی حیات کا پہلا سال پورا کیا۔ ہم ہمدردان اسلامی دنیا کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انھوں نے اس کی قدردانی کی۔

خریداران رسالہ سے گزارش ہے کہ وہ اپنا آئندہ سال کا چندہ دفتر اسلامی دنیا کو بذریعہ منی آرڈر روانہ کر دیں یا وی۔ پی بھیجنے کی اجازت دیں آئندہ ماہ سے اُن حضرات کو رسالہ نہیں بھیجا جائے گا جنھوں نے سال گزشتہ کا چندہ ادا نہیں کیا ہے جبکہ پرچہ ان کو برابر پہنچتا رہا ہے۔

منیجر

معیار المنافقین

(۱۱) بسلسلہ جنوری ۱۹۳۳ء

(اثر خامہ گوہر فشاں عالیجناب فضائل مآب نواب شیخ محمد حسین صاحب خان بہادر او۔ بی۔ ای تعلقہ دار پریا نواں ضلع...)

اور اسنی المطالب[1] شمس الدین محمد الجزری میں عبادہ بن صامت سے مروی ہو کہ

کنا بنورا ولادنا بحب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فاذا رأینا احدا منھم لایحب علی بن ابیطالب علمنا انہ لغیر رشدۃ و قولہ لغیر رشدۃ ہو بکسر الراء و اسکان الشین المعجمۃ ای ولد الزنا ہذا امشہور من قدیم والی الیوم انہ ما یبغض علیا الا ولد الزنا۔	ہم لوگ اپنی اولاد کو حضرت علی کی محبت سے جانچتے تھے اور اگر اُن میں سے کسی کو علی کا محب نہیں دیکھتے تھے تو سمجھ لیتے تھے کہ وہ ہم سے نہیں ہو بلکہ ولد الزنا ہو۔ نیز یہ بات قدیم زمانے سے اب تک مشہور ہی کہ علی سے سوا ولد الزنا کے کوئی شخص بغض نہیں رکھتا۔
(و رو ینا ذالک ایضا عن ابی سعید الخدری رض)	یہ حدیث علاوہ عبادہ بن صامت کے ابوسعید خدری سے بھی مروی ہو۔

الغرض حسب مضمون احادیث مذکورہ اظہر من الشمس ہو کہ حضرت علی بن ابی طالب سے بغض و عداوت رکھنا منافقین جہنم مکین کی شناخت کا معیار قرار دیا گیا اور یہ بھی شک نہیں کہ جو لوگ اسلام کے مدعی بنے اُن میں سے اکثر کے قلوب آخر عہد رسالت تک صاف نہیں ہوئے حتیٰ کہ زمانہ حجۃ الوداع تک بلکہ اعلان ولایت مرتضوی و نزول آیت الیوم اکملت لکم دینکم کے بعد بھی بعض صحابہ کے دل حضرت علی کی جانب سے بغض آلود تھے چنانچہ علامہ شیخ محمد[2] بن سالم حنفی شافعی حاشیہ جامع الصغیر میں حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ کی شرح کرتے

---

[1] جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی بستان المحدثین میں لکھتے ہیں کہ صاحب حصن حصین قاضی القضاۃ شمس الدین محمد بن محمد بن علی بن یوسف بن عمر مشہور بابن الجزری جل میں دمشق ہیں ۲۵ رمضان المبارک ۷۵۱ھ شب شنبہ کو بعد نماز تراویح دمشق میں پیدا ہوئے حافظ ابن کثیر اور علما کی جماعت کثیرہ سے علم نحو و حدیث حاصل کیا نیز علم قراۃ کی بھی تکمیل فرمائی بعد ازاں ملک روم میں پہونچکر اُنھوں نے علم قراۃ کو رواج کیا چنانچہ اہل روم نے ان کو امام اعظم کا لقب دیا اُن کی کل تصنیفات بہت مفید ہیں منجملہ دیگر تصانیف کے یہ کتابیں بھی ہیں۔ النشر فی القراۃ العشر تفسیر سورۃ الفاتحہ۔ الجمال فی اسماء الرجال۔ ہدایۃ الہدایہ فی علوم الحدیث والروایہ۔ توضیح المصابیح۔ التعریف مولد الشریف اسنی المطالب فی مناقب علی بن ابی طالب۔ الجوہرا العلیہ فی العلم العربیہ وغیرہا (ملخص ترجمہ)

[2] کتاب سلک الدرر فی اعیان القرن الثانی عشر میں ہو کہ محمد بن سالم بن احمد الشافعی المصری الشہیر بالحفنی الشیخ العالم المحقق المدقق العارف باللہ تعالیٰ

ہوئے لکھتے ہیں کہ:

ولما سمع ذلك بعض الصحابة قال ما يكفي رسول الله ان نأتي بالشهادة واقام الصلوٰة وايتاء الزكوٰة حتى يرفع علينا ابن ابي طالب فهل هذا من عندك ام من عند الله. فقال صلى الله عليه وسلم والله الذي لا اله الا هو انه من عند الله

یعنی من کنت مولاہ فعلی مولاہ کو سن کر بعض صحابہ نے جناب رسالت مآب سے کہا کہ کیا ہم لوگوں کا کلمہ شہادت ادا کرنا اور صلوٰۃ و زکوٰۃ کا پابند ہونا کافی نہیں ہے جو اب ہم پر ابوطالب کے بیٹے (علی) کو حاکم بنایا جاتا ہے تب آیا یہ امر تمہاری جانب سے ہے یا خدا کی جانب سے؟ رسول مقبول نے فرمایا کہ واللہ یہ امر خدا کی جانب سے ہے۔

نیز سیرۃ الحلبیہ و جواہر العقدین سمہودی و روضۃ الندیہ محمد بن اسمٰعیل امیر یمنی و تفسیر ابوسعود حنفی و تفسیر قرطبی و تفسیر ثعلبی وغیرہا میں ہے کہ

جب خطبۂ من کنت مولاہ فعلی مولاہ کی خبر بلاد و امصار میں شایع ہوئی تو حارث بن نعمان فہری رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ

تم نے نماز پنجگانہ و زکوٰۃ و صوم و حج کے احکام ہم سے قبول کرائے لیکن اس پر بھی راضی نہ ہوئے جواب اپنے ابن عم (علی) کو ہم پر فضیلت دے کر کہتے ہو کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ پس تمہارا یہ کہنا محض تمہاری جانب سے ہے یا خدا کی جانب سے؟ آنحضرت نے فرمایا کہ واللہ میرا یہ اعلان خدا کی جانب سے ہے۔

ان اخبار عبرت آثار سے دو باتیں مستنبط ہوتی ہیں اولاً یہ کہ منافقین گو وہ بن اگرچہ بظاہر پابند صوم و صلوٰۃ نظر آئیں لیکن ضلالت نفاق کی بدولت آخر کار ان کا ٹھکانا ہوا فی الدرک الاسفل من النار ہے۔

ثانیاً چونکہ رسول مقبول کو معلوم تھا کہ وہی لوگ علی سے بغض رکھینگے جو منافق ہوں گے لہٰذا ان کے منافق ہونے کا ثبوت خاصۃً بغض علی کی علامت پر منحصر فرمایا گیا۔ چنانچہ نفاق کا خبیث مرض آخر عہد نبوت ہی تک ختم نہیں ہو گیا بلکہ بعد میں بھی باقی رہا۔ اور

هلم جرا

اب تک دائر و سائر ہے

اللهم احفظنا من شر المنافقين الذين هم يبغضون امير المومنين۔

(بسلسلۂ صفحہ ۸) تعلب قتہ ۱۰ ولد بجفنہ قریۃ من قری مصر ۱۰ و اشتغل بالعلم علی من بہ من الفضلاء کمحمد بن عبد اللہ السجلماسی و عبد بن علی النمرسی و مصطفیٰ بن احمد العزیزی و شمس محمد بن ابراہیم الزیادی الملقب بعبد العزیز و علی بن المصطفیٰ السیواسی الحنفی ۱۰ (الف التالیف النافعۃ

سلہ ای ولیہ و ناصرہ (سراج المنیر عزیزی شرح جامع الصغیر سیوطی)۔

سلہ ای سیدہ (حاشیہ علامہ محمد بن سالم حفنی شافعی بر جامع صغیر سیوطی)

تاجدارِ شہادت

حق و صداقت شہزادہ پیارے رسول کا پیارا نواسہ

(از جناب

شاہ ہست حسین و بادشاہ ہست حسین دین است حسین و دین پناہ است حسین
سرداد و نداد دست در دستِ یزید حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسین

کتب آسمانی صحفِ انبیاء۔ دساتیرِ قدیم ارتقاءِ انسانی کے کوائف بیان کرنے والی ہسٹریاں۔ اور تاریخ عالم کی کتابیں سب شاہد ہیں کہ ابتدائے عالم سے اسلام کے بانی حضرت محمد عربی کی بے مثال ہستی اور بے نظیر عظیم الشان ذات قدسی ایک کامل و اکمل ہادی کا نام نامی دُنیا کی رہبری و ہدایت کیلئے مثل آفتاب نیر و نور روشن و درخشاں اور عالم میں مشہور و معروف چلا آتا ہے۔ زمانہ ابتدائے آفرینش سے محمدؐ کے نام سے واقف ہے۔

آدم سے لے کر عیسےٰ تک آج سے چودہ سو (۱۴۰۰) برس پہلے اس ختم رسالت اور آفتاب ہدایت کے طلوع کی خوش گوار ہدایت کن پیشین گوئیاں فضائے عالم میں گونجتی رہی اور خاصانِ الٰہی کی زبان سے سُنائی دیتی رہی ہیں۔ کہ دُنیا کا سب سے بڑا مصلح اعظم انسانِ کامل۔ تمام نبیوں کا سرتاج۔ اور کل رسولوں کا سالار۔ زمین و آسمان کے مالک حضرت رب العالمین وحدہٗ لا شریک کا نائب و خلیفہ سچا رسولِ برحق اور دُنیا کا آخری ہادی و رہبر کامل آنے والا ہے آئے گا اور ضرور آئے گا۔ توراۃ نے بتایا۔ انجیل نے سُنایا۔ زبور نے اعلان کیا۔ ژند پاژند نے خبریں دیں۔ دانیال کی پیشین گوئیاں ہوئیں۔ آخر وہ وقت بھی آ گیا۔ زمانہ نے کروٹ بدلی۔ فاران کی چوٹیوں سے وہ ہدایت کا آفتاب طالع ہوا یعنی خاندان بنی ہاشم میں سرزمین عرب پر وہ ستارہ چمکا جس کی روشنی دُنیا میں پھیلی اور قیامت تک کے واسطے اپنی ہدایت کی نورانی شعاعوں سے دُنیا کو روشن و منور فرما دیا۔ ظلمت کدہ عرب کے غارِ حرا سے رحمت و ہدایت کا وہ نورانی بادل اُٹھا کہ جس کی آبیاری نے دُنیا میں علم و عمل اور ہدایت و رہبری کے چمن لگائے۔ صدق و صفا کے پھول کھلائے حکمت کے چشمے بہائے۔ دین و دُنیا کی ترقی کے گر بتائے اور جس کی مبارک گرج نے توحید کے ڈنکے بجائے شرک و بت پرستی کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا آتشکدہ

فارس پر پانی پھر گیا۔ کسریٰ کے محل ہلے۔ روم پر بجلیاں گریں۔ تثلیث کے چھکّے چھوٹ گئے۔ بتوں کے راج تخت اُلٹ گئے۔ استبدادی حکومتیں مٹ گئیں۔ ظلم و جور کی سلطنتیں خاک ہوگئیں۔ فسق و فجور کی گرم بازاریاں سرد پڑ گئیں حیاسوز و شرمناک رسمیں دُنیا سے دور ہوگئیں۔ قانون محمدی نے دُنیا میں حریت و مساوات کی لہر دوڑائی۔ اسلامی اصول سکھلائے۔ محبت و اُلفت کے رشتے جوڑے رحم و انصاف کے سبق پڑھائے۔ تعلیم الٰہی کے ساتھ الخیر بخلق اللہ کے اصول بھی بتائے۔ معاد و معاش کو توام و لازمی قرار دیا۔ روحانی پاکیزگی کے طریق سکھا معاشرتی حد و دبھی تعلیم فرمائے اور دُنیا کو حقیقی صداقت اور سچی ہدایت سے سرسبز و شاداب بنا دیا۔ اور اسلام کی نورانی برکتوں سے زمانہ کو روشن و منور فرما دیا۔

گو مشرکین مکہ۔ توحید کے مخالف دین و ایمان کے دُشمن علم و عمل سے جاہل۔ خلق و محبت سے مُبّرا کفار عرب۔ یہود و نصاریٰ۔ اور حکومت کے لالچی دولت کے حریص استبداد پسند ظالم انسان۔ خاندانِ بنی ہاشم کے قدیمی حاسد اور پُرانے دشمن۔ بنی امیہ وغیرہ اس آفتاب رسالت کی بڑھتی ہوئی روشنی کو بجھانے اور اس خدائی شمع ہدایت کو گل کرنے کے لیے اپنی آخری قوت و طاقت تک زور لگاتے اور جان توڑ کوششیں کرتے رہے۔ اور اس ہادی و رہبر کو طرح طرح کی اذیتیں پہونچائیں۔ تکلیفیں دیں شعب ابی طالب میں بند رہنے پر مجبور کیا۔ مقاطعے کیئے۔ پتھر برسائے خاک کے بھرے ٹوکرے سر پر ڈالے قتل کی تدبیریں کیں۔ مکہ چھڑایا۔ وطن سے نکالا۔ اور پھر فتح مکہ تک برابر لڑائیاں ہی لڑتے اور اسلام و بانیِ اسلام سے جنگ آزمائیاں کرتے چلے آئے۔ اور اس مصلح قوم۔ ہادی کامل و رہبرِ اعظم محبوب الٰہی کے خون کے پیاسے ہی بنے رہے۔ شب ہجرت کے واقعات بدر کا معرکہ۔ احد کی جنگ خندق وغیرہ کی لڑائیاں شاہد ہیں۔ غرضکہ ایڑی چوٹی کے زور لگائے مگر ہمیشہ مُنہ کی کھائی۔ اور دین و دُنیا کے مالک اور محمدؐ کے رب نے اپنے رسول کی حفاظت فرمائی۔ دین محمدی۔ اسلام الٰہی دن دونی اور رات چوگنی ترقی ہی کرتا گیا ؎

نہ کچھ پھیری چلی بادِ صبا کی
بگڑنے پر بھی زُلف اُس کی بنا کی

کفار کی طاقتیں گھٹ گئیں اور بنی اُمیہ کے زور ٹوٹ گئے اور آخر ان کو بھی بظاہر اِسلام قبول کر لینے کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہ رہا یریدون لیطفئو نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ و لوکرہ المشرکون۔

پرچم اسلام دُنیا کے کونے کونے پر لہرایا۔ اذان محمدی عالم کے گوشے گوشے میں گونج اُٹھی اگرچہ تقریبًا ۱۴ صدیاں گزر چکیں۔ وہ آفتاب ہدایت وہ بزرگ و عظیم الشان ہستی اپنے مشن کو ختم فرما کر اور دین و دُنیا کی برکات و نعمات کو کامل کر کے اور آئندہ کی ہدایت و رہبری کے لیے ارشاد ہدایت بنیاد انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اھلبیتی ما ان تمسکتم بھما لن تضلو بعدی و انھما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض[1]

[1] یعنی میں تم میں دو گراں بہا چیزیں۔ ایک کتاب الٰہی اور دوسری

کا حکم محکم سُنا کر اور سمجھا کر دنیا سے تشریف لے گئے اور اب بظاہر طیبہ کی سرزمین پر ایک گنبد خضرا کے نیچے رحمت الٰہی کے سایہ میں آرام فرما رہے ہیں (ارواحنا الفداء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لیکن ان کی نورانی ہدایت کی شعاعیں اب بھی دُنیا کو اسی طرح روشن فرما رہی ہیں اور اس کی رحمت و ہدایت کے بادل برابر ہمیشہ سے دنیا پر برس رہے ہیں اور اس کا نام نامی بنی عظمت و جلال کے سکے عالم پر بٹھا رہا ہے۔ مشرق سے مغرب اور جنوب سے شمال تک۔ یورپ کی فرازوں میں افریقہ کے صحراؤں میں ایشیا کے میدانوں میں سمندر کی لہروں پر اور الپس کی برفانی چوٹیوں پر ہمالہ کے سر بفلک پہاڑوں میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ کی پیاری آواز پرشان دجلال اور مبارک صدا ایک دفعہ نہیں دن رات میں پانچ مرتبہ گونجتی۔ توحید کے ڈنکے بجاتی اور بانی اسلام محمد عربی کے پیارے نام کو بلند کرتی اسلام کی تبلیغ فرما رہی ہے اور دنیا کو ہدایت کے راستے دکھا رہی ہے۔

بنی امیہ کا عروج اور روحانی اسلام کا زوال

جبکہ شہنشاہ اسلام تاجدار رسالت کی آنکھیں بند ہوتے ہی بنی امیہ کی وہ مٹی ہوئی طاقت اور ٹوٹا ہوا زور جو عہد رسالت میں بوجہ ان کی نااہلیت وناقابلیت کے بالکل ختم ہو چکا تھا۔ پھر اسلام کے پردہ میں دوبارہ زندہ ہونے اور طاقت و قوت پکڑنے لگا اور ان ہوا پرستوں حکومت و دولت کے لالچی بندوں ناقابل و نااہل دنیا پرست غداروں نے اسلامی چولہ پہن کر اپنی ہوا و ہوس نفسانی اور ناجائز اغراض شہوانی کے حصول کے لیے احکام قرآنی کو پس پشت ڈال دیا۔ کتاب الٰہی قرآن مجید کو چھوڑ دیا (ان قومی اتخذو هذا القرآن مهجورا) (آیہ قرآن شریف) عترت رسول و ذریۃ نبوی کی پیروی سے منہ موڑ لیا آل محمد کے خون کے پیاسے ہو گئے[۵] ان کی استبدادی تلواروں اور ظالمانہ و جابرانہ حکومتوں کے

---

[۵] علامہ حجر مکی صواعق محرقہ ص۱۴۲ میں درج کرتے ہیں قال صلی اللہ علیہ وسلم ان اہلبیتی سیلقون بعدی من امتی قتلاً وتشریدا وان اشد قوم لنا بغضا بنوامیہ وبنو المغیرہ وبنو مخزوم صححہ الحاکم۔ یعنی رسول اللہ نے فرمایا بہ تحقیق کہ میرے بعد میری اُمت میری اہلبیت کو قتل کریگی گھروں سے نکالے گی ہمارے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی اور بغض و عداوت رکھنے والی قوم بنی امیہ بنی مغیرہ اور بنی مخزوم ہیں۔ امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح بتایا ہے ۱۲

(بسلسلہ صفحہ ۱۴) میری عترت اہل بیت چھوڑے جاتا ہوں اگر تم لوگ ان دونوں سے متمسک ہوئے (ان سے ہدایت و رہبری حاصل کرنے کے خواہشمند ہو گئے ان کی پیروی کرو گے) تو ہرگز ہرگز میرے بعد کبھی بھی گمراہ نہ ہو گے۔ اور یہ دونوں (قرآن اور میرے اہل بیت) کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر تک پہنچ جائینگے (قرآن میری

زور سے سچی سلطنت محمدی و حقیقی روحانیت اور نورانی دینِ اسلامی مٹنے اور برباد ہونے لگی۔ شریعت محمدی کے احکام کھلم کھلا بدلے جانے لگے۔ طریق و سنت رسول میں تبدیلیاں واقع ہونے لگیں۔ حرام محمد کو حلال و مباح اور حلال محمد کو حرام بنایا جانے لگا۔ بنی امیہ کی فاسقانہ و غاصبانہ ظلم و جور کی استبدادی حکومتوں کی سیاہ آندھیاں اسلام محمدی کے نورانی پیکر کو گرد آلود کرنے لگیں۔ جیسا کہ تاریخوں کے دیکھنے سے اور اس وقت کے حالات اور واقعات زمانہ کو پڑھنے سے بخوبی ثابت اور ظاہر ہے کہ بنی امیہ نے اپنی خواہشات نفسانی کے لیے اپنی استبدادی تلواروں کے زور سے شریعت محمدی اور قانون اسلامی میں کیسی کیسی شرمناک خرابیاں پیدا کر دی تھیں جن کو ہم آئندہ تفصیل سے بیان کریں گے) اور وہ وقت آ گیا جس کی خبریں مخبر صادق شہنشاہ رسالت نے بطور پیشین گوئی بیان فرمائی تھیں اول من یبدل سنتی رجل من بنی امیہ اور اول من یثلمہ رجل من بنی امیہ یقال لہ یزید[1] پس جب اسلام محمدی پر وہ خطرناک مصیبت کا وقت آ گیا بنی امیہ کے ظلم و تشدد اور یزید بن معاویہ کی بدکاریاں ظلم و جور اور بدافعالیاں کھلم کھلا انتہا کو پہونچ گئیں تو پس زمانہ شاہد ہے۔ تاریخیں گواہ ہیں۔ دنیا جانتی ہے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) اہل بیت کے ساتھ ہے۔ قرآن کو حکم میری اہل بیت کا حکم ہے اور اس کا حکم قرآن کا حکم ہے۔ ایسی صحیح حدیث ارشاد رسول کا ہے کہ جمہور اسلام کا اتفاق ہے صحیح مسلم صفحہ ۸۰ و ۸۶ و صفحہ ۲۷۹ صحیح ترمذی صفحہ ۲۱۹-۲۲۰ مشکوٰۃ صفحہ ۵۶۱ و ۵۶۰ صواعق محرقہ حجر مکی صفحہ ۸۹ و صفحہ ۱۳۵ و ارسات البیت صفحہ ۲۰۲ ارجح المطالب صفحہ ۳۳۵ ینابیع المودہ علامہ قندوزی صفحہ ۳۰ و ۲۹ اسعاف الراغبین صفحہ ۱۰۹ نزل الابرار علامہ بدخشی صفحہ ۲۱۶ و ۲۱ کنز العمال جلد اول صفحہ ۴۸ و ۹۱ ہدایۃ السائل نواب صدیق حسن خاں صفحہ ۸ مدارج النبوۃ صفحہ ۴۸ وسیلۃ النجاۃ علامہ محمد مبین فرنگی محلی صفحہ ۲ و ۱۰۱ سر العالمین غزالی صفحہ ۹ خصائص نسائی صفحہ ۲۲ شرف المؤبد صفحہ ۱۷ اتحاف صفحہ ۶ احیاء المیت جلال الدین سیوطی برحاشیہ اتحاف صفحہ ۱۱۱۔ شفا قاضی عیاض صفحہ ۲۱۳ وغیرہ وغیرہ حتیٰ کہ ابن تیمیہ صاحب بھی اس حدیث کو صحیح اور مستند مانتے ہیں اور اپنے رسالہ منہاج السنۃ میں جو بڑے زور شور سے یزید کی حمایت و نصرت اور بنی امیہ کی طرفداری میں لکھا ہے۔ اس حدیث کو درج کرتے ہیں۔ اگرچہ مترجم صاحب نے ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی کا ترجمہ خوب گول مول فرما کر کہ ان دونوں سے واجبی برتاؤ کا حکم دیا۔ اصل حکم اطاعت و فرماں برداری کو یزید کی محبت و طرفداری میں گول کر گئے ہیں اور قرآن و اہل بیت محمدی کی فرماں برداری و اطاعت کرنے کے حکم پر اور ان کے خلاف عمل کرنے اور ان سے علیحدہ ہونے اور ان کو چھوڑ دینے میں ضلالت و گمراہی ہے۔ اس حکم پر خوب پردہ ڈال گئے ہیں (اخبار انقلاب شیعہ نمبر محرم ۱۳۴۶ھ)

[1] یعنی میری سنت اور میری طور و طریق کو بدلنے والا پہلا شخص جو ہے وہ بنی امیہ سے ہے۔ اور وہ پہلا شخص جو دین اسلام میں رخنہ ڈالنے والا ہے وہ بنی امیہ میں سے یزید نامی شخص ہے سیرۃ محمدیہ مولوی کرامت علی مرحوم دہلوی صواعق محرقہ صفحہ ۱۳۲ تاریخ الخلفا صفحہ ۲۰۰ نصائح کافیہ صفحہ ۱۰۲ اتحاف صفحہ ۲۱ اسعاف الراغبین صفحہ ۱۹۰ وغیرہ۔

حسین نانا کے دین اسلام پر اپنی قربانی چڑھا کر نانا کی طرح اپنی خداداد بادشاہت کے پھریرے دنیا میں اڑاتے ہیں

کہ اسی تاجدار اسلام شہنشاہ رسالت رسول عربی کے جان و جگر خدا کے سچے عاشق توحید کے فدائی اور حق کے شیدائی کربلا والے حسین نے بھی اپنے نانا کے حکم کے مطابق نانا کے دین کی حفاظت کے لئے نانا کی طرح ہی انتہائی مصیبتیں جھیلیں۔ تکلیفیں اٹھائیں۔ پتھر کھائے تلواروں سے گھائل ہوئے۔ خون میں ڈوبے بسر کٹوایا گھر بار لٹایا۔ مگر خدا کے سچے اسلام کو نانا کے مبارک دین کو شرمندۂ کفر نہ ہونے دیا۔

بلاشک حسین اپنے خون کے قطروں سے اپنے زخمی گلے سے اپنے سوکھے ہونٹوں سے جس طرح حقیقی اسلام الٰہی اور سچے دینِ محمدی اور اسوۂ رسول عربی کی تعلیم و تبلیغ فرما رہے ہیں۔ بس اسی طرح حسین اپنی بے مثال اسلامی شہادت اور اپنی اس بے نظیر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی عظیم الشان اسلامی قربانی سے اپنی محبت و الفت اور اپنی صداقت و حقانیت کے سکے بھی دنیا پر بٹھا رہے ہیں اور اپنی اس خداداد روحانی بادشاہت کے پھریرے بھی عالم پر اڑا رہے ہیں۔ جس کو بلاشک کبھی زوال نہیں ہو۔

آج اسلامی و غیر اسلامی دنیا میں جس طرح اسلام و بانیِ اسلام حسین کے پیارے نانا کا مبارک نام عظمت و جلال و ہیبت و شان سے پکارا جاتا ہے بس اسی طرح حسین کا پیارا نام بھی صداقت و حقانیت اور محبت و مودت سے یاد کیا جاتا اور عزت و حرمت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔

یورپ ہو یا افریقہ۔ ایشیا ہو یا امریکہ۔ جرمن و فرانس کی مسجدیں ہوں یا لندن کی۔ عرب کے دشت و بیابان ہوں یا عجم کے سبزہ زار۔ شام کے گلزار ہوں یا مصر کو مینار۔ روس کے میدان ہوں یا کابل کے کوہستان سندھ ہو یا ہند چین ہو یا جاپان۔ سائبیریا کے جنگل ہوں یا سمندر کے ساحل۔ موتیوں کے جزیرے ہوں یا لعل و ہیرے کی کانیں۔ غرض کہ شہر ہو یا گاؤں جہاں اور جس مقام پر بھی أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا الرَّسُولُ اللّٰهِ کی پُرعظمت و جلال آواز کانوں میں سنائی دیتی ہے وہاں یقیناً حسین کا پیارا نام بھی حسین کی بے مثال اسلامی قربانی اور بے نظیر ہدایت اور اس کے دین و دنیا کے کارناموں کو یاد دلاتا نظر پڑتا ہے اور موافق و مخالف مسلم و غیر مسلم علمائے جلیل القدر اور محققین و مورخین۔ یورپ و ایشیا کی تقریروں اور تحریروں میں حسین کی بے نظیر ہدایت اور اعلیٰ ترین صداقت و حقانیت کے روشن ستارے آسمان شرافت و فضیلت پر مثل آفتاب جگمگاتے دکھائی دیتے ہیں۔ حسین اور اس کی اس صداقت و حقانیت اور اس بے مثال کربلائی کارنامے کے متعلق یورپ کے

مورخین جرمن و فرانس کے محققین کی زرّیں رایوں کو ہم یہاں درج کرنا غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ شائقین ہماری کتاب ”ناموس اسلام حصّہ اوّل“ میں دیکھ سکتے ہیں اسلام کے حضرات علمائے عالی منزلت بزرگانِ دین امام و علامہ اور مستند محدّثین متقدمین و متاخرین نے اپنے پیارے رسول کے اس پیارے فرزند لختِ جگر مظلوم کربلا حسین شہید کی اس شہادتِ عظمیٰ کے متعلق اپنی منصفانہ و محققانہ تحقیق و تدقیق سے کام لے کر جس حسنِ عقیدت اور خلوصِ ارادت کا اظہار فرمایا ہے اور حسینؑ کی صداقت و حقانیت کا کھلم کھلا اعتراف فرمایا اور فرما رہے ہیں۔ ان کی تالیفات و تصنیفات میں بکثرت پایا جاتا ہے اگر ان سب تحریروں اور مضامین کو ایک جگہ جمع کیا جائے تو بلاشک حسین لائبریری کے نام سے علیحدہ عظیم الشان کتب خانے تیار ہو سکتے ہیں۔

شخصیت حسین اور شہادت حسین کے متعلق زمانہ حال کی فاضل اسلامی محققین کی رائیں

ہم اس وقت صرف زمانہ حال کے ان چند نامی بزرگ عالموں کی رایوں اور ان کی مستند تحریروں کے چند مختصر اقتباسات کا ہی پیش کرنا کافی سمجھتے ہیں۔ جو ہندوستان کے موجودہ اسلامی فاضل محقق۔ فلاسفر۔ مستند مورخ اور مسلمانان ہند کے مذہبی لیڈر بھی مانے جاتے ہیں اور امام و علامہ کے بزرگ القابوں سے بھی یاد کیئے جاتے ہیں۔

ملاحظہ ہو حسین کی عظیم الشان اسلامی شخصیت اور اس مقدس ہستی کی اس بے مثال سچی و دینی خدمت کا اعتراف ان بزرگ حضرات نے کیسے سچے اور پُر زور الفاظ میں فرمایا ہے۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو ان کی تحریروں سے واضح طور پر یہ بھی ثابت ہوگا کہ ان علمائے عالی قدر نے حسین کے مدمقابل خاندانی دشمن نفس پرست۔ فاسق و فاجر یزید بے دین کے (جو بلاشک و شبہ حسینؑ کی اس شہادت کا موجب اور کربلا کے اس عظیم الشان خونی منظر کا باعث تھا) حمایتیوں۔ ہوا خواہ مریدوں اور متعصب طرفداروں کے ان بیہودہ پوچ گندہ اعتراضوں کا دندان شکن جواب بھی اپنے انہیں الفاظ اور تحریرات میں بیان فرمادیا ہے جو یہ لوگ حسین کی بے مثال شخصیت اور بے نظیر فضیلت کو مٹانے اور یزید کی نجس و ناپاک پوزیشن پر پردہ ڈالنے کے لیئے بیان کرتے رہتے ہیں۔

حسینؑ سے متعلق قاضی محمد سلیمان صاحب مصنّف رحمۃ للعالمین کی زرّیں رائے

ہمارے مکرّم و محترم فاضل دوست جناب قاضی محمد سلیمان صاحب جو اہل حدیث کے مسلمہ عالم اور محقق فاضل ہیں اپنی کتاب رحمۃ للعالمین صفحہ ۲۳۳ پر حسینؑ کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں۔

۴ھ کے ماہ شعبان میں امام حسینؑ پیدا

ہوئے جو عشرہ محرم سنہ ۶۱ھ میں میدان کربلا میں
نہایت مظلومی کی حالت میں شہید ہوئے تھے۔
ان کی شہادت نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اسلام کے
سچے فدائیوں کو صداقت کی تائید میں جان و مال
اور حرمت کی بھی پروا نہیں کرنی چاہیئے۔ امام حسین نے
اس جنگ میں صبر و استقلال رضا و توکل احقاق حق
اتباع صداقت کے ایسے نمونے دکھلائے جن کی
نظیر دنیا کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اور یہ
سب کچھ نبی کے فیضان تربیت کا اثر و نتیجہ ہے
رضی اللہ عنہ و عن سائر اتباعہ اجمعین"۔

واقعہ کربلا اور شہادت امام حسین کے متعلق جناب مولانا ابوالکلام آزاد کی قلم صداقت رقم سے لکھا ہوا ایک بے نظیر و بے مثال مضمون

حضرت مولانا ابوالکلام آزاد نے جو ہند کی
دنیائے اسلام میں امام الہند کے لقب سے یاد کیے
جاتے ہیں اپنے اخبار "الہلال" میں عشرہ محرم کے عنوان
سے ایک زبردست مضمون حسین کی شہادت کے
متعلق شایع فرمایا ہے۔ جو سال گزشتہ لاہور کے
اخبار انقلاب کے شبیر نمبر سنہ ۱۹۲۶ء میں الہلال
سے نقل کرکے شایع کیا تھا۔ ہم بھی اس مضمون کو اخبار
انقلاب کے شبیر نمبر سے حرف بحرف ذیل میں نقل
کرتے ہیں۔

"عشرہ محرم"

شمع بردہ ام از صدق بجاک شہدا
تا دل و دیدہ خونابہ فشانم دادند

(ارشادات حضرت امام الہند مولینا ابوالکلام آزاد)

اب کے کچھ ایسا اتفاق ہوا ہے کہ الہلال کی
اشاعت ٹھیک عشرہ محرم کے دن واقعہ ہوئی ہے
میرا اشارہ حادثۂ ہائلہ کربلا یعنی شہادت سید الشہداء
علیہ و علی اہل بیتہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف ہے۔ عظم اللہ
اجورنا بہا بنا"۔

سچ یہ ہے کہ جن مردہ دلوں کو زندگی کی ضرورت
ہے جن ارباب درد کو روح کی راحت کے لیے حسین
کے ماتم کی تلاش ہو...... ان کی محبت ماتم و الم
کی رونق کے لیے یہی افسانہ اتنا کچھ سامان غم اپنے
اندر رکھتا ہے کہ اگر خون کے بڑے بڑے سیلاب
سمندروں کی روانگی سے بہہ جائیں۔ اور بے شمار
لاشوں کی تڑپ سے زمین کے بڑے بڑے قطعات کثیر
جنبش میں آجائیں جب بھی ان کی نداء حال ہل الہام
سرائی سے قاصر رہے گی۔ جو اس کے ایک ایک لفظ
کے اندر نوحہ فرمائے عبرت و بصیرت ہو لیکن آہ کتنے
دل ہیں۔ جنھوں نے اس واقعہ کو بصائر و معارف کے
اندر دیکھا ہے اور کتنی ہیں جو حسین ابن علی شہید پر گریہ
بکا کرتے ہوئے اس اسوۂ حسنہ کو بھی سامنے رکھتی ہیں
جو اس حادثۂ عظمیٰ کے اندر موجود ہے"؟

"اسوۂ حضرت امام"

فی الحقیقت یہ حق و صداقت آزادی و حریت
امربالمعروف اور نہی عن المنکر کی عظیم الشان قربانی
تھی جو صرف اس لیے ہوئی۔ تاکہ پیروان اسلام کے
لیے ایک اسوۂ حسنہ پیش کرے۔ اور اس طرح جہاد

حق و عدالت اور اس کے ثبات و استقامت کی ہمیشہ کے لیئے ایک کامل ترین مثال قایم کردے" پس جو باخبر ہیں ان کو رونا چاہیئے۔ اور جو روتے ہیں انکو صرف رونے پر ہی اکتفا نہ کرنا چاہیئے۔ ان کے سامنے سید الشہدا نے اپنی قربانی کا ایک اسوہ حسنہ پیش کردیا ہے۔ اور کسی طرح روح کے لیئے ہرگز جائز نہیں کہ محبت حسین کی مدعی ہو۔ جب تک کہ اسوہ حسین کی متابعت کا اپنے اعمال کے اندر ثبوت نہ دے"۔

حیات جاوید

"دنیا میں ہر چیز مرجاتی ہے کہ فانی ہے۔ مگر خون شہادت کے ان قطروں کے لیئے جو اپنے اندر حیات الٰہیہ کی روح رکھتے ہیں کبھی بھی فنا نہیں ہے

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانی دیگر است

لیکن افسوس کہ شرح و بسط کے لیئے اس وقت مہلت نہیں۔ صرف چند مجمل اشارات پر اکتفا کرونگا۔

قربانی

(۱) سب سے پہلے نمونہ جو یہ حادثہ عظیمہ ہمارے سامنے پیش کرتا ہے دعوت الی الحق اور حق و حریت کی راہ میں اپنے تئیں قربانی کرنا ہے۔ کوئی حکومت جس کی بنیاد جبر و شخصیت پر ہو۔ کبھی بھی اسلامی حکومت نہیں ہوسکتی۔ حضرت سید الشہدا نے اپنی قربانی کی مثال قایم کرکے مظالم بنی امیہ کے خلاف جہاد حق کی بنیاد رکھی۔ پس یہ نمونہ تعلیم کرتا ہے کہ ہر ظالمانہ و جابرانہ حکومت کا علانیہ مقابلہ کرو اور کسی ایسی حکومت سے اطاعت و وفاداری کی بیعت نہ کرو۔ جو خدا کی بخشی ہوئی انسانی حریت اور حقوق کی غارتگر ہو اور جس کے احکام مستبدہ و جابرہ کی بنیاد صداقت و عدالت کی جگہ ظلم و جبر پر ہو"۔

قلت سامان و رفقار

(۲) مقابلہ کے لیئے یہ ضروری نہیں کہ ہماری پاس قوت و شوکت مادّی کا وہ تمام ساز و سامان بھی موجود ہو جو ظالموں کے پاس ہے کیونکہ حسین ابن علی کے پاس چند ضعفا و مساکین کی جمعیت قلیلہ کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ حق و صداقت کی راہ نتایج کی فکر سے بے پروا ہے۔ نتایج مترتب کرنا تمھارا کام نہیں یہ اس قوت قاہرہ عادلہ الٰہیہ کا کام ہے جو حق کو باوجود ضعف و فقدان انصار کے کامیاب اور فتحمند کرتی اور ظلم کو باوجود جمعیت و عظمت دنیوی کے نامراد و نگونسار کرتی ہے وکم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ ایسے موقعوں پر ہمیشہ مصلحت اندیشیوں کا خیال دامنگیر ہوتا ہے۔ جو فی نفسہ اگرچہ دانائی اور عقل کا فرشتہ ہے۔ لیکن کبھی کبھی شیطان رجیم بھی اس کی بھیس میں آکر کام کرنے لگتا ہے نفس خادع حیلہ تراشیاں کرتا ہے کہ صرف اپنے تئیں کٹوا دینے اور چند انسانوں کا خون بہا دینے سے کیا حاصل؟ آخری سوال کا جواب میں دے ہی سکتا ہوں۔ "تاریخ عالم کی صدہا امثال مقدسہ و محترمہ جہاد سے قطع نظر تمھارے سامنے خود مظلوم کربلا کی مثال موجود ہے۔ تم کہتے ہو کہ چند انسانوں نے حکومتوں کی قوتوں اور ساز و سامان کا مقابلہ کیا ہے کبھی کیا جائے؟ میں کہتا ہوں کہ حسین بن علی نے صرف بہتر یا اکہتر پیاسے انسانوں کے ساتھ اس عظیم الشان حکومت قاہرہ و جابرہ کا مقابلہ کیا جس کی حدود مملکت ملتان اور سرحد فرانس تک پھیلی ہوئی تھی (باقی آئندہ)

peace. Peace of mind as well as peace of environment is the goal of Islam. Islam in fact makes this world an abode of peace for a true Muslim. Even in this world he makes his peace with his Lord and lives at peace with his fellowmen not only with his co-religionists, but with all human beings. For Islam in addition to acknowledging the truth of all religions preaches along the doctrine of Divine Unity or One God and its parallel doctrine of One Humanity This idea of unity of the human race, on which alone depends its advancement to a higher goal of life cannot come into existence so long as each nation considers itself to be the only nation favoured by God to the exclusion of all other nations who are for ever condemned to the wrath of God. Islam reveals a God who is not the God of this or that nation but who is *Rabb ul-Alamin*, the Lord, the Sustainer and the Nourisher, of all nations and worlds. The Quran never speaks of the Lord of the Muslims but only the Lord of the Worlds the East and West, the Lord of the heavens and earth. For it says 'Say we believe in that which has been revealed to us and revealed to you and our God and your God is one. No nobler message could be given to humanity. Nations may differ and fight with each other but they have only one Lord. And as God is One so is humanity one, "all people are a single nation' The division into nations does not at all interfere with the vast brotherhood of humanity. It is only when this noble conception of brotherhood of humanity is put in practice these petty national jealousies will come to an end and the world will enjoy peace and progress. The conception of Divine Unity implies service to humanity. 'Say My prayers and my sacrifice and my life and my death are for God the Lord of the worlds'. These words living for God and dying for God clearly signify, living in the service of humanity and dying in the cause of humanity because God is the sustainer and nourisher of the world. It is only through the service of humanity that a nation or man can prolong its or his life.

(to be Continued)

in Him and His creations. The religion of Islam is purely Monotheistic and declares that the ultimate cause of all things is the Great Maker of the heavens and the Earth. "All praise is due to God who created the heavens and the earth and made the darkness and the light." This is directly against the dualistic doctrine, which holds light and darkness as well as good and evil, as two co-eternal principles. Pure monotheism holds out before man the bright hope that as goodness is inherent in God, it is also the goal to which the creation moves, while dualism considers the existence of evil side by side with goodness to be necessary. And God has said "Take not two gods, He is only one God, So of Me alone should you be afraid". The reference to polytheism, called Shirk in the language of the Holy Quran is more than once declared to be the greatest sin of which a man can be guilty, for Shirk does not in any way diminish the grandeur of the Creator but lowers the dignity of man. Man is created by God to rule over nature and all creatures, but when he lowers himself by bowing before the gods his own creation, he certainly sets at naught the very purpose of his creation. Islam is, therefore, against idolatry, for man is considered according to this religion, as the lord of creation under God and he excelling the whole of creation, should not therefore take objects lower than himself as his gods. 'He said what! shall I seek for you a deity other than God while He has made you excel created things. ' Islam considers God to be Omnipresent and not limited by space or time. "And God is in the East and the West, therefore wither you turn thither is God's purpose; for God is Ample giving knowing."

Islam is cosmopolitan in Spirit. It has laid down the broad basis of faith in all the prophets of the world and the recognition of truth in all other religions. The Muslims are taught to recognise God in all religions for according to the Quran, all religions have a Divine origin A Muslim's conception of God is very broad. "Say do you dispute with us about God, and He is our Lord and your Lord and we shall have our deeds and shall have your deeds, and we are sincere to *Him*' Such a conception includes all that is good in all religions and therefore no one who is true to his own religion can dispute the Muslim conception of the Divine Being. Islam quarrels therefore with no religion or nation. It essentially preaches

They are a childlike, primitive, and uneducated folk to whom Allah is ever present in their lives, far more so than in our own. He is a God to be feared and to be prayed to from afar; but their prayers are full of praise and little else. That this praise is offered more often than not in the spirit of propitiation is I think certain His Name occurs in almost every sentence—in the ordinary etiquette of greeting, after bathing, after washing, in short in most of the activities of daily life. The Name is ever before man in his waking consciousness, and yet who can love this God? Therefore the universal desire of love towards Him who, as revealed by their very faith, is unlovable, must be appeased by extravagantly expressed devotion to those whom they believe to be His Saints. It is only in times like Muharram and Ramadhan that we can catch glimpses of the real fundamentals of the Arab character and of its sterling worth. (M. R. 1928).

ISLAM
A National Religion of Man

(By Iqbalunnisa Hussain Mysore Educational Service).

Islam according to the Holy Quran means complete submission to God and that doing good to His creations is the true service of Islam Islam literally means submission or to enter into peace and is therefore a religion of entire submission to God and he, who accepts this religion enters into peace If we ponder a while over this religious significance we can have an idea of the service of Islam to Muslims and to mankind as a whole. Islam demands complete submission to One God, entire trust

observer is only extravagant and ludicrous. The pathos of it is profoundly moving.

And even in Muharram it is the people themselves who have forced this concession from their religious leaders. These extreme exhibitions of grief and mortification are absolutely "haram" (forbidden). It was the Chief Mujtahid himself who in a confidential moment, confessed to me with regret that in this matter he could not control his people. It would be easier to hold back the waves of the sea than to curb so fundamental a primitive emotion of the human race as its devotion to God; for this is the underlying principle of all the Muharram ceremonies though none of the participants have the least idea of the fact.

I asked one of the head-cutters why he did it. He laughed and said he didn't know. As he was a person of rather greater intelligence than the average, I pressed him for a reason and he finally said he thought that "everything was better" as the result. He could not make himself any clearer, but he explained to me that, though by acting in this way he thought there was a good chance of his own shortcomings being overlooked, he could not be sure of forgiveness. Still it certainly pleased God and "everything was better."

This certainly bears a close resemblance to the Law of Mystical Substitution, and there is not, I think, any doubt that the vast majority of the human race do actually attach great value to suffering voluntarily endured, not merely as discipline to the individual sufferer but because of a vague consciousness that as a result "everything is better." Many Arabs especially among the children, have a truer knowledge of real religion than hundreds of pious Anglo-Saxons who attend their Sunday service and peruse the CHURCH TIMES on Friday mornings. For every Arab knows that religion means a certain amount of discomfort which the great majority do cheerfully undergo. But, as I have said they are a people with a natural genius for religion.

of a large body of men actuated by some deep religious motive. Lights begin to flicker on the wall, reflections from the torches without. Gradually the courtyard fills There are four torches, immense braziers on the ends of long poles and round each brazier a dim group of Syeds. Many of them were personally known to me, and others I knew by reputation. They were of all ages, some mere boys of twelve years, others, bearded and bowed men well past sixty. The only mark distinguishing them as descendants of the Prophet was the small green turban that each was still wearing. All were stripped to the waist. Suddenly a young child, not more than thirteen years old, stood up on the dais. At a sign from the Killidar I also stood up, keeping well in the background. The child began to read the story of the Passion of Hussein.

I have always thought that Arabic was a most musical language, and this child had been chosen for the beauty of his reading. He showed little emotion, reading the simple facts in his childish treble, clearly and slowly. At each pause came the dull blow—a curious effect of restrained intensity. In the smoky glow of those torches I saw hundreds of arms flinging themselves up to heaven, I saw those two hundred and fifty men and boys, the majority of them so hypocritically respectable in their everyday life, now stripped to the skin, fervently striking their breasts in honour of their martyrs while from above could be heard the passionate grieving of the women.

Here was no wildness, no lack of control And I felt, and still feel, that at that moment I had touched upon all that is good and vital in Islam that potential devotion and religious fervour which, directed along right channels would move the world

We have here a people who not only have a natural genius for religion but are at the same time aching to express themselves, while hampered by a system of faith that hems them in with restrictions and limitations. It is not surprising that at such times as Muharram we find them letting themselves go in a way which to the superficial

horseback, taking part in the famous Passion Play. which is the representation of the Battle of Kerbela. This latter spectacle ends the day and completes the more important ceremonies It is a very respectable performance after all that has gone before but in some parts is intensely realistic. The audience behave as though the real battle were being enacted before them. He who takes the part of Yazid must be a man of iron nerve so threatening is the audience Small Arab children are enlisted as supers. They represent the children of Hussein and his followers. A horseman dressed in marvellous armours of a special colour. gallops towards them bearing an earthenware mug of water, which he gives to them and gallops away. At once from the other side rides out a warrior who knocks the mug out of their hands with his spear, just as they are about to drink. The children cry "Atshan, atshan!" (thirsty, thirsty) and members of the audience weep bitterly at the memory of the pangs of thirst which brought about the downfall of the gallant little band under the leadership of Hussein.

On one occasion I was invited by the Killidar (Treasurer) of the Shrine at Najaf to be present in the Sahan to witness the arrival of the band of Syeds, the Servants of the Shrine referred to above. It was about 10-30 p.m on the night before the tenth. The Sahan is the building adjoining the mosque in which the treasure is said to be stored.

We sat waiting for them in the courtyard, without light of any kind. The house rose up dimly in the darkness all round us. Above could be seen a few stars on a cloudless, moonless sky; and high up on the balconies surrounding the yard we could just distinguish the huddled up form of some women of the household. We sat in absolute silence on a raised coveredin dais at one end. Now and again would be heard the dull thuds from a party of breastbeaters in some part of the city. A man comes in to tell us that they are on the way, and fades away into the darkness. A few minutes later we hear the approach of a large crowd, that curious silent approach characteristic

whole night in the coffee shops, sharpening their swords, eating vast quantities of dates, and drinking an incredible amount of tea in order, as I was informed to raise the bloodpressure. At about 6 a.m. they all foregather at the shrine, and there, discarding their ordinary dress they put on the new white grave-clothes Sword in hand they form up into a large circle in the vast outer court of the mosque, each one linked to his neighbour and all facing inwards. In the centre of the circle stands the leader whose passionate exhortations are skilfully directed to work them up to the the necessary pitch of enthusiasm.

Under the guidance of this leader, the circle will begin to move round, ever faster and faster. He watches for the psychological moment; and suddenly with a shriek of "Sheikhasan" he brings his sword down on his own head. The blood spurts up and falls covering his white robe with a crimson stain. The sight of the blood removes all restraint and all order. Shouts of "Hasan. Hussein Ali !' and the dull blow of the sword mingle with shrieks, groans, and sobs of the onlookers.

Then, forming in pairs, this ghastly band leaves the mosque and proceeds round the town, slashing themselves every few yards. As their frenzy mounts, so they grow wilder in their actions drawing the swords across their breasts which they have bared by tearing their robes that are by this time no more than dripping masses of blood. Blood is everywhere—in the gutters and splashed on the walls of the houses. The roof of every house is crowded with spectators as this horrid spectacle winds its shrieking way through the city—spectators who by their moans and tears, only add horror to the scene At times the sight is too much for one or two, who suddenly start cutting at themselves with pocket knives or any sharp instrument they can get hold of and have to be restrained by force. Relatives of each headcutter accompany the procession and the moment one drops unconscious from loss of blood, pick him up and carry him to the nearest "hammam" or bath, while another carries a new outfit of clothes. In the bath, his wounds are washed and covered with what I believe to be bitumen. He slowly recovers. By three o'clock in the afternoon he is completely restored and can be seen galloping to and fro on

swords and vying with each other in sharpening them. They are to be met occasionally parading the town with their own peculiar "sideways" step: the long line of perhaps two hundred and fifty men each holding on to his neighbour with his left hand, the right hand grasping the sword shouting in unision, "Hasan Hussein Ali!—Ali Hasan, Hussein!".

As they march the right foot is placed in front of the left, the left takes a pace to the left, and the right repeats the first movement. With the movement of the right foot the right hand swings the sword across the body to the left, the point upwards. As the left foot makes its step, the hand swings back, and as the right foot comes forward once more the sword is brought across the body and upwards as though to cut the head with an upward movement.

This slow progress is regularly maintained through the narrow and tortuous streets of the City during the four or five nights immediately preceding the tenth

On the ninth of Muharram yards and yards of new white linen or cotton are bought and made up into long robes which come down to the feet. It was the custom in the Holy Cities and in the villages around to approach the representative of Government for money to purchase this material. During the Turkish REGIME the motive underlying this was probably some subtle desire to force the hated Sunni into vicarious participation in the commemoration of those who were martyred by his detestable forbears. But under British rule I can only imagine that it was the desire to save money at the expense of the kafir.' And yet, on the evening before the tenth a crowd of at least a thousand persons came and formed up outside my office in all the picturesque panoply of their ceremonial and prayed for me led by their Raudha Khan or preacher, while all the crowd responded, "Amin amin, amin."

I confess to being not a little touched.

However, we will return to our Turkomans. Having procured their white garments and completely shaved their heads, they pass the

of the breastbeating in Najaf, from a point in the desert over three miles distant.

It must be realised that these ceremonies do really involve a great capacity for endurance. Self-sufficient and inobservant Europeans often declare that it is all done for show, and that there is no real pain attached. They clearly overlook, or forget, that the mortification is practised at least twenty times nightly for ten nights in succession; that whenever the band stops each man strikes himself not less than a hundred times, and that each blow must fall on exactly the same spot. As a matter of fact, many of these men's chests present a ghastly sight on the tenth day.

To acquire the knack of back-beating with chains is more difficult. Three chains nearly a third of an inch thick and about fourteen inches long are fastened together at one end, and grasped in the right hand. Then the arm is flung up to its full height, and the chain allowed to fall over the head, striking between the shoulder blades. No force beyond the actual weight of the chain is used at first, until near the close of the ten days, as strength to endure to the end must be preserved, though, on the other hand, the final blows are often delivered with the man's whole strength. Every band, whether of back or chestbeaters is accompanied by its Reader, its Torches—in large brasiers carried on poles, its Banners—among which that of Ali[1] is conspicuous and a motley crowd who contribute to the illuminations by carrying household lamps. They are joined by musicians and others whose business it is to make as much noise as possible on instruments it would be hard to identify.

The climax comes on the morning of the tenth day with the head-cutting. In Najaf, which is full of Persians, this ceremony is largely confined to them, more particularly to the Turcoman tribe, the cruellest race of a cruel people. For ten days they adopt every conceivable device for working themselves up to a pitch of frenzy, tenderly nursing their

1. An open hand on a stick, the fingers representing the five members of the Prophet's family--Muhammad, Fatima, Ali, Hasan, and Hussein

voluble as he had been earlier in the evening. He told me that he was always affected in that way by hearing the story, and gave me some further details of the tradition with completely restored cheerfulness.

Again, if on the night of the tenth an unbeliever happens to meet the procession of the head-cutters, each armed with a murderous, looking sword and calling upon Ali, Hassan, and Hussein, he will be greeted with a friendly smile. The general attitude may be summed up in the word "God's in His Heaven, all's right with the world." But at the actual time of the performance of any mortification it is well for the 'kafir' (*i.e.* unbeliever) to keep clear or—if he be well known to the performer—to preserve an attitude of reverential and respectful sympathy. For, the emotion of the moment is genuine and true—an expression of utter devotion and loyalty to Ali and his sons, Hasan and Hussein. I am not prepared to say whether it is the same of all Islam, but as to the Iraqi there is no manner of doubt that his whole phenomenal life is one kaleidoscope of changing emotions—uncontrolled and, while they last, absolutely sincere. I will return, however to the actual ceremonies.

The bands already mentioned are all carefully drilled For example the beating of the chest must be done in a special way. Both arms are flung up to their full extent and then allowed to fall almost limp. As they pass the chest they strike it with the hands, and then the arms fall to the side. Each band is accompanied by a boy "reader" of about fourteen years old who has been chosen for his skill in elocution. It is his duty to read or recite to the band, pausing at every ten or twelve words—when the blows must be heard; so that he plays the part of conductor. The bands of breastbeaters are the most numerous one is composed entirely of "Servants of the Shrine" -all Syeds the others admit the lowest strata of the city to their ranks. The Syed band numbers about two hundred and fifty persons. Each band forms a kind of choir for wherever it stops the masses flock round and in their turn begin beating their breasts, led by the trained band. The sound produced is quite unique and curiously threatening and uncanny. On a still night I have heard the dull thud

Before describing these ceremonies in detail let me try to explain what seems to be the psychology of the people at this time Their emotions are stirred to a high pitch but they have no sense of sin " as we understand it. As the culminating tenth day approaches they grow more and more excited. The work in Government offices becomes steadily less efficient. They are keyed up bursting with something they cannot analyse Often the men have come to me for a day's leave that they may join the head-cutting procession. Far from showing signs of grief, they have been wild with the joy of anticipation—the anticipation of a real emotional orgy. The event they are celebrating is not until the actual moment by any means uppermost in their minds. Happiness and joy in life are never more evident in their ordinary conduct than during these days

I remember one instance which is typical. On the fifth evening of Muharram I was talking to a young Arab of about eighteen years' old. He was far in advance of the average in intelligence but as a rule, languid and torpid. This particular evening he was one scintillating mass of exuberance—amusing and witty. We went out together to a large village about three miles off climbing to the roof of a house from which to see one of the processions which soon after stopped just below us. A small boy stood up and recited the story of the battle of Kerbela. The dead silence of the crowd the deep nightsky of the tropics the soft waving of the palms in the background and the childish voice telling a story that to any ears is tragic in the extreme all made up a picture that I shall never forget. Suddenly my companion collapsed. He sank to his knees, his head buried in his arms leaning against the parapet, sobbing as though his heart would break. There could be no doubt as to the genuineness of his grief. I could never have believed that an Arab could show such depth of genuine emotion It could not have been done for effect to impress the crowd as we were alone on the roof. I walked a little away from that sobbing figure until the procession had passed on and he came across to me I could detect no sign of any lasting effect. As we walked back he was once more as gay and

The Muharram.

The desire to express religious conviction by external observance is well shown during the first ten days of the month of Muharram[1] and during the month of Ramadhan.

The shias' intensely strong emotional life finds full outlet during the first ten days of Muharram. Much has deen written of this, but nothing I think, of the actual observances at the fountainhead of the Shia' sect, the Shrine of Ali at Najaf

Muharram is the first month of the Muslim year, and the tenth day is most holy for all Islam, for on it God created "Adam and Eve, His Throne, Heaven, Hell, the Seat of Judgment, the Tablet of Decree, the Pen, Fate, Life and Death."[2] The observance of the first nine days, however, is peculiar to the Shia' and this annual event keeps at fever heat the animosity and hatred between them and the Sunni. It is with the Shia', the commemoration of the martyrdom of Hussein and his companions on the battlefield of Kerbela.

For several weeks before the actual month of commemoration of the tragedy, bodies of men and boys about a hundred strong form themselves into bands under a chosen leader. Each band specialises in some particular form of physical asceticism Some are composed of breast-beaters, others scourge their backs with chains. It is generally believed, though not officially laid down, that by taking an active part in these observances the faithful obtain a plenary absolution for all sins of commission or omission committed during the past year. The Ulema stoutly deny this, though they admit that such action is meritorious. But those who take part—the ordinary folk—are convinced that their souls are wholly purged. This largely accounts for the intense desire of the choicest sinners to take their share in this self-inflicted mortification!

1 The Sunni only observe the 10th day of the month.

2 Sell, FAITH OF ISLAM

itself. Iraq is indeed poor in rains but still not rainless; frost also occurs now and then in the winter time: thus the Gyps mortar becomes gradually loose by the influence of the weather and the building falls to pieces. The vaulted building of Husain's Shrine appears, at the end of the 18th century, to have been in need of entire rebuilding.

Thus a Persian poem celebrated Sultan Morad III (1574-1598), says Murtaza Nazmezadeh, and gave him among other titles, that of the "model of the servants of the martyr Shah" as the builder of a shrine over the grave "which resembles the throne of God and the angles sing praises in it." The Sultan carried the work "through the perfect zeal of the Vali of Baghdad, the famous Ali Pasha Ibn Elvand." The final verse contains the chronogram according to which the building is said to have been constructed in the year 991, 1583. Individual portions appear to have been constructed earlier as our Turkish authority[2] gives the year 974 Hijri, 1566/7 A. D. for the Hair Mosque[3] and the year 982 Hijri, 1574/5 A. D. for the Minara-i-Angusht Yar (finger of God).

---

1 There over the grave of the grate mystic Abdul Qadir Gilani he had a Tube and an Imarat (kitchen for the poor) erected; Pitschoi 1 p. 184

2. Murtaza Nazmizadeh Gulshan-i-khulafa pp. 65a; Huart p. 45.

3 Numerous appellations of the shrine of Husain are supposed to be in the ancient literature; Hair denoted a damp low and

Ibn Batuta's contemporary Hamdullah Qazwini also speaks of the little town that has grown up around the mausoleum: it is supposed to have been 2400 paces in circumfrence, that is to say in 20 minutes one can go round it.

Since the rise of the Safavi dynasty in Persia a new era of prosperity began for the Imams. Shah Ismail (1523/4) was interested in them and made a pilgrimage to Nejef and Karbela.[1] And even the entry of the Osmanite conquerors into the ancient seat of the caliphate, Baghdad, (1534), brought about no rebound; indeed Husain stood so in high esteem among the Sunnis also On the 5th of December of the aforementioned year (1534) Sultan Sulaiman, the Munificent, started on his visits to the shrines of Karbela and Nejef. Lutfi Pasha[2] and Khoja Nishanji Pasha[3] mention rich endowments which he made there for the poor. Also he had the canal redug and turned all the lands around Karbela into gardens, whereas sanddrifts had previously given the watchmen of the shrine much to do[4] Moreover Imam Husain by a miracle helped the great Sultan Sulaiman in his work of cultivation by building up the ground around Karbela so high that the water of the canal could flow easily from the Euphrates In Mutawakkil s time the water which was to be conducted thither to inundate the holy place stopped on the way, not out of awe, as Hamdullah Qazwini relates, but in reality because of the levelling.

The measures taken by Sulaiman for the improvement of the conditions appear however to have been only a commencement of what was necessary to do. Of his building work the authorities mention only what he did for the holy graves in Baghdad[1] itself. Buildings in these lands have often only a short tenure of life unless maintained by constant repairs. This is especially because of the Gyps mortar which is used as a convenient cement since it is obtained in the country

1 Huart the same book, page 23; Journal of the Bombay branch XIV page 284.

2, Wiener Handschrift (manuscript) pp 79

3 Manuscript Schudi page 218

4 Huart page 39/40.

Among the Ilkhanis, was one by the name of Ghazan a patron of shrines (1295-1304). When he put an end to the remaining subordination of his empire to the great Khan, he also completed for political reasons the Islamization of the Mongol conquerors. Naturally in consequence of this, Persian Islam became preponderingly important. Professing to be guided by dreams in which Muhammad with the first Imams appeared to him he had convents for the Saiyids erected[1] in the most important towns of the empire (Darussiyadah).[2] In 1303 he visited Karbela presented carpets to the shrines and arranged that for support of the Saiyids who lived with the Imam, a daily distribution of 3000 men's bread should be made from the receipts of the district which had been rendered fruitful by the canal he had dug from the Euphrates.[3] But the building of this canal is also credited to Ghazan's father Arghun.[4] It can hardly be any other than the present Husainia judging from its present course.

Ibn Batuta who visited Karbela in the year 1326 or 1327 says: "It is a small town surrounded by palm-gardens and irrigated by the water of the Euphrates. The holy mausoleum is located in the interior of the town. Near it is a large Madrasa and a renowned hospice (zawiya) in which food is always given to those who arrive and those who leave. At the gate—way of the mausoleum are guards and warders without whose permission no one is allowed to enter. One kisses the sacred threshold which is of silver.[5] Over the sacred grave are fixed gold and silver lamps and at the entrance are hangings of silk. He moreover relates that the mutual quarrels of inhabitants harm the town

1 Compare J G A. IV page 257.

2. Compare also Hamdullah Qazwini Nuzhat ul qulub p 134

3. As one sees them today in the mosques Ibn Jubair also mentions them in the Hasnain mosque at Cairo (edited by Wright and de Goeje page 45).

4. For the idea of Riwaq consult Ebers Cicerone II Stuttgart 1886 page 61

1 Howorth' History of the Mongols III P 43 /4.

2. The successors of Hasan and Husain ; the latter are rightly designated as Sheriffs.

3. D'Ohsson, Sistoire des Mongols (History of the Mongols) pp. 278, 280, 323 ; Howorth III p 465 ; Huart, Histiere de Baghdad (History of Baghdad) p. 9.

4. Huart, the same mentioned above p. 6

5 Ibn Batuta reports the same about the shrine of Ali at Nejef I p. 416

Ibn Hauqal, the reviser of Istakhri, who likewise belongs to the tenth century A. D., also copies (p 162), as is his manner, the roport of his predecessor but adds to it: The Hamdani Abulhaija Abdullah[2] made this place known, erected upon it a strong castle hisar) and had a large Qubba with a quadrangular sub-structure built over the grave This building has on each side a gate. He also hung on the walls costly hangings (sitr) and covered its floor with costly Saman 'mats.'[1] The prince mentioned before died in 317 Hijri, 929 A. D. The same Ibn Hauqal recalls further, on page 166, Husain's grave and mentions that it has a great Mashhad (pilgrimage shrine). From this remark, little is to be established in regard to the position of the building as from the remark which Ibn Athir makes (VIII p. 518) under the year 369 Hijri, that Azduddowlah, the most important representative of the Shia Bawaih dynasty which as a matter of fact also ruled in Baghdad, had turned his attention to the Mashhads of Ali and Husain.[2] The same annalist mentions that (IX p. 209) in the Rabi-ul-awwal of the year 407 Hijri. in August or September 1016 A. D. owing to the falling down of two wax candles[3] a fire was caused which destroyed the qubba (main building) of Mashhad-ul-Husain and the Riwaqs[4] (open halls). The catastrophe according to this, appears to have been noteworthy, yet the shrine itself must have gradually recovered from it. When the great Sultan Malikshah with his famous Vizier Nizam-ul-mulk sojourned in Baghdad in the year 479 Hijri, 1085 A D. he visited many shrines there; and also in the course of one of his hunting expeditions in which he killed many gazelles and other animals, visited the Mashhads of Ali and Husain. Ibn el-Athir X p 102, 103.

1 That there were pre-Islamic graves shrines in Nejef, seems to be the case in as much as much as the graves of Adam and Noah were shown to Ibn Batuta The same authority writes about the grave that "they assert that the grave of Ali is in it" which sounds somewhat sceptic Jacob.

2 Compare concerning it A Muller, Der Islam 1 (Allg. Geschichte. edited by Onoken) page 563.

ning of a cult under the enemy of Alids, the Caliph al-Mutawakkil (232-247 Hijri, 847-871 A. D.)[2] Thus Tabari (edited de Goeje III page 1407) relates that in the year 236 Hijri. 850/1 A. D. Mutawakkil ordered for the destruction of the grave of Husain son of Ali. including the surrounding villages and farms and that the place of his grave should be ploughed up, sowed and watered, and that the public be prevented from visiting it. Also it is reported that the Amil (Executive Officer) of the Chief of the Police in that district had proclaimed that whoever should be found at his grave after three days should be thrown into tho dungeon (mutbaq). Thereupon people fled from the spot and were careful not to go there and the place was ploughed up and sown all around.[3]

The description relates of the turning over of the soil, not of the destruction of any mausoleum which naturally did not exist at that time. This corresponds to the neglect of the grave of Ali as is evidenced by the following report of Istakhri (editions of Bibliotheca Geographorum Arabicorum I page 82/3) for the tenth century A. D which declares: "In the neighbourhood of Kufa is seen the grave of Ali, peace be on him. Concerning the position of the grave opinions differ: some say it is seen in a corner over the gate of the Jamia of Kufa which was concealed on account of the Omayyads, and on this spot I saw the shop of a forage-seller. But there are also people who affirm that he lies buried two farsangs away from Kufa and that there is over it (the grave) a vault and grave monument." Professor Jacob has called my attention to the fact that the first named place, near the Jamia, is most probably the genuine one, as there seems to be no reason why the corpse should have been removed so far away from the mosque; and also because Ibn Hauqal and Istakhri obviously believe in the correctness of this tradition Accordingly it seems that the grave of Ali in Nejef is honoured at the wrong place."

1. Ahmad Hifat. Mirat-ul-maqasid page 182
2. Compare Turkish Bibliotheca IX page 74.
3. Compare also Hamdullah Mustaufi al-Quswini. Nuzhatulqulub, Bombay 1311 Hijri page 124.

weapons of violence, which imply cruelty, but with those of the spirit, the weapons of piety and love. It is that love which our present world lacks most, the love which unites all nations and people in one great brotherhood (Hosain—The Martyr.

KARBELA.

The headless body of Husain was buried in the battle-field, supposedly, by the peasants of the neighbourhood three days later.[1] The place Karbela was in existence before the catastrophe which was to make it famous throughout the world. According to Yaqut IV page 250. at the time of the conquest of Hira, Khalid had already established a military station at Karbela.[2] Individual pilgrimages to the grave of Husain are early recorded. Just a few years after his death in the year 65 Hijri 284/5 A. D., Sulaiman ibn Surad with his adherents visited the burial place of Husain (qabr-ul-Husain) and arranged a death lamentation there Tabari edited by de Goeje page 516. Mention is made of the pilgrimages of the year 122 Hijri and 136 Hijri by Ibn Athir. Tariku V page 131 and IX page 358. Moreover marvellous tales came now into existence Thus Saiyid Ibrahim-ul-mukarram-ul-mujib a younger brother of the 8th Imam Ali Riza who is buried in Karbela, obtained the title al-mujib (he who obtained answer) because he cried out at the grave of Husain "O dear little father" and out of the grave the answer resounded "O my son."[1]

Not only in Omayyad times but also in the old Abbaside times, a mausoleum could have hardly existed of any importance. The grave making (qabr) itself does not testify to this fact as much as the evidences of the destruction of the sites which represented the begin-

1 Weil, Geschichte der Kalifen (History of the Caliphs) p 318 His brother Hasan rests in Baqi-ulgherqid, the cemetry of Medina, Compare for instance Ibn Jubair edited by Wright and de Goeje page 196 line 13 The head of Husain is said to be in Hasnain mosque at Cairo Compare Ibn Jubair page 45.

2. The name for which the Arabs give absurd etymologies may be connected with Aramaic Karbela (Daniel III 21) which according to the Assyrian Karballutu appears to denote a kind of head covering. Jacob.

idea He knows that the greatness of the sacrifice to uphold divine truth only adds to the value of the human life.

It is significant that although all these combatants of God fight for their cause in the physical sphere yet get the victory in the moral and spiritual sphere. And as the moral and spiritual world is the foundation of and a source of inspiration to the physical one and all human actions the defeat of those great men will in time turn into victory even in the physical world.

So these fighters are at the same time the builders of the Kingdom of God on earth for God is to reign not only in heaven in those spiritual spheres of sublime longing and lofty ideals but also in the world of our every day's work and doings. That is also the meaning of Jesus' prayer calling to the father; 'Thy Kingdom come; Thy will be done on the earth as it is in heaven!"

It is our task to transpose the image and life of these teachers into the present. We must beware of clinging to their historical significance lest the example they gave to all future generations should become merely a tradition and degenerate in pious worship without influencing our present life. This would be the greatest misconception and distortion of the divine spirit. Signs of this distortion are self-elevation and unfriendliness· narrow-minded sectarianism, exclusiveness and disregard for people holding different views.

Imam Husain teaches us to love the right and righteousness even in our time and to fight for them, not to fight egoistically for our own right, but for those who are wronged—to urge justice not for ourselves but for those who suffer injustice. We must stand for the truth we have perceived and defend it, even at the price of our own defeat and sacrifice.

It is however God's wish, as He has shown in the lives of His former sons, that this fight should not be waged with the physical

The
ISLAMIC WORLD
BUDAUN, U. P.

Vol. 1 | Fabruary 1938 | No. 12

Husain: An Ideal of Perfect Humanity

BY
Premysl Pitter, Prague, Czecho-Slovakia

THE booklet "Golden Deeds of Imam Husain" awoke and conveyed knowledge about this important man of the east. It induced me to give deeper considerations to this personality and circumstances of his life.

The historical appearance of Imam Husain shows me once more that there exists some divine order according to which every nation is led and influenced. The great teachers come to earth as God's messengers in order to embody some of His attributes throw clear light on His plans and indicate direct and sure ways of accomplishing our common aim. Whereas we people represent the individual links in the chain of spiritual evolution, they are the pillars on which the chain is anchored. We depend upon them, we build on them, we lift our minds towards them.

Imam Husain plays an important part in making out the ideal of perfect humanity of the son of God. Above all there are his endeavours for reform and the courage with which he struggled for his

THE ISLAMIC WORLD

BUDAUN, U. P.

Vol. 1 **FEBRUARY 1938.** **No 12**

———:o:———

N. B.—With this issue in the hands of our readers, the Islamic World completes the first year of its existence. We express our heart felt gratitude to those who extended their patronage to the Islamic World and helped it in any way during the past year. Having confidence in the continued Sympathy and help of the well wishers of the Islamic World and also of the general Muslim Public we trust this journal would be able to do greater service to the cause of Islam in future.

Those of our subscribers whose subscription ends in this month may kindly send their subscription for the next year by M. O. or write for a V. P. P.

From the next month the Magazine will be stopped to those who have not paid for the past year.

Manager,

REGD. No. A 3086.

THE ISLAMIC WORLD

BUDAUN, U. P.

Vol. 1 FEBRUARY No. 12

1938.

ANNUAL SUBSCRIP

INDIA Rs. 4/- SINGLE COPY (INDIA) -/7/-
FOREIGN Rs. 6/- FOREIGN -/9/-

HONORARY EDITOR-
E. A. SHAH NAQVI
LUCKNOW.

MANAGER & PUBLISHER-
ALI ASHRAF
KAZI STREET BUDAUN

Printed by Ahid Uddin at the Nizami Press, Budaun

اسلامی دنیا

چیف ایڈیٹر
ڈاکٹر سید عنایت علی شاہ
نقوی

اغراض و مقاصد

۱۔ غیر مسلم حضرات کے سامنے حقائق اسلام کو بے نقاب پیش کرنا
۲۔ مسلم طبقہ میں رواداری کی مستقل لہر دوڑانا
۳۔ فرقہ وارانہ اختلافات اور کشیدگیوں کی خلیج کو لگاتار پاٹنے کی کوشش کرنا۔
۴۔ احباب کو مخلص اور مخالفین کو دوست بنانا
۵۔ حقیقی علمبرداران اسلام کی سوانح حیات اور اُن کی علمی اور اخلاقی تعلیم کو اعلیٰ رنگ میں پیش کرنا۔
۶۔ دنیائے اسلام کے اہم مسائل پر صحیح تنقید و تبصرہ کر کے غیر مسلم حضرات کی غلط فہمیوں کو رفع کرنا۔
۷۔ رعیت اور رعایا کے تعلقات کو خوش گوار بنانا۔
۸۔ قرآن مجید کے متعلق جو شبہات پیدا کیے جاتے ہیں ان کو بآئین شایستہ زائل کرنا اور ایسی چیزیں دنیا کے سامنے پیش کرنا جو عام فہم غلط فہمیوں کا ازالہ کر کے ہر ایک انسان کو شیدائے اسلام بنا دیں۔
۹۔ مسلمات شیعہ سنی کے خلاف کوئی شے اس رسالہ میں درج نہ ہوگی۔
۱۰۔ اس رسالہ کے نامہ نگار اسلام کے سچے ہمدرد شیعہ و سنی حضرات جو ملک میں کافی روشناس ہیں ہونگے
۱۱۔ حضرات علمائے اسلام کثر اللہ امثالہم اپنے بیش بہا افادات سے اس رسالہ کی وقتاً فوقتاً اعانت فرماتے رہیں گے۔
۱۲۔ غیر مسلم حضرات جو مشاہیر اسلام سے عقیدت رکھتے ہیں ان کا کلام نظم و نثر بھی اس رسالہ میں درج ہوا کریگا۔

نظام العمل

۱۔ یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کے آخری ہفتہ میں لاہور سے شایع ہوا کرے گا۔
۲۔ سالانہ چندہ عام شائقین سے چار روپیہ ہوگا۔
۳۔ بیرون ہند سے ساڑھے سات شلنگ ہوگا۔
۴۔ یہ رسالہ مخصوص غیر مسلم اداروں میں اور کتب خانوں میں بلا قیمت بھیجا جائے گا۔
۵۔ بلا وصول قیمت پیشگی پرچہ روانہ نہ ہوگا جو حضرات وی پی کی اجازت دیں گے اُن کا اخلاقی فرض ہوگا کہ واپس نہ فرمائیں۔
۶۔ جملہ خط و کتابت و ارسال مضامین بنام مہتمم ہونا چاہیئے۔
۷۔ جملہ ارسال زر بنام منیجر ہونا چاہیئے۔
۸۔ جن حضرات کے پاس رسالہ آخر ماہ تک نہ پہنچے وہ صدر دفتر کو اطلاع دے کر منگوا سکتے ہیں۔

چندہ سالانہ چار روپیہ
بیرون ہندستان چھ روپیہ

ان الدین عند اللہ الاسلام

اسلامی دنیا

زیر سرپرستی

حضرت فخر الواعظین لسان الملۃ ناصر الشریعۃ مولانا مولوی محمد لقا علی حیدری مدظلہ العالی

(مدیر مسئول)

حکیم ڈاکٹر سید عنایت علی شاہ نقوی ایل، ڈی، آئی، ایم، ایس، ایچ، اے، ایچ، پی لکھنؤ

فہرست مضامین اسلامی دنیا بابتہ مئی ۱۹۳۸ء — نمبر ۲

کلامُ الملوکِ ملوکُ الکلام

از

(افادات عالیہ سرکار سلطان المسلمین سلطان العلوم شہریار دکن و برار خلد اللہ ملکہ و سلطانہ)

سلام

بحضور آفتاب ولایت و ماہتاب خلافت علیہ السّلام

لہ باد گلزار نگر بوئے سمن را بگذاشت　　قمری نالہ کناں سرو چمن را بگذاشت

دیدہ این سیل رواں اشک کہ جاری کردہ　　آب و تابے بہ صدف در عدن را بگذاشت

ہر کہ مائل بہ زیارات مقدس گردید　　دیدہ دانستہ نگر حب وطن را بگذاشت

ماتم اکبر و اصغر چہ ستم ہا کردہ　　چاک دل چاک جگر لعل یمن را بگذاشت

بوئے این ذکر حسینؑ است حمائل بہ سمن　　نافہ آہوئے بین مشک ختن را بگذاشت

گرمی مجلس ما ہم سینہ زنی را دیدہ　　سوز پروانہ نگر شمع لگن را بگذاشت

مقطع

من چہ گویم کہ چہ تاثیر دہد خاک شفا
در ہوایش دل عثمان کہ دکن را بگذاشت
بغرض زیارت

ف یوں تو ہر سال "دوران ایام عزا" میں منبر پر گروہ ذاکرین کربلا کے واقعات و مصائب بیان کرتا ہے وہی جو کہ "اسلامی کتب میں" موجود ہی یا جس سے "طبقہ اسلام" کے کان کم و بیش آشنا ہیں مگر اس سے کام

نہیں چلتا کیونکہ پُرانی باتوں کو رٹے جانے سے کچھ فائدہ نہیں اب جبکہ زمانہ کے جدید طرز روش کے مدنظر اس میں بھی بہت رد و بدل نہ کیا جائے تاکہ شائقین کی دلچسپی کا باعث ہوسکے فسلاً فلسفہ شہادت کے نکات و رموز و غوامض کو حتی الامکان عام فہم زبان میں بیان کیا جائے کیونکہ تعلیم ناکافی ہونے کی وجہ سے زیادہ لوگ علم و فضل نہیں رکھتے سے اوّل تو مضامین کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے ہیں تاکہ اہمیت شہادت کا مسئلہ اُن کے دلوں پر بیٹھ جائے اور اس کی عظمت کو بھی سمجھنے لگیں۔ ورنہ اگر یہ بات نہیں ہی تو ایسے رسمی وعظ یا ذکر سے عوام کو کچھ فائدہ نہیں پہونچ سکتا مگر اس کے ساتھ ہی ایسا کام انجام دینے والوں سے دُنیا خالی ہو رہی ہی کیونکہ یہ کام کوئی معمولی نہیں ہو بلکہ اس کے لیئے اعلیٰ قابلیت کی ضرورت ہی۔ بہر ا ین ہم انسان کو اپنی حد تک کوشش کرنی چاہیے اس سے مطلب نہیں کہ وہ اپنے دائرے فرض میں کہاں تک کامیاب ہوا ہی وہ شئی دیگر ہی۔ الحاصل یہی نکات ہیں جن کو سننے کے لیئے مشتاق کان ہر سال بے قرار نظر آتے ہیں۔

دیگر سوز خوانی کا فن بھی نہایت مشکل ہی یعنی جب تک کہ سوز خواں راگ راگنی کے سر و تال سے واقف نہ ہوگا وہ کبھی درست طریقہ پر سوز نہیں پڑھ سکتا ہی۔ اور اس فن میں اس وقت منجھو بہت غنیمت سمجھے جاتے ہیں۔ مگر افسوس ہی کہ پیرانہ سالی و خرابی صحت کی وجہ سے یہ کام بھی اب جیسا کہ چاہیئے اُن سے ادا ہونا مشکل ہو۔ یہ ہی وجہ کہ ایک مجبوری ہی۔ اور دوسری طرف اس کام کے لیئے کوئی موزوں جانشین اُن کا دکھائی نہیں دیتا اور نہ سوز سے لطف اُٹھانے والے اب باقی رہے ہیں ورنہ بیکا۔ واہ واہ کرنا یا شور و ہنگامہ مچانا عقلاً نہیں بلکہ حمقا کا کام ہوا کرتا ہی وبس۔

ترجمہ

نور العین فی مشہد الحسین

(علامہ اسفرائنی)

(از حضرت سرپرست ظلہ العالی)

(سلسلہ کیلئے ملاحظہ ہو جلد ۴ ملت ۲ صفحہ ۱۰)

راوی کہتا ہے کہ یہ سن کر صارفہ نامی ایک غلام حبشی مجرد نامی گھوڑے کو لے کر جس کو طاویہ بھی کہتے تھے نکلا اونٹ کی طرح چلا کر کہنے لگا اے لڑکے طاویہ کو داہیہ (موت) سے پہلے لے آ۔ نوجوان حبشی جلد سے جلد طاویہ کو اس کی طرف لے چلا (مگر) حضرت عباس اس دشمن خدا سے جلد طاویہ تک پہونچ گئے اور ایک شیرانہ حملہ کرکے صارفہ کے پاس پہنچے اور اس کے سینے میں ایک ایسا نیزہ مارا کہ وہ وہیں اپنے خون میں لوٹنے لگا اور اس کو پچھاڑا اور پھر طاویہ کی طرف بڑھ کر اس کی پشت پر سوار ہوئے اور اپنے گھوڑے کو آزاد کر دیا۔ وہ صفوں کو چیرتا ہوا امام حسین علیہ السلام کے پاس پہونچا جب مارو نے حضرت عباس کو طاویہ پر سوار دیکھا اس کی عقل جاتی رہی رنگ زرد پڑ گیا ہاتھ پیروں میں لرزہ شروع ہو گیا اور ایک چیخ مار کر کہنے لگا ہائے عباس نے میرے گھوڑے پر قبضہ کر لیا ہی اور میرے ہی نیزے سے حملہ کر رہا ہی۔ جب شمر نے مارو کی یہ آواز سنی تو اپنے گھوڑے کی باگ اس کی طرف موڑ دی اور سنان بن انس نخعی اور خولی بن یزید اصبحی و جمیل بن مالک محاربی اس کے پیچھے پیچھے ہوئے اور ان کے پیچھے تمام لشکر چل دیا اور سب نے اپنے اپنے گھوڑوں کو مہمیز کیا اور بکمال سرعت حضرت عباس کی جانب بڑھے (یہ دیکھکر) حضرت امام حسین علیہ السلام نے بہ آواز بلند فرمایا بھائی عباس اب کیا انتظار ہی اس دشمن خدا کو مہلت نہ دو اشقیا اب تمہارے قریب آ پہونچے ہیں

جب حضرت عباس نے لوگوں کی اس تیز رفتاری کو دیکھا تو آپ اپنے دشمنوں کے پاس ان لوگوں سے پہلے پہونچ گئے اور اس سے فرمایا کہ (خبردار) میرے نیزے کو (اپنے خون سے) اچھی طرح سیراب کر دے (یہ کہکر) تلوار لگائی اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا اور نیزہ چھین لیا مارو کہنے لگا ای عباس مجھے معاف کر دیجئے میں آپ کا غلام رہونگا حضرت عباس نے فرمایا مجھے تجھ (جیسے شقی) کا کیا کرنا ہی پھر ایک نیزہ کا وار نہایت سخت کیا اور ایک کان سے دوسرے کان تک چیر دیا چنانچہ مارو تو بس وہیں ٹھنڈا ہو گیا پھر حضرت عباس نے لشکر پر حملہ کیا اور طاویہ پر سوار ہو کر قلب لشکر میں گھوم گھوم کر حملہ کرنے لگے چنانچہ ذرا دیر میں ۲۵۰ دو سو پچاس سواروں کو قتل کر دیا اور ۲۵ پچیس جوان پہلے قتل کر چکے تھے چنانچہ سب دشمن ہزیمت خوردہ ہمت شکستہ واپس ہوئے۔ جناب امام حسین علیہ السلام

نے فرمایا بھتیجا تم میرے پاس چلے آؤ تاکہ میں ان اشقیا کو تم سے
دفع کر دوں حضرت عباس نے عرض کی مولا آخر موت سے مفر
کہاں ہے پھر برابر لڑتے رہے یہاں تک کہ سب لشکری ہٹ
گئے چنانچہ جناب عباس اپنے بھائی امام حسینؑ کی طرف پلٹے
اس وقت شمر نے چلا کر کہا اے فرزند علی تم نے اروسے طاویہ
واپس لے لیا ہے حالانکہ یہ وہی طاویہ ہے جس سے تمھارے
بھائی حسن علیہ السلام نے بروز سبط المدائن منہ موڑ لیا
تھا جب امام حسین علیہ السلام کے پاس پہونچے تو الفاظ
شمر کو دہرایا۔ امام حسین نے جواباً فرمایا ہاں یہ وہی طاویہ ہے
جو شاہ ربے کی ملک تھا جب تمھارے باپ (علیؑ) نے اس کو
قتل کر دیا تو تمھارے بھائی حسنؑ کو ہبہ فرمایا اور انھوں نے
بروز سبط المداین چھوڑ دیا جب طاویہ امام حسین علیہ السلام
کے قریب پہونچا تو اپنے سر کو حضرت کے کپڑوں سے اس طرح
ملنے لگا کہ گویا ایک دن کے لئے حضرت سے جدا نہیں ہوا
تھا۔ پھر حضرت عباس سے فرمایا بھائی اب تم خیمہ میں جاؤ
اور اہل حرم کو آخری وداع کر لو۔ چنانچہ آنجناب خیمہ میں
داخل ہوئے اور اپنی زوجہ اور دونوں بچوں سے ملاقات
کی اور انھوں نے حضرت عباس سے اپنی شدت عطش کی شکایت
کی عباس نے فرمایا اس ذکر کو چھوڑو۔ اتنے میں آپ نے اپنے
بھائی امام حسین علیہ السلام کی آواز سنی کہ فرما رہے ہیں
ادرکنی یا اخی (بھائی میری خبر لینا) چنانچہ باہر نکلے تو دیکھا
کہ مصروف کارزار ہیں اور دشمن چہار جانب سے گھیرے ہیں
اور مدافعت فرما رہے ہیں اور ذو شواہی اشقیا کو واصل
جہنم کر چکے تھے چنانچہ حضرت عباس نے (بھی) ایک شیرانہ
حملہ کیا اور سب اشقیا کو امام عالی مقام سے دور کر دیا اور

پھر فرمایا اے دشمنان خدا و رسول خدا اگر ہمارے ساتھی
تم سے نصف جماعت ہوتے تو تم سب کو قتل کر کے
فنا کر دیتے عباسؑ اشقیا سے مصروف کارزار تھے کہ ناگاہ
زرارہ بن محارب نامی شقی کمینگاہ میں چھپ کر انتظار
کرنے لگا جب حضرت عباس اس کے پاس سے گزرے
اس شقی نے نکل کر داہنے شانے پر ایک تلوار ماری اور
دست مبارک قلم کی طرح قلم کر دیا اس طرف حضرت
عباس چار سو پچاس اشقیا کو قتل کر چکے حضرتؑ نے ان اشقیا
سے منہ نہیں موڑا بلکہ تلوار بائیں ہاتھ میں لے لی اور
حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرف ملتفت ہو کر یہ
شعر پڑھتے جاتے تھے ؎ (جس کا ترجمہ یہ ہے)

(۱) بخدا اگرچہ تم نے میرا داہنا ہاتھ قطع کر دیا ہے (تو کچھ
پروا نہیں) میں ضرور لڑ کر دین اسلام کی حمایت کروں گا۔

(۲) اور میں ضرور امام امین و صادق کی حمایت کرونگا
جو نبی طاہر و امین کا فرزند و جگر گوشہ ہے۔

(راوی کہتا ہے) کہ حضرت عباس نے اشقیا پر حملہ کر کے
اپنے بائیں ہاتھ سے پچاس سوار قتل کئے اب عبد اللہ ابن
شہاب کلبی حضرت کے قریب پہونچا اور آپکا بایاں ہاتھ
قطع کر دیا چنانچہ آپ نے تلوار کو دونوں کلائیوں سے
پکڑ کر سینے سے لگا لیا اور یہ شعر پڑھنے لگے ؎

(۱) اے نفس دیکھ ان کافروں سے نہ ڈرنا اور تو
رحمت پروردگار

(۲) معیت سید اطہار نبی ابرار پر خوش ہو
اور ان لوگوں نے اپنی عداوت سے میرا بازو (ہاتھ) قلم
کیا ہے (اور مجھے اس کی بھی پروا نہیں ہے)

(۴) ور ہمارے اوپر صاحب ننگ و عار نے سرکشی کی ہی۔ ای خدا تو ان کو آتش جہنم میں جلانا۔

(راوی کہتا ہی) کہ برابر حضرتِ عباس ان اشقیا پر حملہ کرتے رہے اور حالت یہ تھی کہ دونوں ہاتھوں سے برابر خون کے فوارے جاری تھے اور (بوجہ جریان خون) اشقیا کے مقابلہ کرنے سے ضعیف ہوگئے تھے اور یہ فرماتے تھے میں اسی طرح اپنے جد بزرگوار جناب رسالتماب محمد مصطفےٰ اور پدر عالی مقدار علی مرتضیٰ سے ملاقات کرونگا جب پانچسو پچاس[۱] اشقیا کو داصل جہنم کر چکے تھے سب نے مل کر حملہ کیا اور ان اشقیا میں سے ایک شقی نے گرز آہنی لے کر سر مبارک پر مارا اور شگافتہ کردیا فوراً زمین پر گرے اور آواز دی یا آخی یا حسین علیک منی السلام (آواز سُن کر امام علیہ السلام دوڑے) اور اشقیا پر ایک سخت حملہ کیا اور برابر لڑتے رہے یہاں تک کہ آٹھ سو جوانوں کو امام حسین علیہ السلام نے واصل جہنم کیا پھر حضرتِ عباس کے پاس پلٹ کر آئے اور ان کو اُٹھا کر لاشہ ہائے شہدا کے درمیان لاکر رکھدیا[۳] اور بہت شدید گریہ فرمایا پھر مخدرات عصمت برآمد ہوئیں اُنھوں نے بھی شدید گریہ و بکا کیا اور وہ اس شدت سے مصروف گریہ و بکا ہوئیں کہ ملائکہ آسمان بھی ان کی آواز سے رونے لگے پھر امام حسین علیہ السلام نے ان سب معظمات کو خیمہ میں واپس کیا اتنے میں رات ہوگئی یہ رات تسبیح و تہلیل خدا میں بسر کی اور جو کچھ ان پر مصائب پڑے اس پر حمد خدا کرتے رہے۔

راوی کہتا ہی کہ جب صبح ہوئی تمام لشکر اپنے اپنے مرکب پر سوار اور امام حسین کی طرف چلے اور امام نے حضرت عباس اور ان کی محبت اور وفا کو یاد فرما کر گریہ فرمایا پھر واغوثاہ بک یا اللہ کی آواز بلند فرمائی پھر آپکی فوج میں سے یکے بعد دیگرے سب سوار نکلنے اور لڑنے لگے اور ان میں سے ہر ایک بڑی زبردست جنگ کرتا اور کم و بیش ان میں سے[۲] دو تین سو کو قتل کرکے شہید ہوجاتا تھا پھر امام عالی مقام اس کو اٹھا کر گروہ شہدا میں لاکر رکھدیتے تھے اور یہ سلسلہ برابر جاری رہا یہاں تک کہ تمام انصار و مہاجرین کام آگئے اور حضرت سب کو یکے بعد دیگرے اٹھا اُٹھا کر لاتے تھے اور قوم اشقیا برابر وہی سلوک کرتے رہے جیسا کہ اوپر ذکر ہوچکا ہے پھر جب حضرت نے ملاحظہ فرمایا کہ سوائے چچا زاد بھائی اور بھتیجوں کے اور اپنی اولاد کے کوئی نہیں رہا تو بحسرت و یاس داہنے بائیں دیکھنے لگے تو کوئی یار و معین نظر نہ آیا اُس وقت حضرت نے پھر استغاثہ فرمایا وآغوثاہ بک یا اللہ واقلتہ ناصراہ۔ کیا کوئی ایسا ہی جو اس وقت ہماری اعانت کرے کیا کوئی ایسا ہی جو ہماری مدد کرے کیا کوئی طالب جنت ہی جو ہماری مدد کرے (یہ آواز سُن کر) دو نوخیز

---

[۱] راوی کا واقعہ نیز شہادت عباسؑ کا یہ واقعہ نو محرم کو ہو مگر کتب معتبرہ سے کہیں ثابت نہیں ہوتا فاضل مولف کی تحقیق ہی ہم کو ذاتی طور پر اس سے اتفاق نہیں (مترجم)

[۲] یہ بھی فاضل مولف کی رائے ہی (مترجم)

[۳] حضرت عباس علیہ السلام کے لاشہ کو لاکر لاشہ ہائے شہدا میں داخل کرنا ثابت نہیں ہی (مترجم)

لڑکے خیمہ میں سے برآمد ہوئے جن میں ایک ابن عباس اور ایک اس کا بھائی قاسم تھا دونوں نے عرض کیا لبیک لبیک یا مولانا اے مولا ہم آپ کے غلام حاضر ہیں حضرت نے فرمایا بچو تمھارے لیے تمھارے باپ کی موت ہی کافی ہے، وہی کیا کم تھی (تم واپس ہو جاؤ) عرض کرنے لگے چچا جان خدا کی قسم ایسا ہرگز نہ ہوگا ہم اپنی جانیں آپ پر فدا کرینگے میں اب آپ ہم کو جنگ کی اجازت مرحمت فرمایئے۔ حضرت نے فرمایا کہ اچھا صبح (کو دیکھا جائیگا) اب رات ہو گئی۔ چنانچہ وہ دونوں واپس ہوئے اور رات بھر سب نے تہلیل و تسبیح میں بسر کی۔

(راوی کہتا ہے) جب صبح ہوئی آفتاب عالمتاب نے عالم کو روشن کیا۔ دشمن امام کی طرف بڑھے بس ابن عباس فوراً کھڑے ہو گئے اور عرض کی چچا جان بس اب تو اجازت دیجیئے (مجبور ہو کر) فرمایا اچھا خدا تم کو برکت دے۔ وہ صاحبزادے میدان میں آئے اور رجز پڑھی۔ پھر آپ نے حملہ کیا اور برابر لڑتے رہے یہاں تک کہ ڈھائی سو سواروں کو قتل کر دیا۔ مسلم خزاعی کا بیان ہے کہ میرے پہلو میں ایک عظیم الخلقت جوان (کھڑا ہوا تھا) وہ کہنے لگا بخدا میں اس لڑکے کو ضرور قتل کرونگا یہ بڑا بہادر معلوم ہوتا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ کیا تم کو معلوم ہے کہ اس کو رسول اللہ سے کیا قرابت ہے (میں نے اس کو متوجہ کرنے کے لیے یہ کہا تھا مگر) وہ میری طرف بالکل متوجہ نہ ہوا اور فوراً اس نوجوان لڑکے پر حملہ کر دیا اور وہ اپنی جنگ کے خیال میں مشغول تھا کہ یکایک اس شقی نے ایک زبردست تلوار کا وار کیا جس سے وہ لڑکا گر کر خون میں لوٹنے لگا اور پکارا یا عماہ اور کہنی چنانچہ (آواز سن کر) جناب امام حسین علیہ السلام نے اشقیا پر حملہ کرکے سب کو پراگندہ کر دیا اور اس شہید کے پاس پہونچے دیکھا کہ وہ اپنے پیروں کو زمین پر رگڑ رہا ہے۔ امامؑ دیکھتے رہے۔ یہاں تک کہ اس صاحبزادہ نے انتقال فرمایا

رحمۃ اللہ علیہ

(باقی آئندہ)

کیا اسلام غلامی کا حامی ہے

ازجناب رئیس الحکما بلبل واعظین مولانا حکیم مرزا محمد تقی صاحب فاضل مشرقیات زاد فضلہ
(سہارنپور)

حقیقت یہ ہے کہ غلامی اسلام کا اختراع نہیں اس کا سنگ بنیاد بنی آدم نے نہ معلوم کب اور کس کے ہاتھوں رکھا۔ صحیح صحیح یہ نہیں کہا جا سکتا کہ سب سے پہلے کون غلام بنا اور کس نے بنایا۔ اتنا معلوم ہے کہ یہ چیز بہت پرانی اور دیرینہ ہے جس کو وحشی اور مہذب انسانوں نے جاری رکھا اور اس سے بہت کچھ ناجائز فائدے بھی اٹھائے جن کا اُن کو کوئی حق نہ تھا۔ اس غلام سازی نے یہاں تک ترقی کی کہ ہر درماندہ اور لاوارث کسی نہ کسی زبردست کے ہاتھ میں پہونچکر غلام بن جایا کرتا تھا اور وہ بیچارہ حرماں نصیب نہ فقط تمدنی و معاشرتی حقوق سے محروم ہوتا تھا بلکہ انسانی اور پیدائشی مطالبات سے بھی غریب کو دست بردار ہونا ضرور تھا اُس کو یہ بھی استحقاق نہ تھا کہ وہ اپنے آپ کو نسل آدم اور انسان نادہ سمجھے اُس کی بیداری و نیند اکل و شرب نشست و برخاست آقا کے اختیار کی چیزیں تھیں۔ خود مطلبی۔ حق تلفی کا احساس بھی نہ ہونے دیتی تھی ناچار اس بے دست و پائی میں زندگی بسر کرنا اُس کے لیے ناگزیر تھا۔ کوئی معاون و مددگار نہ تھا کوئی مونس و غم گسار نہ تھا وہ تھا اور بے بسی غلام تھا اور بیکسی۔ کوئی ایسا نہ تھا جس سے وہ درد دل کہتا کوئی اتنا نہ تھا جس سے وہ درمان درد طلب کرتا اُس غریب کی پریشانحالی پرکسی کی نظر نہ پڑتی تھی۔ وہ مریض ہوتا تھا مگر بے دوا وہ بیمار ہوتا تھا مگر بے تیماردار۔ دل کیا تھے پتھر تھے جو ان خستہ حالوں پر پسیجتے ہی نہ تھے۔ ستم پرور زمانہ نے ان مسکینوں کے غلام بنانے ہی پر اکتفا نہ کی بلکہ اس کو بہترین ذریعہ معاش قرار دے لیا تھا۔ اُس زمانہ میں ان کے بازار بھی اس طرح سجے ہوئے تھے جس طرح ہمارے زمانہ میں بھیڑ بکریوں کی منڈیاں لگتی ہیں اس پر بردہ فروشوں کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو اگر کسی غلام کا کوئی حصہ جسم سڈول اور پر گوشت نہ ہوتا دبلا پتلا ہوتا تو اُس جگہ کو کوڑے مار مار کر اور تازیانہ لگا لگا کر موٹا کرتے تھے (کسی لاغر حصہ جسم کے موٹا کرنے کا یہ طریقہ طب یونانی نے انہیں بردہ فروشوں سے حاصل کیا ہے جس کی تفصیل کتب طبیہ میں موجود ہے) یہ بھی اس لیے نہ ہوتا تھا کہ غلام کا نقص دور ہو جائے بلکہ یہ غرض تھی کہ ہمارے دام کھرے ہو جائیں۔ تاریخ کے صفحات آقاؤں کے اُن دلسوز حرکات سے پُر ہیں جن کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ میرا مقصد تفصیل سے اس چیز کا بیان کرنا نہیں ہے میری اصلی غرض ان واقعات کے بیان کرنے سے یہ ہے کہ غلامی کا اصلی زاد بوم شریعت مصطفوی نہیں بلکہ یہ بہت پہلے کی چیز ہے جو قبیح صورت اور ہیبت ناک شکل میں مصنوعی انسانیت اور وہمی اعزاز و اقتدار کا جزو لاینفک بن چکی تھی جس کے

طبیعتِ ثانیہ کہنا ہر طرح موزوں ہے۔

اس عسرت زدہ طبقہ پر یوں ہی لیل ونہار گزرتے رہے تا آنکہ افقِ ایجاد پر آفتابِ رسالت ختمی مرتبت چمکا جس کی روشنی میں دیگر اشیا کے علاوہ غلاموں کے پامال حقوق بھی نظر آنے لگے جہالت کی تاریکی مضمحل ہوئی اور دُنیا کو ماننا پڑا کہ غلام بھی ہماری طرح کا ایک انسان ہے اور یہ بھی دل رکھتا ہے اور دل میں تمنائیں جن کا احترام نہ فقط ایمانی قوانین میں ہے بلکہ آئینِ انسانیت بھی یہی ہے اسلام نے اُن کے وہ حقوق تسلیم کیے اور اُن کے لیئے وہ ضوابط قرار دیئے جن کو دیکھ کر ہر منصف مزاج کو کہنا پڑتا ہے کہ اسلام نے تمام غلاموں کو آزاد کر دیا اور گویا رسمِ غلامی کو صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا اور قوم عاد کی طرح نیست ونابود کر دیا۔ اور غلاموں کے لیئے وہ مراعات مدنظر رکھیں جن کو انسدادِ غلامی کہنا بجا ہے ورنہ آزادی کا مرادف تو ضرور ہے۔

یہ میں مانتا ہوں کہ صحیفۂ اسلام میں غلامی کا تذکرہ موجود ہے مگر یہ میرا دعویٰ ہے کہ اسلام نے رسمِ غلامی کو مٹا یا فقط رسم باقی ہے وہ بھی نام کو۔ اسلام اس کو بھی ضرور مٹاتا مگر کسی طرح مناسب نہ تھا اس لیئے کہ جس گروہ کو غلام بنانا اسلام نے پسند کیا ہے اُن کے لیئے غلامی باقی رکھی ہے فی الحقیقت اس گروہ کے لیئے اس کا باقی رکھنا ہی عین انصاف بلکہ فضل و رحمت ہے اور اس کا اُٹھا دینا اُن کے لیئے عذاب اور امن عامہ میں خلل اندازی کا موجب ہے جس کو میں آگے چل کر تفصیل سے پیش کرنے والا ہوں۔

خلاصہ یہ کہ اسلام غلام سازی کا موجد نہیں ہے بلکہ یہ دنیا نسل ابو البشر میں قدیم سے چلی آرہی ہے اسلام نے ایک مصلحِ اعظم کی حیثیت سے اس میں بہت کچھ ترمیم کی اور اصلاح و طرفداری غلام کا مبارک اقدام اس کا امتیاز بن گیا۔ اسلام ہی نے غلام کی حتی المقدور پشت پناہی کی ورنہ اسلام سے پہلے غلام کو بہتر زندگی کی کوئی آسان صورت خواب میں بھی نہ دکھائی دیتی تھی اسی محسنِ عالم نے نوید آزادی سنائی اور رہائی کی متعدد سبیلیں پیدا کیں۔ لہٰذا اسلام غلامی کا موجد نہیں غلاموں کا محسن ہے اس کو غلامی کا موجد کہنا ایسا ہی ہے جیسا کہ طلوعِ آفتاب عالمتاب کو ظلمت گستری کا سبب قرار دینا جو کج فہموں سے دور نہیں لیکن اہل عقل سے بہت بعید ہے۔

اب رہا اعتراض کا دوسرا حصہ یعنی کیا اسلام غلامی کا حامی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں اسلام غلامی کا حامی نہیں حامی ہے اسلام غلامی کا طرفدار نہیں غلاموں کا جنبہ دار ہے۔ اسلام ہی غلاموں کی رفاہ و بہبودی کا واحد ذمہ دار ہے۔ اسلام ہی غلاموں کی حمایت کا اکیلا علم بردار ہے۔ اسلام ہی وہ ہے جس نے اس دل سوختہ کو آزادی کا پیغام سُنا کے شاد و خرم کیا اور عالم کی جاہلانہ تمناؤں کو خاک میں ملا کر اس ناکام تمنا کا دل تھام لیا اور وہ برتاؤ کیا جس کی نظیر عالم میں ناپید اور وہ سلوک کیا جس کی مثال سے چشم عالم ناآشنائے محض ہے۔ اسلام نے ہی آکر بتا دیا کہ غلام بھی آقاؤں کی طرح جناب آدم ہی کی نسل ہے اور اُس کی ماں بھی جنابِ حوا ہیں یعنی مالک و غلام دونوں ایک ماں باپ کی اولاد ہیں اسلام نے یہ بھی بتا دیا کہ غلام انسانیت سے محروم نہیں

تمھاری سرداری اور سرتاجی کا بھی حق رکھتا ہے اور تم پر حکمرانی کی بھی صلاحیت اس میں موجود ہے جس کو کبھی کبھی قوت سے فعل کا مرتبہ بھی مرحمت ہوا ہے۔

غلام کون لوگ بنائے جاتے ہیں؟

وہ لوگ جن کو مجاہدین اسلام نے جنگ کے بعد قید کیا ہو اب آپ انصاف فرمائیں کہ ان اسیروں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔

آج تہذیب و تمدن کا دور دورہ ہے ارتقا کا عہد ہے تعلیم کا عروج بتایا جاتا ہے اس دور کو دیکھیے اور بتائیے کہ اقوام عالم اپنے قیدیوں سے کس طرح پیش آ رہے ہیں۔ کوئی نظر بند کیا جا رہا ہے کسی کو حبس دوام کی سزا دی جا رہی ہے کسی کا سینہ گولیوں سے فگار کیا جا رہا ہے کہیں مشین گن برس رہی ہے کہیں توپ گرج رہی ہے کہیں بموں کی بارش نے زمین سے پانی نکال دیا ہے کہیں بھرے ہوئے جہاز بیچ سمندر میں ڈوبے جا رہے ہیں کہیں کیسی بیزی سے آباد و سرسبز شہر ویرانہ بن رہے ہیں۔ ایک ہنگامہ عریاں ہے اور بے چارہ شکست خوردہ قیدی مگر کوئی اُف نہیں کرتا۔ ہاں ایک کام اور قیدیوں سے لیا جاتا ہے وہ یہ کہ مخالف کے قیدی دیئے جائیں اور اپنے قیدی لے لیے جائیں لیکن اسلام خالص کو کبھی اس کی ضرورت نہیں پڑی کہ قیدیوں کا تبادلہ ہوتا۔ اب صرف مذکورہ بالا چند صورتیں رہ گئیں یعنی مختلف طریقہ سے دشمن کا قتل و غارت یا ایک وہ صورت جس کو اسلام نے جائز رکھا کہ ان کو اپنے قبضہ میں لے کر دین حقیقی کی تعلیم دی جائے اور شکست خوردہ مقابل کے لاوارث افراد امن چین کے ساتھ اسلام کی غلامی میں اپنی زندگی پوری کریں یقیناً اُس سفاکی اور خونخواری سے یہ امن و سکون کی زندگی بہتر ہے تو اب ارشاد ہو وہ بربادی بہتر ہے یا وہ غلامی جس میں آزادی کے بے شمار امکانات بھی موجود ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ اسلام نے غلام بنانے سے زیادہ غلام آزاد کرنے پر زور دیا جیسا ابھی بیان ہوگا اس صورت میں قتل کرنا اور غلام بنانا تذلیل نہیں در اصل جان بخشی و جان نوازی ہے اسلام ادھر تو غلام کی آزادی کی تاکید کرتا ہے اور مالک کو آمادہ کرتا ہے ادھر غلام کو حق دیتا ہے کہ وہ خود اپنی آزادی کی کوشش کرے پھر اعتراض محل کونسا باقی رہا۔

غلام کی آزادی کیا مرتبہ رکھتی ہے

حدیث میں ہے کہ جو شخص ایک غلام کو آزاد کرے خداوند عالم اُس غلام کے ہر عضو کے عوض میں آزاد کنندہ کے اعضا کو آتش جہنم سے آزاد کرے گا اسی تاکید کا نتیجہ تھا کہ بااقتدار خدا والے مسلمانوں نے ہزاروں غلام راہ خدا میں آزاد کیے خود اشرف کائنات نے باوجود مرایہ ذاتی نہ ہونے کے ہزاروں غلام راہ حق میں آزاد کیے تاکہ خوشنودی خدا حاصل ہو اور اسوۂ حسنہ امت میں چھوڑ جائیں حضرت علی علیہ السّلام کی بے مائگی ملاحظہ کیجئے اور لاتعداد غلاموں کو آزاد کرنا دیکھئے۔ یہ حضرات حافظانِ اسلام ہیں اور فقط ان ہی کے افعال سے ہمارے سامنے بحث ہو سکتی ہے ہم کو نام نہاد مسلمانوں کے حرکات و سکنات سے کوئی واسطہ نہیں خانوادہ رسالت کے جملہ افعال ہمارے لیے حجت اور واجب التعظیم و تسلیم ہیں اس گھرانے میں بات بات پر غلام آزاد کیے جاتے تھے اور غلام کی سکونت مثل دیگر افراد

غلامان کے ہوا کرتی تھی جس سے تاریخ داں حضرات بخوبی واقف ہیں کیا یہ واقعات نہیں بتاتے کہ اس نام کی غلامی کو مصلحتًا باقی رکھا گیا مگر اسلام کو غلام سے انتہائی محبت ہے اور ہمدردی و مواسات اسلام نے اپنا اہم فریضہ قرار دے لیا ہے نیز شریعت اسلام کا حکم ہے جس غلام سے سات سال خدمت لی ہے اب اس کا آزاد کر دینا ہی بہتر ہے۔ یہ آزادی مستحب و مسنون ہے فقط وہ شخص آزاد کر سکتا ہے جس کے پاس غلام موجود ہوں۔ جس کے پاس غلام نہ ہوں وہ خرید کے آزاد کرے اگر ایسا بھی نہیں تو وہ مہتم بالشان اسلامی ٹیکس یعنی زکوۃ جس کے نہ ادا کرنے میں کثر جان بھی خطرہ میں پڑ جاتی ہے منجملہ مصارف اُس کا ایک مصرف یہ بھی قرار دیا ہے کہ غلام مکاتب کی قیمت ادا کر کے اُس کو آزاد کر دے۔ ارشاد ہوتا ہے انما الصدقات للفقراء والمسٰکین والعاملین علیہا والمولفۃ قلوبھم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل فریضۃ من اللہ واللہ علیم حکیم۔ خیرات تو فقط فقیروں اور محتاجوں کا حق ہے اور زکوۃ وغیرہ کے کارکنوں کا اور جن کی تالیف قلب کی گئی ہو اور جن کی گردنوں میں غلامی کا طوق پڑا ہے اور قرضداروں کا (جو اپنا قرضہ آپ ادا نہیں کر سکتے) اور راہِ خدا (جہاد) میں صرف ہوں اور پردیسیوں کی ضرورت میں کام آئیں یہ حقوق خدا کے مقرر کیے ہوئے ہیں اور خدا بڑا واقف کار اور حکمت والا ہے۔ (سورہ توبہ ۶۰)

مصارف خیر میں غلام کی آزادی

جہاں قرآن مجید نے مصارف خیر کا تذکرہ فرمایا وہاں بھی غلام کی آزادی کو ایک بہترین چیز قرار دیا ارشاد ہوتا ہے واتی المال علی حبہ ذوی القربٰی والیتامٰی وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب۔ اور دے مال کو محبت خدا میں قرابت والوں کو اور یتیموں کو اور مسافروں کو اور غلاموں کی آزادی کے لئے۔ (سورہ بقرہ۔ ۱۷۷)

کفارہ بھی ذریعہ آزادی ہے

شریعت اسلام نے بعض جرائم کی پاداش میں غلام کی آزادی واجب کی مثلاً اگر کوئی شخص ظہار کا مرتکب ہو تو اس پر غلام کی آزادی فرض ہے ارشاد ہوتا ہے الذین یظاھرون من نسائھم ثم یعودون لما قالوا فتحریر رقبۃ من قبل ان یتماسا وہ لوگ جو اپنی ازواج سے ظہار کے مرتکب ہوتے ہیں اور پھر (نادم ہو کر) اپنے قول سے پلٹتے ہیں تو مس کرنے سے پہلے ایک غلام آزاد کریں۔

قتل خطا میں غلام کی آزادی

اسی طرح اگر کسی مومن کے ہاتھ سے اتفاقیہ کوئی مومن قتل ہو جائے تو بھی ایک غلام کا آزاد کرنا قاتل کے لئے ضروری ہے ارشاد ہوتا ہے ما کان لمومن ان یقتل مومنًا الا خطاءً ومن قتل مومنًا خطاءً فتحریر رقبۃ مومنۃ ودیۃ مسلمۃ الی اھلہ الا ان یصدقوا کسی مومن کو کسی مومن کے عمدًا قتل کا کوئی حق نہیں ہاں اگر اتفاقیہ طور پر کوئی مومن کسی کے ہاتھ سے قتل ہو جائے تو قاتل ایک مومن غلام کو آزاد کرے اور وارثان مقتول کو خوں بہا دے

مگر یہ کہ وارث خون بہا معاف کر دیں (تو فقط غلام کو آزاد کرنا کافی ہوگا) سورہ نساء

اسی طرح اگر وہ مقتول کسی ایسی قوم سے ہو جس قوم سے اور مسلمانوں سے معاہدہ ہو چکا ہو تو بھی ایک غلام آزاد کر دیجئے جیسا کہ حکم ہوتا ہے وان کان من قوم بینکم و بینهم میثاق فدیة مسلمة الی اهله وتحریر رقبة مومنة اگر وہ مقتول (اس غیر مسلم) قوم سے جو ہیں مسلمانوں سے معاہدہ ہو گیا ہو تو بھی قاتل مسلم اس کے وارثوں کو خون بہا دے اور ایک مومن غلام آزاد کرے (سورہ نساء)

مکاتبہ بھی آزادی کا ذریعہ ہے

اسلام کی کشادہ دلی ملاحظہ ہو کہ غلام کو مکاتبہ کا بھی حق دیا کہ وہ اپنی قیمت خود ادا کر کے آزاد ہو جائے اور مسلمان مالکوں کو حکم دیا تم ضرور مکاتبہ کر لو ارشاد ہوتا ہے الذین یبتغون الکتاب مما ملکت ایمانکم فکاتبوهم ان علمتم فیهم خیرا واتوهم من مال الله الذی اتاکم۔ جو تمھارے غلام و کنیزیں تم سے مکاتبہ کی خواہش کریں تم مکاتبہ کر لو اور ان کو اس مال سے دو جو تم کو اللہ نے دیا ہے۔ (سورہ نور)

اگر کوئی عورت مصیبت یا غیر مصیبت میں مر کے بال کاٹ ڈالے یا منہ نوچ ڈالے تو شرعاً اس پر ایک غلام کا آزاد کرنا لازم ہے اگر ممکن ہو۔

اگر کوئی شخص ماہ مبارک کے روزہ کو قبل از وقت افطار کر ڈالے تو بھی شرعاً ایک غلام آزاد کرے، یا ساٹھ روزے پے در پے رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے

یوں ہی اگر کوئی شخص نذر معین کا روزہ نہ رکھے تو بھی اس کو ایک غلام آزاد کرنا چاہیئے۔

اسی طرح قسم کی مخالفت کرنے والے پر بھی ایک غلام کی آزادی مقرر کی ہے

ارشاد ہوتا ہے ولکن یواخذکم بما عقدتم الایمان فکفارته اطعام عشرة مساکین من اوسط ما تطعمون او کسوتهم او تحریر رقبة الی القصہ۔ قسم کھانے (اور اس کے خلاف کرنے پر ضرور گرفت کرے گا) تو اس مخالفت کی سزا یہ ہے کہ جیسا تم خود اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو اس کا اوسط درجہ کا دس محتاجوں کو کھانا کھلانا یا دس محتاجوں کو کپڑے پہنانا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے (سورہ المائدہ)

اسی طرح اگر کوئی شخص عہد کی مخالفت کرے تو ایک غلام کو آزاد کرنے کا حکم ہے

اگر کوئی شخص زوجہ یا اولاد کی موت پر کپڑے نوچ لے تو قسم کا کفارہ (یعنی یا ایک غلام آزاد کرے یا دس مسکینوں کو کھانا کپڑا دے یا تین روزے رکھے) اس پر لازم ہوتا ہے۔

اگر کوئی شخص ماہ مبارک کے روزہ کو کسی حرام چیز سے توڑ ڈالے اس پر کفارہ جمع یعنی ایک غلام کو آزاد کرنا اور ۶۰ روزہ رکھنا اور ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے علی اختلاف الاقوال روزہ قضائے رمضان کے کسی حرام چیز سے افطار کرنے کا بھی یہی حکم ہے۔ (جس کی تفصیل کتب فقیہہ میں ملاحظہ ہو) یہ وہ جرائم ہیں جن کا ارتکاب اکثر و بیشتر ہوتا رہتا ہے تو آپ خود انصاف

فرمائیں غلام کی آزادی کی کتنی راہیں نکلیں۔

غلام کے ساتھ شریعت کی رعایات

آزاد کو اکثر گناہوں میں غلام سے دونی سزا ملے گی یعنی جس گناہ میں آقا کے اسّی کوڑے لگائے جائیں گے اگر اُسی گناہ کا غلام مرتکب ہو تو فقط ۴۰ کوڑے مارے جائیں گے یوں ہی جس خطا پر آزاد کو ایک غلام آزاد کرنے کا حکم دیا جائے گا اگر غلام سے وہی خطا سرزد ہو تو آزادی غلام کا اُس سے مطالبہ نہیں ہوگا۔

احکام شرعیہ میں تخفیف

جہاد ایسی مہتم بالشان شے جو کبھی واجب عینی اور کبھی واجب کفائی ہے۔ اور ہر آزاد پر میدان میں عمدا واجب اور جنگ سے فرار کرنا قطعًا حرام اگر کوئی بدبخت اس کا مرتکب ہوگا تو گناہ کبیرہ کیا وہ جان بچاکر بھاگا مگر خدا کا غضب اُس کا تعاقب کئے رہے گا اور نفرین و سرزنش اس کے ہمراہ بسیار چلتی ہوگی خلاصہ یہ کہ فروع دین میں جہاد کو ایک خاص منزلت حاصل ہے مگر باوجود اس تاکید وغیرہ کے غلام پر جہاد واجب نہیں۔ لطیفہ عجیب ملاحظہ ہو

آقا صاحب تو پٹیں سر کٹائیں خون میں نہائیں
لیکن غلام آرام و چین سے اپنے مسکن میں رہے تمام اہل دُنیا خطرناک حادثات اور پُر ہول مواقع کو فقط غلام اور ناگردیشہ افراد کا حصۂ خاص سمجھتے ہیں ہماری جان فدا اُس اسلام پر جس نے غلام کی سلامتی کے لیئے جہاد اُس پر واجب نہیں رکھا۔

(۲)

روزۂ سنتی بھی بغیر آقا کے اذن کے نہ رکھے بظاہر اس کا راز یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر اذن آقا سے غلام روزہ رکھے گا تو اُس پر لازم ہوگا کہ وہ خدمت میں بھی تخفیف کرے جیسا کہ ماہ مبارک کے لیئے شریعت کا حکم ہے روزہ سے بہتر غلام و کنیز کے لیئے کھانا وغیرہ مہیا کرے اور خدمت میں تخفیف کردے۔

وہ مقامات جہاں غلام بحکم شرع آزاد ہوجاتا ہے

مذکورہ بالا مقامات آزادی کو ملحوظ خاطر رکھئے اور غور فرمایئے کہ یہ تمام مواقع غلام کی آزادی کے لیئے بہت کافی تھے مگر اسلام کی شریعت سہلہ نے اس پر اکتفا نہ کی اور کچھ ایسے مقامات طے کردیئے جن میں غلام شرعًا خودبخود آزاد ہوجائے گا۔

۱۔ غلام اگر نابینا ہوجائے تو آزاد ہوجائے گا۔

۲۔ اگر جذام کے مرض میں مبتلا ہوجائے۔

۳۔ آقا کے ہاتھ سے غلام کا کان ناک ہاتھ وغیرہ کٹ جائے یا ٹوٹ جائے

۴۔ کوئی غلام ایسا لنگڑا ہوجائے کہ چل پھر نہ سکے

۵۔ علی اختلاف الاقوال غلام مبروص ہوجائے۔

۶۔ غلام کا کوئی ایسا عزیز مرجائے جس کا وارث غلام کے علاوہ کوئی نہ ہو تو یہ غلام بحکم امام وقت میت کے مال سے خرید کر آزاد کردیا جائے گا اور تمام مال کا وارث ہوگا۔

یہ تمام چیزیں بھی دلیل ہیں ہیں کہ اسلام نے ہر نازک وقت پر غلام کی امداد کی اور ایسا ساتھ دیا جس کی مثال ناممکن۔ ایک چیز یہ بھی قابل غور ہے کہ جہاں آزادیٔ غلام پر زور دیا وہاں یہ بھی کہدیا کہ کسی ایسے غلام کا آزاد کرنا جو کسب معاش پر قادر نہ ہو مسنون و مستحب نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے۔ ہاں اُس وقت مستحب ہے جب اُس کے گزران کا بھی انتظام آزاد کنندہ کر دے اس لیئے کہ غلام کے تمام اخراجات ضروریٔ ملک کے ذمہ ہیں تیمارداری و دوا وغیرہ سب کا خیال آقا کو رکھنا پڑے گا تا اینکہ اگر غلام شریک عیال ہو تو اُس کا فطرہ ادا کرنا بھی مالک پر واجب ہے کیا کہنا اسلام کیسا پاکیزہ اخلاق کا جس کی مثال نہیں ملتی (باقی آئندہ)

۷۸۶

بحضور پرمکرمت گنجور بندگان عالی خاقان ابن خاقان سلطان ابن سلطان اعلیحضرت قدر قدرت ہز اگزالٹڈ ہائینس میر عثمان علی خان صاحب بہادر نظام شہریار دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہٗ

گلہائے عقیدت و ارادت

یمن و برکت سے زمانے کا نظام اچھا ہی — پرتوِ نیرِ اقبالِ نظام اچھا ہے
ہی سزاوارِ جہانبانیٔ عالم تری ذات — اسمِ اعظم پئے تسخیرِ انام اچھا ہے
دہر میں مرکزِ تہذیبِ حجازی ہے یہ — حیدرآباد ترا صدر مقام اچھا ہے
بینش افروز ہے اربابِ بصیرت کے لیئے — عارفانہ ترا اندازِ کلام اچھا ہے
بادۂ جمشید سے کیا کام ہی مئ خواروں کو — دستِ ساقی سے جو مل جائے وہ جام اچھا ہے
بندۂ ساقیِ کوثر سے تعرض کیوں شیخ — میرے مذہب میں فقط شربِ مدام اچھا ہے

ق

صدرِ بزمِ عرفا کعبۂ اہلِ تقوےٰ — وصیِ ختمِ رسلِ کل کا امام اچھا ہے
فیض سے اس کے شفا پائے خدایا کہ شجیع — خوش نوا بلبلِ گلزارِ نظام اچھا ہے

اُس کے دم سے ہوا احیائے علوم مشرق　　سارے عالم کے لئے دَورِ نظام اچھا ہے

بسکہ ہے عدل و ترحم پہ سیاست کا مدار　　عہد ممدوح ہے خاص و عوام اچھا ہے

بہر مسلم ہی نہیں ظلِ ہمایوں مخصوص　　بہر ہر معتقد لچھمن و رام اچھا ہے

تیرا آوازۂ اقبال فزوں ہو شب و روز　　لوحِ عالم پہ رہے نقشِ دوام اچھا ہے

ظلِ عثماں میں رہے کشورِ محبوب دکن　　خیر و برکت رہے تا روزِ قیام اچھا ہے

بختِ عباس کجا بزمِ شہنشاہ کجا!

دور ہی سے جو پہونچ جائے سلام اچھا ہے

نذر گذار انیدۂ احقر الناس،

علی عباس ایڈوکیٹ سہارنپور

نبی امیؐ کی حیات مرتضعہ کا ایک[1] مختصر ورق

(از مدیر رسالہ)

حضرت ختمی مرتبت صلعم نے جب اس ظلمت کدۂ عالم کو اپنی ضیا پاش شعاعوں سے منور کیا یعنی خاندان ہاشم کے چشم و چراغ عبداللہ کے لخت جگر عبدالمطلب کے دل کے چین آمنہ کی آنکھوں کی ٹھنڈک حضرت محمد مصطفےٰ صلعم نے بزم فلکی چھوڑ کر اس خاکدان عالم کو اپنے نور سے معمور کیا اور وہ نور رسالت جو آدم سے یکے بعد دیگری اصلاب و ارحام طاہرہ سے منتقل ہو کر عبداللہ کی پیشانی میں پہونچا تھا اب وہ آفتاب رسالت بن کر آمنہ کی باعصمت گود میں چمکا۔ بنی ہاشم بالخصوص عبدالمطلب کی خوشی و مسرت کی حد نہ تھی اس وجہ سے عبدالمطلب اور بھی زیادہ مسرور تھے کہ عبداللہ جیسے جانے والے لائق فرزند کی قابل قدر یادگار تھی اس نووارد نے آمنہ کی محبت بھری آغوش میں آرام کیا اور قدرت کی جاری کردہ نہروں سے سیراب ہو کر پرورش پانے لگا

ابھی صرف چار مہینے کا قلیل عرصہ گزرا تھا کہ آمنہ جیسی عصمت
ومحبت کی دیوی ماں بھی ہنا فراق بینی بینک کہکر عالم
بقا کی طرف رخصت ہوگئیں۔ اب عبدالمطلب جیسے شفیق
دادا کی پریشان نگاہیں باقی تھیں اور بس عبدالمطلب
بیحد پریشان تھے کہ عبداللہ کی اس یادگار کو کیونکر باقی
رکھیں۔ عبدالمطلب نے بڑی کوشش کی اور یکے بعد
دیگرے شرفاء قریش کی تین سو ساٹھ عورتیں بن کو
یہاں دودھ کھلا بلائیں تاکہ عبداللہ کا لخت جگر اپنے
حسب منشا مرضعہ کا انتخاب کرے مگر جو بھی گود میں لیکر
دودھ پلانا چاہتی تھی یہ انجام بین دوراندیش معصوم
بچہ بنگاہ تنفر منہ پھیر لیتا تھا عبدالمطلب کی پریشانی کی
کوئی حد نہ تھی عاتکہ عبداللہ کی حقیقی بہن تھیں وہ بھی بے حد
مغموم تھیں بالآخر مجبور ہوکر عبدالمطلب نے بچہ کو عاتکہ کو
حوالہ کیا اور یہ کہکر باہر نکلے بیٹی عاتکہ عبداللہ کی نشانی
اب تمھارے اور خدا کے حوالہ ہے میں نے تو بہت کوشش
کی ہے اب تم ان کی زندگی کی کوئی صورت بہم پہونچاؤ
عبدالمطلب تو یہ کہکر روانہ ہوگئے اور عاتکہ نے مجبور
ہوکر شہد اور خرید چٹانا شروع کیا۔

عبدالمطلب انتہائی سراسیمگی کے عالم میں
گھر سے نکل کر دیوار کعبہ سے لگ کر بیٹھ گئے اور دل ہی
دل میں کعبہ کے مالک سے دعا مانگنے لگے اے میرے
پروردگار میں اپنے جگرپارہ محمد کی کیونکر پرورش کروں،
کس طرح اس کے لیے سامان حیات بہم پہونچاؤں میں تو
کوشش ختم کر چکا اے میرے مالک جب تک تو اپنا
فضل خاص شامل حال نہ کرے گا اُس وقت تک
ان کا بچنا دشوار ہے۔ اب میں تیرے حوالہ کرتا ہوں

ابھی دل ہی دل میں یہ خیالات اور اس سننے والے
سے گفتگو ہو رہی تھی کہ سامنے سے عقیل بن ذقاق آتے
ہوئے دکھائی دیے عقیل اس وقت قریش میں بلحاظ
عمر سب سے بڑے تھے۔

عقیل (قریب پہونچکر) کیوں میاں عبدالمطلب ایسے
پریشان اور مغموم کیوں ہو؟

عبدالمطلب "کیا بتاؤں کچھ عقل کام نہیں کرتی!"

عقیل "آخر پھر بھی!"

عبدالمطلب "عبداللہ کے یہاں جو بچہ پیدا ہوا تھا
آج چار روز ہوئے کہ اس کی ماں نے انتقال کیا ہے
میں نے ہر چند کوشش کی ہے کہ کسی طرح یہ بچہ بچ جائے
اور اس کی خاطر اب تک تین سو ساٹھ قریش کی عورتیں
بلا چکا ہوں مگر بچہ کسی کا دودھ نہیں پیتا اور بھوک
کی وجہ سے اس کی درد بھری آواز سنی نہیں جاتی۔
سننے والوں کا جگر پاش پاش ہوتا ہے اور مارے بھوک
کے کسی وقت خاموش نہیں ہوتا

عقیل "میں آپ کو ایک دودھ پلانے والی کا پتہ دیتا
ہوں اور میرے خیال میں اس سے عالی خاندان
فصیح وبلیغ صاحب صورت وسیرت اور
حسب ونسب والی عورت کوئی دوسری
نہ ہوگی۔ اور جہاں تک میرا خیال ہے آپ کا
فرمان ٹل نہیں سکتا اور یہ کام ضرور ہوجائیگا"

عبدالمطلب "ہاں وہ کون ہے"؟

عقیل "عبداللہ بن حارث کی حلیمہ نامی لڑکی جو
ابراہیم خلیل کی عظمت بھری لڑی ایک عصمت
کرتی ہے اور وہ قبیلہ بن سعد میں رہا کرتی ہے"

(عبدالمطلب یہ سُن کر اپنے خادم خاص شمردل کو بُلاتے ہیں)

عبدالمطلب:۔ شمردل یہ ناقہ ہے ابھی ابھی سوار ہوکر قبیلہ بنی سعد میں جا اور میرے نام سے عبداللہ بن حارث کو بلاکر ہمراہ لے آ۔"

شمردل:"۔ بہت خوب سرکار ابھی جاتا ہوں یہ کہہ کر شمردل سوار ہوکر بنی سعد کی طرف چل کھڑا ہوا اور اٹھارہ میل کا سفر آناً فاناً ختم کرکے بنی سعد میں پہونچا اور عبداللہ بن حارث کو ساتھ لیکر واپس ہوا۔

عبدالمطلب۔ (عبداللہ کو دیکھ کر) یہ کہتے ہوئے استقبال کے لیئے بڑھے "عبداللہ میں بہت دیر سے تمھارا منتظر ہوں۔

دونوں مل کر بغلگیر ہوئے اور بیٹھ گئے۔

عبداللہ:"۔ کیوں خیریت تو ہے ایسا کونسا ضروری کام تھا جس کے لیئے آپ نے خصوصی قاصد بھیجا۔

عبدالمطلب":۔ بھائی ابوذویب (عبداللہ کی کنیت ہے) کیا بتاؤں میرا پوتا محمد جس کا باپ عبداللہ پہلے ہی میری نظروں سے اوجھل ہوچکا ہے اور محمد ہی اس کی نشانی باقی ہے آج چار روز ہوتے کہ اس کی ماں نے بھی انتقال کیا بچہ ہے کہ مارے بھوک کے ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا ہے میں اس وقت تک ۳۰ دودھ پلانے والیاں بلا چکا ہوں مگر وہ کسی کا دودھ نہیں پیتا اور نہ روتو روتے چپ ہوتا ہے ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تمھاری بیٹی حلیمہ کے یہاں بھی دودھ ہے اگر مناسب سمجھو تو اس کو میرے پاس بھیجدو شاید اس کا دودھ پی لے (اور اس کی جان بچ جائے) اور یہ خوب سمجھ لو کہ اگر اس بچہ نے دودھ قبول کرلیا تو گویا ساری دُنیا تمھارے ہاتھ میں (قبضہ میں) ہوجائیگی

عبداللہ:۔ بسر و چشم (یہ کہہ کر عبداللہ روانہ ہوئے اور گھر پہونچنے پر اپنی بیٹی حلیمہ سے کہنے لگے) "حلیمہ میں تم کو ایک خوش خبری سناتا ہوں اور تم بہت خوش ہوگی۔"

حلیمہ:"۔ ہاں بابا جان ضرور سنائے وہ کیا خوشخبری ہے"؟

عبداللہ:"۔ سردار قریش عبدالمطلب چاہتے ہیں کہ اپنے نور نظر عبداللہ کے لختِ جگر محمدؐ کو جو چار مہینہ کا ہے تمھارے سپرد کریں تاکہ تم اس کی پرورش کرو کیونکہ اس بچہ کی ماں نے آج چار روز ہوئے انتقال کیا ہے اور بچہ اب تک بھوکا ہے کسی کا دودھ نہیں پیتا شاید تمھارا دودھ پی لے"؟

حلیمہ:"۔ جب آپ کی رائے ہے تو مجھے کیا اختلاف ہوسکتا ہے میں بھی یقیناً آپ کی طرح خوش ہوں کہ سردار قوم کی خدمت کروں"۔

ع؎ اس میں شک نہیں کہ صرف دودھ پلانے کی وجہ سے خدا اور دُنیائے اسلام کے نزدیک حلیمہ اور عبداللہ کی وہ عظمت ہے کہ جو ملائک کو بھی حاصل نہیں (مدیر)

عبداللہ:۔ "تو پھر اپنا سامان کرنا شروع کرو"

حلیمہ تیاری شروع کرتی ہیں اتنے میں رات ہو جاتی ہے اور تیاری کرتے کرتے نصف شب گزر جاتی ہے۔

عبداللہ:۔ "کیوں بیٹی کیا دیر ہے۔ مناسب ہے کہ رات ہی رات میں سفر کریں"

حلیمہ:۔ "میری طرف سے کوئی دیر نہیں میں سب کچھ کر چکی ہوں صرف آپ کا انتظار ہے"

عبداللہ:۔ "لو چلو میں بھی تیار ہوں (یہ کہکر باپ بیٹی دونوں جانب مکہ روانہ ہوگئے اور علی الصباح وارد مکہ ہوئے اور حلیمہ کو خانہ عبدالمطلب میں اُتار دیا)

عاتکہ بنت عبدالمطلب:۔ "بہن حلیمہ! میرے ساتھ ذرا آئیے (عاتکہ حلیمہ کو لے کر بنی امی کے کمرہ میں داخل ہوئیں اور بچہ کو حلیمہ کی گود میں دیا۔

حلیمہ:۔ بچہ کو پیار کرتی اور اپنی بائیں چھاتی سے دودھ پلانا چاہتی ہیں کیونکہ داہنی چھاتی سے حلیمہ کا دودھ کبھی نہیں اُترتا تھا۔

بچہ:۔ بچہ منہ کر کے داہنی چھاتی کی طرف رُخ کرتا ہے گویا زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ میں آج وہاں سے اپنی خوراک حاصل کر ونگا جہاں سے اب تک تیرا کوئی بچہ حاصل نہ کر سکا یہی میری دلیل صداقت ہوگی۔

حلیمہ:۔ (آخر جھنجلا کر) لے اس چھاتی کو جی چاہتا ہے تو لے اس میں کیا رکھا ہے جو تو اس قدر اصرار کر رہا ہے (یہ کہہ کر حلیمہ نے داہنی چھاتی بچہ کے حوالہ کردی۔)

بچہ تو پہلے ہی سے منتظر و مصر تھا کہ شان نبوت و دلیل صداقت سے حلیمہ کو مطلع کرے چھاتی کو منہ لگانا تھا کہ قدرت نے فوراً جوئے شیر جس کے سوت اب تک بند تھے جاری کردی (اللہم صل علےٰ محمدؐ و آل محمدؐ)

حلیمہ:۔ "اے میرے نور نظر محمدؐ یہ تیری برکت ہے خدا نے اس چھاتی سے دودھ جاری کیا ورنہ آج سے پہلے میں اپنے بارہ بچوں کی پرورش کر چکی ہوں مگر کوئی ایک بھی اس چھاتی کا ایک قطرہ نہ چکھ سکا۔ تیری بدولت آج وہ افاضات باطنی جو ہمیشہ سے مسدود تھے کھل گئے بے شک تو خدا کا برگزیدہ ہے۔

عبداللہ:۔ (بچہ کے دودھ پینے کی خبر پا کر) بیٹی حلیمہ میں اپنے پاس والے کمرہ میں تمہارا انتظام کرائے دیتا ہوں تم یہیں رہنا۔

حلیمہ:۔ "مجھے تو کوئی عذر نہیں مگر آپ والد عبداللہ سے دریافت کیجئے۔

لہ غریب حلیمہ کو کیا خبر تھی کہ قدرت نے اس خزانہ کو صرف اپنے حبیب کے لیئے محفوظ رکھا ہے اور قدرت نہیں چاہتی تھی جس طرح اور عام بچوں کی پرورش ہوئی میرے حبیب کی بھی اسی طرح ہو بلکہ اس کا مقصد اصلی یہی تھا کہ حبیب کو خاص شان سے تربیت کراؤں اور ابتدا ہی سے ان کی عظمت دکھا دوں (مدیر)

عبدالمطلب عبداللہ سے کہتے ہیں مگر عبداللہ اس کو منظور نہیں کرتے بلکہ بچے کو (برکت کے خیال سے) اپنے ساتھ لے جانے کی خواہش کرتے ہیں۔

عبدالمطلب:- اچھا بیٹی حلیمہ یہ بچہ اب تمھارے اور خدا کے حوالہ کرتا ہوں تمھارے باپ تم کو یہاں رکھنا نہیں منظور کرتے لہذا میں اپنے نور نظر کو تمھارے سپرد کرتا ہوں اس کو لیجاؤ مگر دیکھو ہر جمعہ کو اسے واپس میرے پاس لانا اور خانہ کعبہ کا طواف کرانا اس کے علاوہ اور بھی چند عہد و پیمان لے کر محمدؐ کو عبداللہ اور حلیمہ کے حوالہ کر دیا۔

حلیمہ:- "اچھا تو اب مجھے اجازت ہے" یہ کہکر عبدالمطلب کو سلام کیا اور اپنے باپ عبداللہ کے ساتھ اپنے قبیلہ بنی سعد میں واپس آگئی اور انتہائی شفقت و محبت سے کونین کے راج دلارے عبدالمطلب کی آنکھوں کے تارے بیکسوں کے بننے والے سہارے یعنی محمد بن عبداللہ کی پرورش شروع کی اور ہر جمعہ کو حسب اقرار طواف خانہ کعبہ کے لیئے لے جانے لگیں یہاں تک کہ آج کل ہوتے ہوتے آنحضرتؐ اس قابل ہو گئے کہ اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ باہر اندر آنے جانے لگے۔ اللہم صل علی محمد و آل محمد

سلام

(از جناب مولوی زوار حسین صاحب زوّار بدایونی)

ای سلامی جو ضیا اشکِ غمِ سرور میں ہے — لب چمک اس طرح کی گوہر میں اور اختر میں ہے
ولولہ پھر دل میں آیا جوش پھر کوثر میں ہے — پھر زباں رطب اللساں مداحِ حیدر میں ہے
ناز ہے مجھکو کہ ہوں آل محمدؐ کا غلام — نام میرا مالکِ کونین کے دفتر میں ہے
مدح گو شبیر کے ڈوبے ہوئے ہیں عشق میں — قلب میں جوشِ ولا الفت کا سودا سر میں ہے
جسم میں دل دل میں یوں ہو الفتِ آلِ نبی — جس طرح گوہر صدف میں اور چمک گوہر میں ہے
نائبِ حق ہیں نبیؐ، نائب نبیؐ کے ہیں علیؑ — فرق اتنا ہی فقط احمد میں اور حیدر میں ہے
فرض ہے ان کی اطاعت اور مودت اجر ہے — اللہ اللہ کیا شرف ولائے پیغمبر میں ہے
ٹھیک پڑا ایسا کہ کچھ بندے خدا کہنے لگے — کیوں نہ ہو ساری خدائی قبضۂ حیدر میں ہے
قتل شہ کی اُس طرف فوج عدو میں دھوم ہے — اس طرف یادِ خدا شبیر کے لشکر میں ہے
شاہ کہتے ہیں بہن ہم ذبح ہونگے تم اسیر — اب وہ ہونا ہے جو کچھ لکھا ہوا مقدر میں ہے
خود مصیبت رو رہی ہے بیکسی پر شاہ کی — لائے ہیں میت جواں کی اک تلاطم گھر میں ہے
کیا شہادت آپ کی اللہ نے مقبول کی — ماتم اک غربت زدہ پیاسے کا عالم بھر میں ہے
دامن آل عبا زوّار ہوگا ہاتھ میں — اک شفاعت کا سہارا بس یہی محشر میں ہے

حضرت علامہ سر محمد اقبال بالقابہ نور اللہ مرقدہٗ

در شرح اسرار اسمائے علی مرتضےٰ علیہ السلام میفرماید!!

مسلم اول شہ مردان علی | عشق را سرمایۂ ایمان علی
از ولاے دودمانش زندہ ام | در جہاں مثل گہر تابندہ ام
نرگسم وارفتۂ نظارہ ام | در خیابانش چو بو آوارہ ام
زمزم ار جوشد ز خاک من ازوست | مے اگر ریزد ز تاکِ من ازوست
خاکم و از مہر او آئینہ ام | میتواں دیدن نوا در سینہ ام
از رخِ او فال پیغمبر گرفت | ملتِ حق از شکوہش فر گرفت
قوتِ دینِ مبیں فرمودہ اش | کائنات آئین پذیر از دودہ اش
مرسلِ حق کرد نامش بوتراب | حق یداللہ خواند در اُم الکتاب
ہر کہ دانائے رموز زندگیست | سرِ اسمائے علی داند کہ چیست
خاکِ تاریکے کہ نام او تن است | عقل از بیدادِ او در شیون است
فکر گردوں رس زمیں پیما ازو | چشم کور و گوش ناشنوا ازو
از ہوس تیغ دو رو دارد بدست | رہرواں را دل بریں رہزن شکست
شیر حق ایں خاک را تسخیر کرد | ایں گلِ تاریک را اکسیر کرد
مرتضیٰ کز تیغ او حق روشن است | بوتراب از فتح اقلیم تن است
مرد کشورگیر از کراری است | گوہرش را آبرو خودداری است
ہر کہ در آفاق گردد بوتراب | باز گرداند ز مغرب آفتاب
ہر کہ زیں بر مرکبِ تن تنگ بست | چوں نگیں بر خاتمِ دولت نشست
زیر پاش اینجا شکوہِ خیبر است | دستِ او آنجا قسیمِ کوثر است
از خود آگاہی یداللہی کند | از یداللہی شہنشاہی کند
ذاتِ او دروازۂ شہرِ علوم | زیر فرمانش حجاز و چین و روم
حکمراں باید شدن بر خاکِ خویش | تا مئے روشن خوری از تاکِ خویش

(باقی دارد)

جن حضرات نے وی پی واپس کر دیئے ہیں وہ براہ کرم منی آرڈر روانہ فرما دیں۔ (مینیجر)

is also a master and therefore, is merciful to the sinner. And it is said "And my mercy encompasses all things." This clearly means that punishment is a phase of Divine mercy because it seeks not to punish merely but to correct the sinner. Mercy is shown after punishment

According to Islam death does not bring the life of man to an end. it only opens a door for a higher life. The aim of this life according to Islam is to attain to a higher life Islam opens before men s eye a vista of progress a new world of advancement. The connection between this life and the life after death is clearly expressed in the verse 'And whoever desires the hereafter and strives for it as he ought to strive and he is believer their striving shall be recompensed and certainly the hereafter is much superior in respect of degree and much superior in respect of excellence." According to Islam heaven and hell are not places of enjoyment and suffering to be met with after death only, they are realities even here. They begin in this very life. Any action by man leaves its effect upon man as soon as it is done Every good deed bears a fruit and every wicked deed its consequence. On the day of Resurrection a man is judged by the preponderance of good or evil in him. Paradise and hell are not two distinct and separate places.*

(To be continued)

*The writer seems to have misunderstood the teachings of Islam in regard to heaven and hell which are as a matter of fact two distinct and separate places and it is not true to say that the hell fire will purify a sinner and it will be only an advancement for higher stages for sinner and a cause of their purification. There will be certain sinners who will be kept in hell for ever. For such persons the word "Khalideen" is used This is also quite just, because for heinous crimes temporary punishment will mean nothing. The holy prophet has also mentioned in his traditions similar things. Of course temporary punishment will be given to only those persons who have not been guilty of serious crimes but the doers of heinous crimes will remain in fire for ever, as the doers of good will remain for ever in heaven I qoute only one out of so many instances mentioned in the Holy Quran. Those who disbelieve our signs, we shall soon make them enter into hell fire. As often their skins are burnt we will change them an other skin that they may taste the chastisement. Verily Allah is Mighty Wise. And those who believe and do good We will soon make them enter into gardens, beneath which the rivers flow and they will abide in them for ever (IV: 61, 62) Editor

do." This statement clearly warns not to be partial to the rich and not to say other than truth when the person against whom we bear witness is a poor man. Ties of friendship, love, fear, favour or compassion should not make us swerve a hair's breadth from strict adherence to tru h. Islam prescribes uprightness of conduct even towards enemies. It is said "And let not hatred incite you to exceed the limits and help one another in goodness and piety and do not help one another in sin and aggression". Islam alone can serve as an inter-national law prescribing equal treatment for all nations alike. This is clearly shown in practice by our Holy Prophet when he offered funeral prayers on the death of Abdulla bin Ubaay. Islam lays down for us the noble ethical doctrine of repelling evil with good. A golden rule relating to forgiveness of evil is given in the verse "And the recompense of evil is punishment like it but whoever forgives and amends he shall have his reward from God for He does not love the unjust". There is in Islam, neither the one extreme of eye for eye, nor the other extreme of turning the left cheek when the right is smitten, but a golden mean that forgiveness may be exercised if it will mend matter and do good to the evil doer himself The object to be kept in view is to mend, whether by proportionate punishment or by forgiveness.

Islam is a religion of hope. It teaches us that God is All merciful and no attribute of the Divine Being is more prominently referred to in the Quran as this attribute of mercy. There is evil in this world, but it is man's own making. True it is that all is from God, good and evil proceed from God, but while He sends good from Himself out of his beneficience, no evil visits a man unless his own hands have called for it. The doctrine of Fatalism has no place in Islam. It is only by his deeds he gets into distress and difficulty as he does evil he must submit to the Divine law and must suffer the consequences of his evil deeds. The belief that God cannot show mercy to His creatures, because He must be just, is an error, due to the misapprehension that God cannot be just and merciful at the same time. A mere judge cannot be both but God is more than a judge. He is a judge, therefore, cannot be unjust but He

on them by the bestowal of property rights. This is due to a misunderstanding of the Quranic faith. Monogamy is the rule in Islam and Polygamy is sanctioned under certain conditions with a definite view of improving the states of women. Before the advent of the Holy Prophet the Arabs were of a double injustice to a class of women, the Quran with a view of remedying these evils gave a share in the inheritence to such widows with a share also for the orphans and it recommends the taking of such widows in marriage and allowed polygamy expressly for this purpose. It should also be noticed that this permission was given at a time when the wars which were forced on the Muslims had diminished the number of men and many widows and orphans were left whom it was morally necessary to provide for. Such a provision was found in polygamy. It will, therefore, be seen that this limited polygamy was permitted by the Holy Prophet in the interest of women and to avoid the social evils of illicit friendship.

As regards purdah, it should be clearly understood that there is no Quranic sanction for it. The Quran never prohibited women from going out of their houses for their needs. At the time of the Prophet women took part in wars and had their prayers along with men. They also worked in the fields, no occupation was prohibited to women. The only restriction placed on their liberty was to cover their bodies and avoid the display of their beauty. No restriction is imposed on their activities. The Quran says plainly that women shall have the benefit of what they earn. Of course restriction on their liberty is sanctioned to the guilty of indecent and immoral conduct. This is permitted with a view to reform them.

The ethics of Islam is highly educative and appealing. It advocates strict adherence to truth "Oh you who believe ! be maintainers of justice, bearers of witness for God's sake, though it may be against you, your own selves or parents or near relatives, if he be rich or poor, God is the most competent with both, therefore do not follow low desires lest you deviate and if you swerve or turn aside God is surely aware of what you

ISLAM
A National Religion of Man

BY
IQBALUNNISA HUSAIN, MYSORE

Continued from page 20 Vol 1 No 12.

Not only does Islam proclaim equality among all nations but also equality of women with man. In the Holy Quran good and righteous women are given the same position as good and righteous men. The highest gift of God namely, Divine Revelation, has been bestowed even on women for it is said "When we revealed to thy mother what was revealed" and again, "and when, the angels said O Mary! God has chosen thee and purified thee and chosen thee above the women of the worlds." No other religious book has given such a high spiritual position to a woman. Again the Quran makes no difference between man and woman as regards the bestowal of reward for the good deeds he or she commits.' I will not waste the work of a worker among you whether male or female, one of you being from the other. "Again" 'Whoever does good whether male or female and he is a believer, we will certainly make him live happy life and we will certainly give them their reward for the best of what they did." According to the Quran, there is no difference with God between man and woman, and morally and spiritually both can rise to the same eminence Even materially the Quran does not intend any difference, for even women can earn, inherit and own property and dispose of it, just as men can do. In the matter of divorce women enjoy the same rights over their husbands as the latter over the former*

It is, however, said by critics that polygamy and purdah as enjoined in the Quran have done more harm to women than the benefit conferred

*The writer practically means 'Khula' which right is given to females while Talaq lies in the hands of males only. (Editor)

keep the house comfortable. The prodigal will, I am sure, return one day and claim his own. But let not the Musalman follow his way and turn a reactionary himself. Indeed I should, believe that the Musalmans cannot afford to do it at this stage. A vast majority of them know no other language. It is through this language only that they have for several generations carried on their intellectual activity, whatever that has been. It has now become their mother tongue, and is for that reason very dearly cherished. It has already developed a capacity to sustain the Muslim thought as has been transmitted to them by their past, and bids well to sustain the thought that will govern their mind in the days of the renaissance that he is looking forward to in the near future. To the extent he has poured his soul into its frame, to the extent he has transmitted his vitality to it, to that extent he will continue to claim it as an expression of his culture *as well* and will therefore naturally be desirous of not merely safeguarding its interests but continuing to make it a plank on which a community of fellow-feeling and mutual care and regard should thrive between himself and his fellow countrymen to the lasting good of our country.

CONCLUSION

Friends! I have done. I have to thank you for the very indulgent and patient hearing that you have given me tonight. I shall be happy if in my analysis of the basis of the Muslim Culture, I have succeeded, in ever so small a measure, in impressing upon you that this culture of the Musalmans is not a culture merely of the tailoring house, or of the drawing room or of the music hall or, a culture divided against itself, but is intrinsically and in its operations a culture of movement and unity in life, and is still powerfully at work in our midst at the present hour. Such being its fundamental character, can it ever be antagonistic to any healthy nationalism or internationalism or any ideal worthy of man ?

parents, and we have no right to change it. One of the heirs to the heritage may disown it, and go his way. But why should the other follow suit? There should be no doubt a feeling of regret in the mind of the Musalman that his fellow-countrymen should so seriously endeavour, as they are doing today, to dissolve a great bond of unity between their great cultures, and to strike out a new path for themselves. Truly, there was no need for it. The Urdu language being a manifestation of the genius of both the Hindus and the Musalmans is now strong enough to sustain the cultural thought of both the sections. It is sweet enough for every tongue. But our friends are not in a listening mood. They do not realize that new languages are not made that way, and that the natural laws of life are more potent than political slogans. The Musalman is therefore not perturbed at their defection; but at something more serious He fears that in their zeal to create an artificial language entirely alien to him in texture and spirit and to swamp the whole country with it, they will place impediments in the further development of the Urdu language. It is against this contingency that he is anxious to protect the Urdu language. He has already tried to argue with them that their venture to create a new language to serve as a *lingua franca* and to replace or supplant Urdu which in a large measure was serving this purpose, that this new venture was rank communalism on the part of the majority and was inimical to the interests of nationalism in India. The reply, however, comes—and I am quoting Pandit Jawaharlal himself—"The communalism of the majority is more akin to nationalism than the communalism of the minority". Such is the subconscious that is at work in our public life now-a-days in the name of nationalism! You really cannot argue after that. My sincere opinion is that the Musalman should not worry himself over what others are doing to foist an artificial tongue into the country. Like every other artificial tongue it will go the way of its predecessors. But he must continue to give to Urdu the best that there is in him to let it advance on its natural lines. But let him keep the door open. That is the only language which will one day bind India together. There is no other to take its place. So let him keep the door open and

money-lender, an unqualified economic programme such as is recommended at this moment of mass uplift may not mean much to him *He needs an extra attention, if such an uplift is to be really uniform.* That will be the test of nationalism or political partnership, if it is to grow and last. You cannot let a sweet slogan sweep across our country like a tornado only to weed out the weak. Let us pray and hope that wise counsels will prevail everywhere and a happy solution found; for, on that, I should think, will depend the future of India. If our compatriots should rise equal to the occasion and talk less of communalism, they will find that there is no section of the people better equipped morally and spiritually than the Musalmans to shoulder the responsibilities of an onward march to secure for India an honourable station in the w rld.

PROBLEM OF URDU

Apart from the cultural safeguards of the "Shariyah" there is another culture-field in which the Musalman in India is equally anxious to assure for himself in the new dispensation the necessary security. And that is the intellectual field in which he would like to see no barriers placed in the natural development of the language which he has helped to evolve to serve not merely as a vehicle of his cultural expression, and as a factor of unity among the Musalmans themselves, but as a means of establishing living connections with the other sections of the Indian population. This is a great question in itself, as the field in which a language is at play touches every other field of culture, and for that reason, will need a special treatment of its own. At some future date, I may likely deal with it in some detail. But at this moment, I feel impelled to strike a note of warning against the tendency noticed even among some of my own literary friends to call the Urdu language by the hazy name of Hindustani or even Hindi-Hindustani just for the sake of a compromise with mere politicians. I think that such an attitude is neither intellectual nor straightforward. I see no reason to call it by any other except its proper name, Urdu. That is the name given to it by its

that has opened before them in India. Our non-Muslim compatriots will do well to appreciate the Muslim standpoint and march forward with their hearty co-operation. It will serve no purpose to imagine that there is little difference between the culture of the Musalmans and that of the majority community. There are undoubtedly a great many things of the superficial nature which are common to both; but they are mostly the products of a common climate and of a common market life. They are not such as to promote a synthesis of social life at home; they do not touch the soul or bind the mind to one common moral outlook on life, or create a common feeling of sacred devotion to one another on terms of equality. I do not wish to analyze the culture of other people to bring this fact home to you. It may be unfortunate that there should be any fundamental difference in the basic character of the two cultures. Time may bring about some sort of uniformity at the foundation; but while the difference lasts, who can say that the Muslim Culture does not need or should not need safe-guarding, especially when that culture thrives on a universal spiritual law of life working for the unity of the human race rather than its disintegration? And history has shown how even noble cultures expressing the lives of minorities have been submerged by other cultures either by force of arms or by the militant voice of the majority, even in democratic countries. Such a prospect the Musalman in India is anxious to avoid while he can.

UNIFORM UPLIFT.

Hence it is that he wishes to have an effective share in the control of the state machinery, and an adequate share in the wealth of the country For what progress is that which does not give him, on the one hand the necessary strength to protect himself and all that he culturally holds dear against the whims of time, and on the other the means and resources to contribute to the general progress of the country. Handicapped as he is as an essentially landless class in most of the provinces, with meagre share in the industrial and commercial life of the country, and still educationally backward and living always in the grip of the

for a State organization to control and administer the Muslim endowments, collect and distribute the *Zakat* and other charges on the surplus wealth of the Musalmans, and to administer the law of inheritance and marriage in strict accordance with the ***original spirit*** of the "Shariyah".

SPIRITUAL LIFE AND MORAL STANDARDS.

I have drawn special attention to the economic needs of the Musalmans not because that a satisfaction of them is an end in itself, but because the 'Shariyah' of Islam lays an equal emphasis on the material interests of life, in order that there might be a natural and happy blending of the spiritual and the material in our daily activity. The safeguarding of the spiritual side is commonly understood to be a purely individual or private concern. This may be true of societies where spiritual development is not a matter for corporate endeavour. In Islam; individual spiritual progress is undoubtedly an aim of life, as in every other religion; but the peculiarity in Islam is this that every such individual progress should react on the general spiritual uplift of the Ummat adding momentum to the spirit of unity and solidarity among the members of the Faith and the humanity at large. That is the primary reason why the Musalmans have always been careful to have the necessary freedom for their daily congregational worship in a free atmosphere. This congregational worship is a great cultural force among us, and will have naturally to form one of the primary items of our safeguards. So also the moral standard of our social life under the 'Shariyah' will have to be respected in every piece of general legislation that may be enacted in this country in future.

CULTURAL IDENTITY.

Such in character are the cultural safeguards which the Musalmans are anxious to assure for themselves in the new political life

trate all their energy on the larger issues of their cultural future in India, and, in particular, the revival of that side of the "Shariyah", through the misunderstanding and neglect of whose intellectual and economic provisions, they owe so much of their present condition. Their children will need hereafter to be economically self-dependent, and intellectually and politically immune from exploitation.

ISLAM'S ECONOMIC PROGRAMME

The economic programme of the "Shariyah" has fallen into neglect very largely because there has been in our recent history too much facility afforded to indulge in lapses. Now that things are improving for every one in this country and its people are to have a control of their own affairs in the internal reorganization of their economic life, it becomes imperative on the part of every well-wisher of the Musalmans of this country to see that a community which, in spite of the shocks of time, has continued to live for a great social ideal in life does not fall a prey to any undiluted hunger creed, but satisfies its hunger by first re-organizing its own domestic economic resources on the moral lines laid down by the "Shariyah," through a machinery of the State. For, if the Musalman is to call the coming State his own, in precisely the same manner as any other member of the body-politic is entitled to, he must have the opportunity and the power to operate his personal law on himself. What form such a machinery will have to assume is a matter of detail. The non-Muslim sections of the people should have no reason to see in such a scheme the bogy of an *imperium in imperio.* The functioning of the personal law by the state among the different communities in India is not a new thing in this country, and should not appear a new thing if the work is better done. In the interest of economic self-sufficiency and without being a burden in any serious manner on the exchequer of the State, it should be within the rights of the Musalman to ask

still set in the same direction; and the call that proceeds from its minaret is the same great old call that moved the Musalmans to such wonderful activity in the past. The same standard of morality in sex relationships, and in the daily transactions of life persists, in spite of lapses, till this day. Above all the *Quran* lives, and its is making message of movement and unity, of freedom and equality, now heard in every home through its translations.

NEW AWAKENING.

Thus the qualities which should distinguish the Muslim culture are all there. Only the material accompaniments need toning up. The events of the last few decades have, however, roused the entire Muslim world to a consciousness of their present state of depression in material life. There are signs—and powerful signs—of a revival among the Musalmans every-where, as even in this country. It is an awakening such as usually comes to fallen nations who have had a great past. The non-Muslim community everywhere will be called upon hereafter to deal not with a decaying society such as it was the misfortune of Islam to call its own during the last few generations but with a rising generation, who, conscious of the condition in which they have been left through a neglect of their Faith, or an incorrect approach to it will now move forward to retrieve their position, and not merely claim the heritage of their past culture but revive the vitality inherent in its creed. What form this revival will take will be determined by the freedom of action they will enjoy. Wherever they predominate or live a homogeneous existence, their task is clear. They will have to rise or fall by themselves. But where, as in India, they are obliged to live a triangular life, they will have to effect a compromise. The fusion of cultures is an idle thought. A federation of cultures seems to be the only sensible solution here. And towards that end their efforts should be directed. This is not the time when their leaders should insist on the little dying things of the day. They have now to concen-

interaction of the material and the moral forces of life. Hence it was that, whereas it allowed free scope for the exercise of initiative in material pursuits of every description, it laid restrictions and prohibitions to prevent such enterprises from developing into exploitation of the moral or the material welfare of every other member of the society. It therefore lays its emphasis on the duties to be discharged towards others, rather than on any rights to be claimed without reference to these duties. Differences of interpretation of certain provisions of this law have given rise to several schools of thought among the Musalmans; but these in their essentials vary but little with one another.

This "Shariyah" or the law of Islam is the cultural expression of the Muslim mind, and is still a living force in his life in India, as everywhere else because it is intended to govern his day to day activity. The history of Islam has shown that so long as the Muslim mind was inspired by the law of movement and unity that we have been speaking of, did this "Shariyah" react to meet new situations, and vitalize the life of the Musalmans to further the cause of civilization. And whenever this spirit of movement asserted itself, there was what is called an *Ijtihad.* Unfortunately the spirit of *Ijtihad* has been taking rest among us for several centuries, keeping Muslim life out of tune with advancing time. It will serve no useful purpose to look over these centuries of depression and neglect of Islam and cry over the causes that have brought about the result. The "Shariyah" of Islam has reached us of this generation in a more or less static form, and at a time when we have no central organization of our own to exercise the powers vested in its code to regulate our daily life throughout the country. Needless to say that the culture of the Musalmans, as "Shariyah" can manifest, is being misunderstood and even denied. But may I point out that even in its present form, it has not lost those peculiarities of it which will be a source of perennial reminder to the Musalmans of their solidarity and the moral basis on which their social structure rests. Their form of worship which is greatest binding factor stands today even as it was fixed in the time of the Prophet. The Mosque is

hugging to earth, within the space measured out equally to every other Muslim in the world, with his head turned to one common centre, he lies. That is his Culture. He lies there wrapt in a simple dress, just two sheets of cloth, the dress which he used to put on whenever he appeared in the company of his comrades on the plain of Arafat, at Mecca, to pay homage to one common ideal in life. That dress is the symbol of his culture; not the fez, not the pyjamas, nor any other which he may put on or take away as may suit the promptings of the hour or the demands of climate.

And between these two landmarks in the life of a Muslim—his birth and his death, there are other landmarks which I have no time here to explain but between these two, all that he is expected to do is laid down either in specific terms or in broad outline in his Holy Book, the contents of which, in one form or another, are from his infancy onward always kept before him. These directions, informed by the life of the Prophet, compose the "Shariyah" of the Musalmans. For a general grasp of its character, it may be said that, *in the first place*, it regulates the form of Muslim worship, *in the second place*, it lays down the duties to be discharged by every member of the Faith towards every other, whether within the family or outside of it, and the duties to be discharged by them towards the non-Muslims who may compose their body politic, and duties to be discharged by the State towards one and all and, *lastly*, it lays down a compulsory programme of economic self-sufficiency allowing an equitable share in inheritance to every heir male or female, and levying certain charges on the wealth of the rich for the uplift of the poor, and the upkeep in particular of the widow and orphan and the old and the weak. These are the main directions in which this Shariyah" interests itself although in spheres not covered by these, such as matters of cleanliness food drink dress, and social etiquette, it also offers its guidance.

The aim of this body of directions, this 'Shariyah", was originally to evolve a society that should display in its activity a harmonious

The moment a baby is born in a Muslim family, a voice catches his ears That is his baptism. He is not baptised by water; but by the spirit of his own nature. This voice is usually the voice of the parent or of some elderly member of the family. It delivers him a message, of his own nature. "God alone is great. He alone is great; and there is none beside Him worthy of worship, even as his Messenger, Muhammad says". It is a message of freedom, of the dignity of man. The voice proceeds:"Hie to the path of progress: hie to the path of devotion". And it repeats itself, pointing to his Mission in life and showing him the line along which he should devote all his faculties to the service of the highest. And then the voice closes with the selfsame note with which it began. "God alone is great: He alone is great: and there is none beside him worthy of worship".

This little simple ceremony performed over a new-born baby, unconscious still of anything around him, is mightily symbolical of the Muslim culture that he will be called upon to respect and follow the culture of freedom and unity in life. The brief call which marks this ceremony at his birth does not die away with it, but haunts him right through his life In the morning, when he wakes up from sleep, or in the night, before he lays himself down for rest, he listens to the same call as three other times during the day—the call of the *Muazzin* from the minaret. And the note rings in his ears each time reminding him of the voice that was at first poured into them at the time of his birth—the call for progress and devotion to God. Indeed, such is the spiritual character of this culture that when his life's task on earth is done, and his family and friends gather around him to bid him farewell, the same call passes over his body and the gathering stand in a line, shoulder to shoulder, to pronounce blessing. The call is the selfsame call for progress and devotion to God even after death, death which in Islam is the name given to the opening of a new chapter of life in a higher and different sphere. Mark ! Even in death does he symbolize his culture through the posture he assumes in the grave. Here he lies neither embalmed nor protected in a safe coffin. Earth

is what the *Quran* says There is no stigma attached to any individual soul and he has not to suffer for any sin committed either by himself in a previous birth or by any of his remote ancestor. He has not to suffer for any action except his own. That is the fundamental point from which the Muslim conception of life and society starts. We are all equals in the eyes of God and no distinction is here made between man and woman. We all form together, as the Prophet expressed, one family, 'Ayal Allah' the family of God. When the *Quran* was delivered to him, the human society all over the world was formed on a hierarchical or divisional basis whether it was in Arabia. India or Persia or the Roman Empire. Every sanction for that basis was swept off in a moment when the Prophet came to the rescue of humanity and delivered his message of equality and intellectual and social freedom. The sense of equality between man and man is rooted in the mind of a Muslim; and I may suggest to every critic that the sense is neither Arabian in origin nor Persian in character, much less is it Indian. And wherever you see the Musalmans meet together whether in a mosque five times a day, or at the seat of their Kaaba once a year, there you find the culture of the Musalmans. This sense of equality, this standing shoulder to shoulder without regard for colour or race or station in life, this standing and kneeling and sitting together in a common worship before one Common Master of the Universe using one common language of devotion, expressing one common wish, this sense or its manifestation is the culture of the Musalmans. And it is to be found in India as in every part of the globe where two Muslims meet.

CULTURAL LANDMARKS IN MUSLIM LIFE

What is the life of a Muslim from birth to death, even in this age of the machine ? What are the cultural landmarks through which he has to pass, no matter how he reacts to them individually? That is one line of approach to his mind, one sure way of understanding his culture.

The Muslim Culture in India

BY

SYED ABDUL LATIF

(Continued from Page 2) Vol. I: X)

CULTURE OF UNITY: SHARIYAH.

You may remember that I have pointed out that unity in life is the aim of movement in life and the two go together to serve the background to all that the Muslim has to do in life.' Indeed the law of unity in life is the spiritual and the moral law of Islam—a law which is at the basis of the social structure of the Muslim society to regulate which a Code of action has been prescribed going by the the name of "Shariyah'. My purpose is to explain to you the spiritual law of life working behind this 'Shariyah', the law of unity without which the law of movement in life will lead to chaos and disaster The Muslim Culture therefore which embodies this law will always be found ready to welcome every achievement of science *but it will be careful to see that that achievement subserves to or advances the cause of unity in life:* Where it does not do so, you will find the Muslim mind disinclined to accept it as a factor of life If this peculiarity of our mind is understood by those who would like to co-operate with us in the affairs of the world there will be absolutely no difficulty in making the necessary adjustments in our daily relationships. It is the moral tone to life's activity which Islam enjoins upon its followers that could not be compromised and where people, in the pursuit of a hunger creed will require of them to disregard this moral aspect of life, I am sure they will never succeed

Let us see what this moral basis is. I shall not attempt to take up your time with any disquisition on the unity of God which is the basic belief in Islam' I am concerned only with its implications in social matters To us the unity of God shows itself up in the unity of mankind. Humanity in Islam is composed of individuals born with an equal spiritual status Every human soul is made of the same fabric. That

by *the eye*, nor can He be grasped by *any senses*, nor can He *become one with any being*, nor can He be *contained in anything* etc., etc. Moreover the verse refutes the *eternity of matter and soul* which some suppose to have existed independently of the Creator.

The *third verse* rejects the idea of the Creator being the *father or Son* of anyone as the Christians suppose Him to be.

The *fourth verse* particularly refutes the doctrine of *incarnation* which supposes God to be a kind of soul entering some human or animal body as the orthodox Hindus believe.

Thus we see the *vast comprehensiveness* of these 4 short and simple sentences of the Quran which have rejected all possible forms of 'Shirk' (Polytheism) and shown the most perfect Standard of Monotheism taught by the Quran.

It may be further added that Islam has taken *Shirk*' or Polytheism) *in a sense far wider* than any other religion. Following our low desires or blindly doing all that our mind tells us to do has been equally condemned and spoken of as form of idolatry as the following verse of the Holy Quran will show :—

> "Hast thou (O prophet!) seen him who takes his passions for his God? Wilt thou then be a guard over them?" (XXV 45.)

In fact these low desires are generally worshipped as idols, and how few of us have actually rejected this sort of *idolatry*! A Muslim, a true follower of Islam, should also avoid bowing down his head before these idols, in other words, he should *restrain his passions* and keep them within their proper bounds. That is the highest standard of Monotheism and *moral principle* laid before us and taught by the Last Messenger or God in His Last Word. May God help us all to obey His commandments and follow His Last Messenger in the mazy track of life. Amin!

THE END

Hindu theory, considering himself identical with God*, but the idea appears to have been rejected by him just before his death.

I may here remark, in passing, that the *Vedanta Theory* or Pantheism has nothing to do with the doctrine of Monotheism as taught by the Quran. That some Sufis, especially the poets, have adopted this theory is no reason to suppose that it is an Islamic teaching The idea appears to have been borrowed from Hinduism or religions other than Islam.

SUM-TOTAL OF ISLAMIC MONOTHEISM.

Before I conclude I deem it advisable to give the *sum-total of Monotheism* as contained in one of the shortest chapters of the Holy Word of God, which, translated into English, stands thus:—

(1) ' Say: He(that is God) is one."

(2) "God is He on whom all depends (He being independent of all)."

(3) 'He begets not, nor is He begotten.'

(4) ' And no one is His equal." (The Quran CXII: 1-4.)

The word 'Ahad' in the first verse denotes that He is *one in all respects,* one as regards *His unity, power, knowledge, wisdom, mercy, holiness providence, lordship, mastership,* etc. In fact the word 'Ahad' comprehends all His perfect attributes.

The word "*As-Samad,*" in the second verse, has several meanings applicable to God—all showing that He is not dependent on anything but all things depend on Him. This word discards all unworthy conceptions about the Godhead proving that *the Almighty is free from all imperfections,* e g. He has *no body, no limbs, no parts,* etc. He can never be seen

* Vide Dayananda's Autobiography which he had himself published in the "Theosophist", some two or three years before his death.

The Vedanta (i e, the end of the Veda or its ultimate teaching). as its name indicates, is primarily based on the Veda, on the famous hymn occurring in all the four Vedas called the *Purusha Sukta.* As contained in the *Rig Veda* (X: 90). it consists of 16 mantras A translation of 1st, 2nd, 12th. 13th and 14th mantras is given below :—

(1) 'A thousand heads had purusa* a thousand eyes, a thousand feet On every side pervading earth he fills a Space of 10 fingers Wide." †

(2) "This Purusa is all that yet hath been and all that is to be; The Lord of Immortality which waxes greater still by food."

(12) "The Brahaman was his mouth, of both his arms was the Rajanya made. His thighs became the Vaisya, from his feet the Sudra was produced."

(13) ' The moon was gendered from his mind, and from his eye the Sun had birth.'

(14) ' Forth from his navel came mid-air; the sky was fashioned from his head; earth from his feet and from his ears the regions. Thus they formed the world."

This idea of the *identification* of the Universe with God or of the soul with God is too unworthy of the Most High to require any refutation If man, a worm of the Universe, as he is, should profess to rise to the God-head he utters the worst heresy. Further. if the whole universe be an *illusion* (as they say) the parts are so too. We are therefore an illusion! Our sacred books are an illusion! *If God's work is an illusion, God's word too must be the same!* Is it not simply nonsense to hold that God should so deceive His intelligent creatures? The *founder of the Arya Samaj* (the late Dayananda Sarasvati) had long held this *ancient*

* Purusa represents man personified as the soul and original source of the universe, the personal and life-giving principle in all animated things —Griffith

† The region of the heart of man

THE

ISLAMIC WORLD

BUDAUN, U. P.

Vol. 2 | May, 1938. | No. 3

Islam and Divine Unity

BY

LATE ALHAJ KHWAJA GHOLAM-UL HASANAIN

(Continued from Vol I: XI)

THE VEDANTA PHILOSOPHY OR PANTHEISM.

There is another philosophical system, widely prevalent now-a-days in India, which claims to be monotheistic. It teaches—

(*i*) that there was, there is, and there will be one God and nothing else.

(*ii*) that the universe with all its parts sprang from the Divine Being just as sparks spring from a fire.

(*iii*) that the universe is *Maya* (or illusion), like some dream or jugglery.

This is generally known as the *Vedanta Philosophy* and was compiled and compressed into the shortest Sutras by *Vyas* in his *Vedanta Darshana* (one of the six schools of the Hindu Philosophy) It was commented upon and promulgated by *Sankar Acharya* and is therefore, known as *Sankara's philosophy* as well. The same doctrine has been taught in the *Upanishads.*

THE
ISLAMIC WORLD
BUDAUN, U. P.

Vol. 2 | May, 1938. | No. 3

Islam and Divine Unity

BY

LATE ALHAJ KHWAJA GHOLAM-UL HASANAIN

(Continued from Vol I XI)

THE VEDANTA PHILOSOPHY OR PANTHEISM.

There is another philosophical system, widely prevalent now-a-days in India which claims to be monotheistic. It teaches—

(*i*) that there was, there is, and there will be one God and nothing else.

(*ii*) that the universe with all its parts sprang from the Divine Being just as sparks spring from a fire.

(*iii*) that the universe is *Maya* (or illusion), like some dream or jugglery

This is generally known as the *Vedanta Philosophy* and was compiled and compressed into the shortest Sutras by *Vyas* in his *Vedanta Darshana* (one of the six schools of the Hindu Philosophy) It was commented upon and promulgated by *Sankar Acharya* and is therefore, known as *Sankara's philosophy* as well. The same doctrine has been taught in the *Upanishads*

THE
ISLAMIC WORLD

BUDAUN. U. P.

Vol. 2 **MAY 1938.** **No. 3**

ANNUAL SUBSCRIPTION.

INDIA	Rs. 4/-	SINGLE COPY (INDIA)	-/7/-
FOREIGN	Rs. 6/-	FOREIGN	-/9/-

HONORARY EDITOR
Dr. S. E. A. SHAH NAQVI.

MANAGER & PUBLISHER
ALI ASHRAF
KAZI STREET BUDAUN

Printed by Abid Uddin at the Nizami Press, Budaun

اسلامی دنیا

بدایوں

چیف ایڈیٹر
ڈاکٹر ایس عنایت علی شاہ
نقوی

اغراض و مقاصد

۱۔ غیر مسلم حضرات کے سامنے حقائق اسلام کو بے نقاب پیش کرنا

۲۔ مسلم طبقہ میں رواداری کی مستقل لہر دوڑانا

۳۔ فرقہ وارانہ اختلافات اور کشیدگیوں کی خلیج کو لگاتار پاٹنے کی کوشش کرنا۔

۴۔ احباب کو مخلص اور مخالفین کو دوست بنانا

۵۔ حقیقی علمبرداران اسلام کی سوانح حیات اور اُن کی علمی اور اخلاقی تعلیم کو عملی رنگ میں پیش کرنا۔

۶۔ دنیائے اسلام کے اہم مسائل پر صحیح تنقید و تبصرہ کرکے غیر مسلم حضرات کی غلط فہمیوں کو رفع کرنا۔

۷۔ رعیت اور راعی کے تعلقات کو خوشگوار بنانا۔

۸۔ قرآن مجید کے متعلق جو شبہات پیدا کیے جاتے ہیں اُن کو بہ آئین شایستہ زائل کرنا اور ایسی چیزیں دنیا کے سامنے پیش کرنا جو عام فہم غلط فہمیوں کا ازالہ کرکے ہر بافہم انسان کو شیدائے اسلام بنا دیں۔

۹۔ مسلمات شیعہ سُنی کے خلاف کوئی شے اس رسالہ میں درج نہ ہوگی۔

۱۰۔ اس رسالہ کے نامہ نگار اسلام کے سچے ہمدرد شیعہ و سُنی حضرات جو ملک میں کافی روشناس ہیں ہونگے

۱۱۔ حضرات علمائے اعلام کثر اللہ امثالہم اپنے بیش بہا افادات سے اس رسالہ کی وقتاً فوقتاً اعانت فرماتے رہیں گے۔

۱۲۔ غیر مسلم حضرات جو مشاہیر اسلام سے عقیدت رکھتے ہیں اُن کا کلام نظم و نثر بھی اس رسالہ میں درج ہوا کریگا۔

نظام العمل

۱۔ یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کے آخری ہفتہ میں لاہور سے شایع ہوا کرے گا۔

۲۔ سالانہ چندہ عام شائقین سے چار روپیہ ہوگا۔

۳۔ بیرون ہند سے ساڑھے سات شلنگ ہوگا۔

۴۔ یہ رسالہ مخصوص غیر مسلم اداروں میں اور کتب خانوں میں بلا قیمت بھیجا جائے گا۔

۵۔ بلا وصول قیمت پیشگی پرچہ روانہ نہ ہوگا جو حضرات وی۔پی کی اجازت دیں گے اُن کا اخلاقی فرض ہوگا کہ واپس نہ فرمائیں۔

۶۔ جملہ خط و کتابت و ارسال مضامین بنام مدیر ہونا چاہیئے۔

۷۔ جملہ ارسال زر بنام منیجر ہونا چاہیئے۔

۸۔ جن حضرات کے پاس رسالہ آخر ماہ تک نہ پہنچے وہ صدر دفتر کو اطلاع دے کر منگوا سکتے ہیں۔

چندہ سالانہ للعہ

بیرون ہند سے سے/

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ

اِسلامی دُنیا

زیر سرپرستی حضرت قمر الواعظین لسان الملۃ ناصر الشریعۃ مولنا مولوی محمد لقار علی حیدری مدظلہ
مدیر مسئول حکیم ڈاکٹر سید عنایت علی شاہ نقوی ایل۔ سی۔ پی۔ ایس۔ ایم۔ ایس۔ ایچ۔ اے۔ ایچ۔ پی (لکھنؤ)

"نقد و تبصرہ"

حضرت جدی علام جناب مولوی رفیع احمد صاحب عالی اعلی اللہ مقامہ بدایوں کے اُن چند ممتاز حضرات میں سے گزرے ہیں جن کی ساری زندگی سبق آموز قابل تقلید اور قابل مثال ہے۔ برادر عزیز مولوی ضیاء احمد صاحب ایم۔ اے پروفیسر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے یادگار عالی طبع کراکے درحقیقت ساری قوم پر بہت بڑا احسان کیا ہے اُمید ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد مجموعہ "یادگار عالی" ایک نادر و نایاب تحفہ سمجھا جائے گا۔ اگرچہ ہم قطعی نا اُمید نہیں ہیں کہ زبان اُردو کے قدردان آج بھی اس نادر ذخیرہ سے کافی لطف اندوز ہوں گے سلف صالحین کی یادگار "باقیات الصالحات" کی تعریف میں آتی ہے جس طرح کسی شخص کی لائق اور سعید اولاد یادگار ہوتی ہے اسی طرح اُس کے علمی کارنامے بھی بہترین یادگار ہوتے ہیں۔ درحقیقت مقام فخر ہے کہ ہمارے بزرگ کو خداوند عالم نے بہترین اولاد عطا فرمائی جو سب کی سب اپنی خداداد قابلیت۔ کمال انسانیت اور مغربی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود مذہب کے پورے طور پر پابند ہونے کی بنا پر باقیات الصالحات کے صحیح مصداق ہیں۔ آپ کا کلام جس کا مختصر نمونہ کتاب زیرِ تبصرہ میں درج ہے ہر اعتبار پر ادب اُردو میں بہترین اضافہ ہے مولوی یعقوب بخش صاحب راغب نادفقہ رئیس بدایوں نے جو سوانح حیات جناب ممدوح لکھے ہیں وہ قول و دل کی تعریف میں آتے ہیں مجھو صرف صفحہ ۳ کی آخری سطر کے ایک لفظ سے اختلاف ہے مذہب ممدوح کی دلیل میں فاضل سوانح نگار نے تحریر فرمایا ہے۔ آپ مذہب سنت و جماعت کے قائل و عامل تھے اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کا ذکر تعظیم و احترام سے کرتے تھے۔ ادائے صوم و صلوٰۃ میں طریقہ اہل سنت مرعی تھا"

اس سے تو مجھے بھی انکار نہیں ہے کہ مذہب اہلسنت و جماعت مسلمانوں کے ایک بہت بڑے گروہ کا مذہب ہے۔ اور اس حد تک میں بھی قائل ہوں لیکن میرے بزرگ "اعلی اللہ مقامہ" اس مذہب کے عامل تھے"۔ اس میں مجھے تامل ہے۔ خلفاء راشدین کا ذکر تعظیم سے کرتے تھے یہ ہر بااخلاق انسان سے اُمید کرنا ضروری ہے۔ چاہے وہ مسلم ہو یا غیر مسلم جناب ممدوح نے جس آغوش میں تربیت پائی تھی اور جہاں اپنے مدارج علمیہ طے کیئے تھے وہ اس کا متقاضی ضرور تھا کہ جناب ممدوح شیعہ اثنا عشری عقائد کے ساتھ پابند صوم و صلوٰۃ ہوتے۔ بہرحال ہم تو شیعہ و سُنی میں تفرقہ اندازی کو بدترین شے سمجھتے ہیں اور آج تک کسی کو شکایت کا موقع نہیں دیا ہے اس لیئے مولانا راغب صاحب کی تحقیقات یا معلومات پر ہمیں حرف گیری کا موقع نہیں ہے۔ ہم مولانا موصوف کے بے حد شکر گزار ہیں کہ اُنھوں نے مختصر لیکن جامع سوانح حیات لکھ کر جناب ممدوح کے تمام پسماندگان کو رہین منت بنایا۔ اردو زبان سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے واسطے "یادگار عالی" ایک بہترین ذخیرہ

اس مختصر مجموعہ میں گہری نظر ڈالنے سے جناب ممدوح کے عقیدہ کا پتہ بآسانی چل جاتا ہے۔

صفحہ ۴۹ پر درج ہے :-

ع سفینہ الفت آل محمد کا مہیا ہے
تو پھر کیا غم ہو عالی جوشش طوفان عصیاں کا

یہ حدیث سفینہ کا ترجمہ تو نہیں لیکن خلاصہ ضرور ہے۔

قال رسول اللہ صلے اللہ و آلہ وسلم
مثل اہل بیتی کسفینۃ نوح من رکبھا نجی ومن تخلف عنھا غرق وھوی"۔

حضرت رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اہل بیت کی مثال کشتی نوح کی سی ہے جو اس پر سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جو رہ گیا وہ ڈوب گیا

اور صفحہ ۱۶ پر ع

ہیں رکن رکین دین و ایماں
سو جان سے پنجتن کے صدقے

اس شعر سے اہل بیت کی تعین اور تشخیص ہوتی ہے

اور صفحہ ۶۸ پر ع

پڑے جب کوئی مشکل سر پہ آکر
تو اے عالی علی کا نام لینا

علاوہ ادبی کمالات کے حامل ہونے کے مصنف ممدوح کی عقیدت کی ترجمانی کے واسطے کافی ہے۔

اس کتاب کے حاصل کرنے کا طریقہ اگرچہ درج کتاب نہیں ہے لیکن امید کی جاتی ہے کہ اس کے فاضل مرتب مولوی ضیا راحمد صاحب ایم۔ اے بدایونی پروفیسر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے رجوع کرنے پر بعنوان مناسب مل سکتی ہو۔

خاکسار
محمد لقاء علی حیدری نبیرہ حضرت عالی طاب ثراہ

نوٹ حضرت خال المعظم الحاج مولوی ضیا احمد صاحب خلف الصدق حضرت عالی اعلی اللہ مقامہ نے مجھے اطمینان دلا دیا کہ جناب ممدوح اہلسنت کے طریقہ پر نماز ادا کرتے تھے لہذا یہ تردد رفع ہو گیا۔ (حیدری)

(۲) شمس الواعظین جناب مولانا سید ظفر حسن صاحب امروہوی کا نام نامی کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے آپ کے علمی و دینی خدمات کا دوست اعتراف کرتے ہی ہیں دشمنوں کو بھی تسلیم ہے کہ محققانہ اسلوب سے جو کچھ آپنے زبان اور دین مختلف اوقات میں اپنی تصنیفات و تالیفات کے ذریعہ سے اضافہ فرمایا ہے وہ ہر طرح لائق تحسین ہے۔ حال ہی آپ کا شاہکار قلم "دینی کہانیاں" حصہ اول کی صورت میں شمیم بک ڈپو مرادآباد نے شایع کیا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک جن انبیا کے حالات ممکن ہیں وہ سب اس مجموعہ میں یکجا نظر آتے ہیں اور اس قدر عام فہم اور سلیس اردو زبان میں لکھا ہے کہ چھوٹے درجہ کے طلبا لڑکے اور لڑکیاں بہ آسانی پڑھ سکتے ہیں۔ علاوہ حالات انبیا سے واقف ہونے کے ہر کہانی سے ایک اچھا سبق حاصل ہوتا ہے۔ اور باوجود بے شمار خوبیوں کے جن کی کسی کتاب کو ضرورت ہوتی ہے قیمت اس درجہ کم ہے کہ ہر شخص بہ آسانی خرید سکے ٹائٹل عمدہ۔ کاغذ۔ کتابت۔ طباعت سب اچھا اور ۲۰۰ صفحات کا حجم یقیناً اس قیمت کے مقابل بہت ارزاں ہے اگر سررشتہ تعلیم کے افسران توجہ فرمائیں اور انگریزی و اردو کے مدارس میں نہر درسی

اردو زبان میں اپر مڈل کلاس کے طلبا کے واسطے کورس میں داخل کردی جائے تو یقیناً یہ بہترین اضافہ ہوگا اور طلبا کی معلومات میں نمایاں اضافہ ہوگا۔ قیمت صرف ۱۲؍

خاکسار محمد لقا علی حیدری مسلم مشنری

"تذکرۃ المشاہیر"

ہم نے سابق میں وعدہ کیا تھا کہ جن حسین والوں کے فوٹو ہم نے شایع کیئے ہیں اُن کے متعلق وقتاً فوقتاً حالات درج کیئے جائیں گے تاکہ ناظرین اسلامی دُنیا و اسلامک ورلڈ ہی تنہا واقف نہ ہوں بلکہ یہ تذکرے تاریخی حیثیت اختیار کرلیں۔ آج ہم نہایت فخر کے ساتھ فخر ملک و ملت مایۂ ناز فن طب ڈاکٹر حاجی سید حیدر علی خاں صاحب بالقابہ کے متعلق مختصر تذکرہ درج کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب (خدا نظر بد سے محفوظ رکھے) اُن مخصوص ہستیوں میں سے ایک ہیں جن پر سارا ملک بلا تفریق مذہب و ملت فخر کرسکتا ہے۔ اور ہم انتہائی مسرت کے ساتھ یہ کہنے کو تیار ہیں کہ ایسی اعلیٰ تعلیم پانے کے بعد ایسے عہدہ جلیلہ پر فائز ہونے کے بعد کامل مذہبی آدمی۔ پابند صوم و صلوٰۃ۔ ڈاکٹر سید حیدر علی خاں صاحب ہیں خدا کرے کہ موصوف صدوسی سال سلامت رہیں اور سرکار اعلیٰ حضرت فرماں روائے دکن کی سرپرستی میں بہترین خدمات انجام دیں۔ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔

مدیر

ڈاکٹر حاجی حیدر علی خاں صاحب کی ولادت بمقام حیدرآباد دسنہ ۱۸۹۵ء میں ہوئی۔ آپ کے والد بزرگوار جناب حکیم داود علی خاں صاحب طاب ثراہ فضلا سے عصر سے تھے جن کی بعض تالیفات بزبان عربی "علم الالوان" وغیرہ بطور باقیات الصالحات اب بھی موجود ہیں۔ آپ کمسنی میں ہی اپنے پدر محترم کے ساتھ زنجبار تشریف لے گئے تب آپ کی مذہبی انگریزی اور دیگر زبانوں میں تعلیم ہوئی۔

سنہ ۱۹۰۳ء میں حیدرآباد واپس آکر اپنے مدرسہ عالیہ اور نظام کالج کے نصاب کی تکمیل کے بعد کچھ عرصہ حیدرآباد میڈیکل اسکول کی تعلیم میں گزارا اس کے بعد گرانٹ میڈیکل کالج بمبئی میں طبی نصاب کی تکمیل کی اور جے جے اسپتل میں سینیر سرجکل رجسٹرار مقرر ہوئے۔ جنگ عظیم کے زمانہ میں اعلیٰ تعلیم کی غرض سے لندن گئے اور وہاں گائیز ہاسپٹل اور مڈل سکس ہاسپٹل کی طبی درسگاہوں میں زیر تعلیم رہ کر ایں۔ آر۔ سی۔ پی۔ او۔ ایم۔ آر۔ سی۔ ایس کے امتحانات میں کامیابی حاصل کی۔ ساتھ ہی ساتھ پرائمری ایف۔ آر۔ سی۔ ایس میں بمبئی کامیاب ہوئے۔ اثنائے قیام لندن میں آپ کو

بلگریو ہاسپٹل اور مٹروپولس ہاسپٹل کے ہاؤس سرجن اور مڈل سیکس ہاسپٹل میں "اناٹمی" کے ڈیمانسٹریٹر رہنے کا فخر حاصل ہوا جو غیر معمولی قابلیت ہی کی بنا پر ممکن تھا۔ اس کے بعد آپ اڈنبرا روانہ ہوئے اور وہاں سے ایف۔ آر۔ سی۔ ایس یعنی علم جراحی کا اعلیٰ ترین امتحان پاس کیا۔ دوران تعلیم میں بمبئی یونیورسٹی اسکالرشپ اور حیدرآباد یورپین اسکالرشپ سے آپ کی حوصلہ افزائی کی گئی۔

مذہبی پابندیاں اوائل عمر ہی سے آپ کی گھٹی میں پڑی تھیں یعنی یہ وہ ورثہ ہے جو پیڑھیوں سے سینہ بسینہ منتقل ہوتا چلا آرہا ہے۔ اسی طرح جسمانی ورزشوں اور کھیلوں کا شوق بھی ابتدا ہی سے تھا جسے آپ نے زمانۂ تعلیم میں بھی جاری رکھا یہاں تک کہ آپ اپنے زمانہ کے فٹ بال کے مشہور کھلاڑی مانے گئے۔ نیز دوسرے ورزشی کھیلوں میں ہمیشہ آپ ہی کو شرف امتیاز حاصل رہا۔ چنانچہ اب بھی ہاکی، کرکٹ، ٹینس وغیرہ لمحات فرصت میں آپ کے عزیز مشغلے ہیں۔ فن تیراکی اور کشتی رانی میں بھی آپ خاص مہارت رکھتے ہیں۔

۱۹۱۱ء میں یورپ سے واپسی پر محکمہ طبابت سرکار عالی میں آپ کی خدمات کا آغاز ہوا اور سب سے پہلے اورنگ آباد میں سول سرجنی کے عہدہ پر فائز ہوئے تقریباً تین سال کے بعد آپ حیدرآباد افضل گنج جنرل ہاسپٹل میں مامور اور نواب صدر اعظم بہادر کی اسٹاف سرجنی کے اعزاز سے سرفراز ہوئے۔ اسی زمانہ میں حیدرآباد کے نامور رئیس جناب مولوی سید امیر حسن صاحب اول تعلقدار (برادر جناب نواب محسن الملک مرحوم) کے ممتاز خاندان میں آپ کا رشتہ ازدواج قایم ہوا۔ دوران قیام حیدرآباد میں آپ میڈیکل کالج میں حیاتیات (بیالوجی) کے پروفیسر بھی رہے بالآخر آپ کو یہاں کا پروفیسر اناٹمی مقرر کیا گیا جو آپ کا خاص مضمون تھا۔ اسی اثنا میں ۱۹۲۵ء میں پرنس آف ویلز میڈیکل کالج پٹنہ کے لیے علم تشریح کے ایک ماہر پروفیسر کی ضرورت پیش آئی جس کے لیے تقریباً تمام متمدن ممالک سے لائق امیدواروں کی درخواستیں طلب کی گئی تھیں ان درخواست گزاروں کی تعداد کثیر میں منتخب ہونے کا فخر صاحب موصوف ہی کو حاصل ہوا۔ اور اس شان امتیاز کے ساتھ آپ کا تقرر ایک معتد بہ مشاہرہ پر عمل میں آیا ایک حیدرآبادی کا اس خیر مقدم کے ساتھ برٹش انڈیا کی یونیورسٹی میں صدر شعبۂ تشریح مقرر ہونا ملک اور اہل ملک کے لیے ایک قابل فخر مثال ہے۔

ابتدا ہی سے آپ کا علمی شغف اور فنی ذوق غیر معمولی تیور لیے ہوئے تھا چنانچہ حیدرآباد میں "دکن میڈیکل جرنل" اور پٹنہ میں "پٹنہ میڈیکل جنرل" کی اشاعت کا سہرہ آپ ہی کے سر ہے۔ آپ کی تصانیف ایلیمنٹس آف زوآلوجی (حیوانیات) اور ایلیمنٹس آف امبریولوجی (جنینیات) ہندوستان کے متعدد کالجوں کے نصاب میں داخل ہیں۔ ڈاکٹر صاحب اپنے پیشہ کے لحاظ سے علم جراحی میں مہارت خاص رکھتے ہیں اور اس فن میں گہری دلچسپی کے سبب آپ کو ید طولیٰ حاصل ہے۔ سیاحت کا بھی آپ کو بہت شوق ہے حج و زیارت مقامات مقدسہ کے علاوہ آپ نے ہندوستان اور یورپ کے مقام

مشہور و معروف مقامات کی سیر کی ہے۔ سنہ ۱۹۳۴ء میں آپ نے یورپ کا تیسرا سفر کیا اور اپنی معلومات میں اضافہ کرنے کے ماسوا علم جنینیات (امبریالوجی) میں خاص طور پر تحقیقات اور ریسرچ کی۔ یہ اسی شغف کا نتیجہ ہے کہ حال ہی میں آپ نے جنینیات جیسے اہم اور مشکل موضوع پر جدید ترین معلومات کے ساتھ دوسرا ایڈیشن تیار کیا جو زبان اردو میں عدیم المثال اور نصاب طبی میں قابل قدر کتاب ہے۔ آپ نے یورپ امریکہ چین اور جاپان نیز دیگر مشہور مقامات کے طبی اداروں شفاخانوں طبی درسگاہوں اور مشہور کالجوں کا تفصیلی معائنہ کیا اور اقصائے عالم کی طبی تحریکات سے کماحقہ واقفیت حاصل کی۔ نیز طبی اداروں کے ہر طبی اور مختلف انتظامی طریقوں کا بنظر غائر مطالعہ کیا۔ ملازمت پٹنہ کے دور آخر میں آپ پٹنہ میڈیکل کالج میں اناٹمی کی پروفیسری کے علاوہ کالج کے پرنسپل اور پٹنہ جنرل ہاسپٹل کے سپرنٹنڈنٹ کا کام بھی انجام دے رہے تھے۔

ملک کی خوش نصیبی کہ آپ کو سنہ ۱۹۳۰ء میں بتعمیل فرمان مبارک بعنوان نظامت طبابت حیدرآباد طلب فرماکر حیدرآباد میڈیکل کالج کی پرنسپلی پر مامور رکھا گیا۔ میڈیکل کالج میں آپ ہی کے فنی انہماک سے تمام شعبوں کی تنظیم جدید ترین اصولوں پر علمی اور عملی حیثیتوں سے عمل میں لائی گئی۔ طبی تعلیم کے سلسلے میں سررشتۂ دارالترجمہ کے شعبۂ طبیہ کی نگرانی بھی آپ ہی کے ذمہ رہی۔ آپ نے اس شعبہ میں دو سال کے اندر ہی تراجم طبی کی چھ اہم کتابوں کے جدید ترین ایڈیشن تیار کرائے۔ انگلستان کے جنرل میڈیکل بورڈ کے ایک کمیشن نے جو حال ہی میں میڈیکل کالج حیدرآباد کی طبی تعلیم اور تراجم

کے تفصیلی معائنہ کے لیے حیدرآباد آئے تھے آپ کے مساعی کو بنظر استحسان دیکھا اور پرزور الفاظ میں ستائش کی۔

تقریباً ایک سال تک آپ کرنل نارمن واکر صاحب ناظم طبابت کے شریک کار رہے اور بالآخرہ ۲ اپریل سنہ ۱۹۳۱ء کو آپ نے نظامت طبابت ممالک محروسہ سرکار عالی کے عہدۂ جلیلہ کا جائزہ حاصل کیا۔

اپنے عہدۂ جلیلہ کے مشاغل کے باوجود آپ نے ہر زمانہ میں قومی و مذہبی اداروں کی خدمت بھی ضروری سمجھی اور انجمن وظیفہ سادات و مومنین کے سکریٹری کے ایسے ذمہ دار عہدہ کے فرائض بھی باحسن الوجوہ انجام دیئے جو ہر طرح لائق شکر گزاری ہے۔

ایسی مثالیں ملک میں بہت کم ملتی ہیں جن میں محض جوہر ذاتی، کمال فن اور تبحر علمی ہی کی بنا پر برٹش انڈیا میں حیدرآباد سے کسی شخص کا انتخاب ہوا ہو۔ مبارک ہو وہ مادر وطن جو ایسے ہونہار سپوت پیدا کرے۔ قابل رشک ہیں وہ افراد قوم جو ارتقائی منزل پر متمدن ممالک میں مثال کے طور پر پیش کیے جاسکیں۔ اور لائق ہزار آفرین ہے حضرت ظل سبحانی کی نظر جوہر شناس جو بیک جنبش چشم ایسے دُرہائے شاہوار کو منصۂ شہود پر جلوہ بخشتی ہے۔ ذات ہمایونی کی علم پروری کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف کو ملک و مالک کی خدمت کے لیے برٹش انڈیا سے حیدرآباد طلب فرماکر نظم و نسق طبابت کے عہدۂ جلیلہ کے لیے منتخب فرمایا۔

مبارک منزلے کان خانہ را ماہے چنیں باشد
ہمایوں کشورے کان عرصہ را شاہے چنیں باشد

اس انتخاب سے نہ صرف ڈاکٹر صاحب ہی کو اپنے ملک و مالک

کی خدمت کا شرف حاصل ہو جس کے لئے آپ کی ذات مستحق احق اور لائق مبارکباد ہے بلکہ آپ کی ذاتی لیاقت اور اعلیٰ تعلیم کا پرتو نوجوانانِ ملک کے لئے لائحہ عمل بن کر ایک قابلِ تقلید مثال پیش کر سکے گا۔

تفسیر آیۃ الکرسی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(از افاداتِ عالیہ حضرت سید العلماء آقائی مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ مدظلہ العالی)

اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ

"اللہ" اسم ذات ہی خالق کا نام ہے اس کے علاوہ دوسرے الفاظ جتنے ہیں وہ صفات کا پتہ دیتے ہیں لیکن ان کے موصوف کے لئے جو واجب الوجود ہے یہ لفظ مخصوص ہے بے شک اصل اس کی الالہ ہی تھی اور الوہیت کے معنے سے مشتق بھی تھی مگر نام ہونے کے بعد وہ حیثیت باقی نہیں رہی۔ البتہ اس لفظ کے طریقۂ استعمال میں دونوں طرح کے خصوصیات موجود ہیں بحیثیت اصل کے جس میں الف ولام تعریف کا ہوتا ہے اور اس لئے ہمزہ وصل ہے اس کے پہلے کسی لفظ کے ملانے کے وقت یہ ہمزہ گرانا ضروری ہے جیسے باللہ واللہ بسم اللہ وغیرہ اور بحیثیت اسم خاص ہونے کے ندا کے موقع پر کلمات ندا اس پر داخل ہوتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں یا اللہ۔ حالانکہ دوسرے وہ الفاظ جن میں الف ولام ہو ان پر حرف ندا بغیر ایہا کے واسطہ کے نہیں داخل ہوتا جیسے یا ایہا الناس۔ یا ایہا النبی وغیرہ۔ اللہ کے ساتھ یوں نہیں کہا یا ایہا اللہ کیونکہ اللہ اب اس طرح کا ایک عام مفہوم نہیں ہے جس کے تعین کے لئے "ایہا" کی گنجائش ہو بلکہ وہ مخصوص نام ہے اور بغیر کسی دوسری چیز کے خود معین ہے۔ "نہیں کوئی معبود برحق سوائے اس کے۔" "اس" یعنی وہی اللہ یہاں تو اس کا مرجع مذکور ہی ہے مگر خدا کے لیے "ھو" بغیر مرجع کے بھی استعمال ہوتا ہے "وہ" اس کے ناموں میں داخل ہے اس لئے بعض دعاؤں میں وارد ہے یا ھو یا من لا یعلم کیف ھو الا ھو "اے وہ اے وہ کہ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کیسا ہے سوائے اس خود کے۔"

بات یہ ہے کہ ممکنات میں ہر ایک دوسرے اشیاء کے ساتھ صفات ذاتیہ میں شریک ہے لہذا غیبت کی صورت میں تعین کی ضرورت ہے مگر واجب الوجود اس کے مرتبۂ وجود میں کوئی شریک ہی نہیں۔ بس وہی وہ ہے اس لیے اسکی تعیین خود "وہ" ہی سے ہے کسی دوسری چیز کی حاجت نہیں پھر یہ کہ خود نام بتلانے کے لیے مسمیٰ کے تصور کی ضرورت ہے اور مسمیٰ کے تصور کے لئے ذات الٰہی کے واسطے سوائے "اشارہ عقل" کے اور کوئی ذریعہ نہیں اور اس کی تعبیر مقام ظاہر میں "وہ" ہی سے ہو سکتی ہے اس لئے سورہ توحید میں اس "وہ" کو اسم خاص یعنی "اللہ" پر مقدم قرار دیا گیا اور ارشاد ہوا قل ھو اللہ احد اللہ الصمد وہ اللہ ایک اکیلا ہے اللہ تمام خلق کا مقصد ہے۔

"الحی القیوم" جو زندہ ہے اور مدبر خلق ہے "زندگی کا مفہوم
ہمارے یہاں ہے جاندار ہونا مگر جاندار ہونے کا نتیجہ کیا ہے "حس
وحرکت" حس ذریعہ علم ہے اور حرکت ذریعہ عمل۔ خدا کے
یہاں چونکہ کمالات کے اصل نتایج ثابت ہیں ذرایع و مقدمات
کی احتیاج نہیں ہے اس لیے خدا کو "حی" یعنی "زندہ" کہنے
کے معنے وہی آخری قرار پاتے ہیں یعنی وہ عالم ہے اور قادر
ہے اس کے علاوہ "حیات" کے کوئی اور معنے نہیں ہو سکتے
قیوم مبالغہ کا صیغہ ہے قایم ہے اس کے معنے ہیں کسی
شے کی تدبیر و انتظام کا ذمہ دار ہونا خداوند عالم تمام خلق کی
تدبیر و انتظام کا قایم کرنے والا ہے اس لیے اُسے کہا جاتا ہے
"قیوم"

"لا تاخذہ سنۃ ولا نوم" اس پر نہیں غالب
آتی غنودگی اور نیند"

غنودگی نیند کا ابتدائی درجہ ہے اس لیے یہ شبہ
ہوتا ہے کہ سلسلہ بیان میں ترقی کے لیے پہلے نیند کی نفی ہونا
چاہیئے پھر غنودگی کی اس صورت میں یہ مطلب ہوگا
کہ اُسے نیند نہیں آتی بلکہ غنودگی بھی طاری نہیں ہوتی۔
اس میں حسن یہ پیدا ہوتا ہے کہ کوئی لفظ بیکار نہیں جاتا
چونکہ پہلے "نیند" کی نفی ہوئی یہ ایک مطلب معلوم ہوا مگر
اس سے یہ نہیں پتہ چلا کہ "غنودگی" بھی طاری ہوتی ہے
اس لیے جب "غنودگی" کی نفی کی گئی تو پھر ایک جدید فائدہ
حاصل ہوا۔ برخلاف اس کے اگر "غنودگی" کی نفی پہلے کر دی
گئی تو اب اسی سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ نیند بھی اس پر طاری
نہیں ہوتی ہے۔ اس کے بعد "ولا نوم" کہنا بیکار رہوا جاتا ہے
مگر غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال صحیح نہیں ہے۔
چونکہ "غنودگی" نام ہے مقدمات نوم کا یعنے وہ سونے کا پیش خیمہ
ہوتا ہے خدا کے یہاں اکثر صفات اس طرح ہیں کہ اصل نتیجہ حاصل
ہے اور اس کے مقدمات و اسباب معدوم ہیں۔ وہ فاعل ہے
مگر حرکت اس میں نہیں مرید ہے مگر جوش و ولولہ اور تصور
و شوق کی ضرورت نہیں ہے عالم ہے مگر تصور کا محتاج نہیں
ہے۔ یونہی غنودگی کی نفی ہونے سے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ
سوتا ہی نہ ہو بلکہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہاں نتیجہ نوم بغیر مقدمات
و اسباب کے پایا جاتا ہو لیکن چونکہ وہ ابتدا سے انتہا تک
نقص ہی ہے اس لیے سبب اور سبب مقدمات اور نتیجہ
دونوں کی نفی کی گئی اب چونکہ قدرت غنودگی نوم کے پہلے
کی منزل ہے یعنی وہ اُس اُچاٹ نیند کا نام نہیں ہے جو
بیدار ہونے کے قریب انسان میں ہوتی ہے بلکہ وہ معمولی
حالت ہے جو سونے کے قبل پیدا ہوتی ہے اس لیے فطرۃً کلام
کے موقع پر پہلے وہ پیش نظر ہوگی پھر اس کے بعد کی حالت یعنی
نیند اس کے خلاف کلام ہوتا تو وہ ایک اُلٹا طریقہ ہوتا جس
کے مستحسن ہونے کے لیے کسی توجیہ کی ضرورت ہوتی لیکن یہ
تو بالکل ترتیب طبعی کے مطابق ہے اور کلام کے عام اصول
کے موافق۔

"لہ ما فی السموات وما فی الارض" اُس کا ہے جو
کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے"

یہ "لام" (لہ) میں اختصاص و ملکیت کا ہے اور
اس کا مفاد یہ ہے کہ یہ تمام چیزیں خداوند عالم کے قبضۂ
و اقتدار میں ہیں "سموات" کا مقدم کرنا "ارض" پر یہ
بھی عام اصول کے مطابق ہے۔ قرآن میں ہر جگہ یوں ہی کم
چونکہ آسمان تقدم اور فوقیت اور اہمیت رکھتا ہے اس لیے

اس لیے اُسے متکلم کے سامنے پہلے ہی پیش نظر ہونا چاہیئے۔

"من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ" "کون ہے جو سفارش کرے اس کے یہاں مگر اُسی کی اجازت سے"۔

اس کے معنے یہ ہیں کہ جن مقربین کو بھی شفاعت کے درجہ کا مستحق سمجھا جائے بالکل اُنہی کو سب کچھ لینا یعنی خدا سے بے نیاز ہو جانا ہرگز درست نہیں ہے کیونکہ وہ لوگ خود حضرت احدیت کے مبدء خاص ہونے کی حیثیت سے تابع فرمان ہیں خدا کی اطاعت میں کوتاہی کر کے کسی دامن سے تمسک کر کے بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے اس کو دوسری جگہ ان الفاظ میں ارشاد کیا ہے "لا یشفعون الا لمن ارتضی وھم من خشیتہ مشفقون" وہ شفاعت نہیں کریں گے مگر اسی کی جس کے لیئے خدا کی مرضی ہو اور وہ خود خدا کے خوف سے ڈرتے ہوں گے"۔ "کون ہے جو سفارش کرے" یہ استفہام ہے جس سے مراد نفی ہے یعنی کوئی ایسا نہیں ہے ایسی موقعوں پر سوالیہ جملے سے کلام میں زور پیدا ہو جایا کرتا ہے۔

"یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم" "وہ جانتا ہے سب کچھ جو ان لوگوں کے آگے ہے اور ان کے پیچھے ہے"۔ "آگے کی چیزوں سے مراد "ماضی" ہے اور "پیچھے کی چیزوں سے مراد "مستقبل" یعنے وہ ان سے گزشتہ اور آئندہ دونوں کا علم رکھتا ہے۔

"ولا یحیطون بشیء من علمہ الا بما شاء" "اور یہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر جو کچھ وہ خود چاہے یعنی وہ ان میں سے کسی کو جتنا علم عطا کر دے اتنا اُسے حاصل ہو جائے گا۔

اس سے علم الغیب کے مسئلہ کا حل ہو جاتا ہے بعض مقامات پر علم غیب کی غیر خدا سے نفی کی گئی ہے ارشاد کیا گیا ہے "لا یعلم الغیب الا اللہ" "غیب کو کوئی نہیں جانتا سوا خدا کے"۔ لیکن اکثر ادلہ سے انبیا و مرسلین اور ائمہ معصومین کا علم غیب اور اخبار بالغیب ثابت ہے اس کا بالکل تصفیہ اسی آیت سے ہو جاتا ہے علم غیب سوائے خدا کے کسی کو نہیں یعنی ذاتی حیثیت سے اور جو علم غیب حاصل ہے وہ خدا کا عطا کردہ جسے کہا گیا (الا بما شاء)

"وسع کرسیہ السموات والارض" اُسکی کرسی آسمان و زمین کی سمائی رکھتی ہے"۔ ائمہ معصومین علیہ السلام کے مستند احادیث میں "کرسی" کی تفسیر علم سے ہوئی ہے لیکن عام مفسرین نے یہاں عجیب مضحکہ خیز چیزیں بیان کی ہیں۔ وہاں کرسی بیٹھنے کی جگہ ہے اور خدا کا اس پر نزول اجلال ہے اور کرسی کا اس کے بار سے دب کر چرچرانا ہے اور اس سے آواز کا پیدا ہونا ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطی کی درمنثور میں یہ روایتیں موجود ہیں۔ بہرحال عقل و شریعت کی بارگاہ میں ان روایات کو کوئی در خور حاصل نہیں ہے۔ خدا جسم و جسمانیت سے منزہ و مبرا ہے اس کے بعد ایسی تمام روایات قلمزد کر دیئے جانے کے قابل ہیں جن سے خدا کی جسمیت کا پتہ چلتا ہو "کرسی" بادشاہ کا تخت سلطنت اور قرارگاہ ہے خدا کا تخت سلطنت اس کا مخصوص احاطہ علمی ہی ہے جو ہر چیز کو اپنے ماتحت لیئے ہوئے ہے یہی آیت کی تفسیر ہے اور یہی عقل کے نزدیک قابل قبول۔

"ولا یؤدہ حفظھما" "اور اس پر دشوار و ناگوار نہیں ہے اُن دونوں (آسمان و زمین) کی حفاظت کرنا"۔ چونکہ "وسع کرسیہ الخ" میں علم کا تذکرہ ہو چکا تھا اس لیئے اس فقرہ میں اس کی قدرت کو داخل کیا گیا ہے علم و قدرت"

وہ ذو وسیع مفہوم ہیں جن کی طرف دوسرے تمام صفات راجع ہوتے ہیں۔

"وھو العلی العظیم" "وہ بلند ہے" اپنی شان و قدرت وعلم کے لحاظ سے "بڑا بزرگ ہے" اپنی سلطنت و جلالت کے اعتبار سے۔

"لا اکراہ فی الدین" "دین کے معاملہ میں زبردستی نہیں ہے" یعنی اصول قدرت اور نظام حکمت اس امر پر مبنی ہے کہ انسان کو راہ حقیقت اور منزل اطاعت کی طرف اختیاری طور پر دعوت دی جائے اسی پر جزا و سزا کا دارومدار ہے جبری طاقت سے اطاعت لینا نظام شریعت کے خلاف ہے اسی لیے ارشاد ہے ماعلی الرسول الا البلاغ رسول کا فرض صرف تبلیغ کرنا ہے۔ اور دوسری جگہ رسول سے خطاب کرکے ارشاد ہوا وما انت علیھم بمصیطر "تم ان کے اوپر جبری طاقت کے مالک بنا کر نہیں بھیجے گئے ہو۔"

"قد تبین الرشد من الغی" "نمایاں ہوگئی ہدایت گمراہی سے"، یعنی بس اتمام حجت کی ضرورت تھی وہ ہوچکی خلائق کے سامنے حق و باطل جدا جدا پیش ہوگیا ہے اس کے بعد ان کو خود قوت امتیاز سے کام لینا چاہیے کورانہ تقلید اور باپ دادا کے رستوں پر آنکھیں بند کرکے چلنا ان کی نجات کا ذریعہ نہیں ہوسکتا۔

فمن یکفر بالطاغوت ویومن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی لا انفصام لھا واللہ سمیع علیم

اب جو شخص معبودانِ باطل کا انکار کرے اور اللہ کا اقرار کرے وہ مضبوط رسی کو تھامے ہوئے ہے جو ٹوٹنے والی نہیں ہے اور خدا سننے والا اور جاننے والا ہے۔"

ایمان کا تعلق ظاہر اور باطن دونوں سے ہے یہ لوگ ایمان کا اظہار کرتے ہیں اور کلمۂ توحید کو زبان پر لاتے ہیں خدا اس کا سننے والا ہے اور دل میں اعتقاد رکھتے ہیں اور ان حقیقتوں کی معرفت رکھتے ہیں خدا اس کا جاننے والا ہے

اللہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمات الی النور والذین کفروا اولیاء ھم الطاغوت یخرجونھم من النور الی الظلمات اولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون۔"

"خدا سرپرست ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے وہ انہیں نکالتا ہے تاریکیوں سے نور کی طرف اور جو لوگ کافر ہیں ان کے سرپرست معبودان باطل ہیں وہ انھیں نکالتے ہیں نور سے تاریکیوں کی جانب یہی لوگ آگ کے مستحق ہیں اور وہ اس آگ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔"

نور سے مراد حق ہے اور ظلمت سے مراد باطل۔

حق کا نقطہ ایک ہوتا ہے اور باطل کے نقطے ہزاروں جس طرح دائرہ میں جو وسط حقیقی ہوگا وہ صرف ایک ہے لیکن ہٹے ہوئے نقطے بے شمار ہوسکتے ہیں اس لئے آیت میں "نور" کو مفرد لایا گیا ہے اور ظلمات کو جمع۔

خدا نکالتا ہے یعنی اپنی توفیق سے انھیں علحدہ کرتا ہے ظلمتوں سے یعنی ان گمراہی کے اسباب سے جو ماحول میں ان کے مجتمع ہیں اور وہ معبودان باطل نکالتے ہیں نور سے یعنی فطرت صحیح کے تقاضہ سے جو ہمیشہ نقطۂ حق پر قایم رہنے کا ذمہ دار ہے۔

رویائے صادقہ میں دین حنیف کی تعلیم

اللہ تعالیٰ خواب میں آکر سچا مذہب بتا گئے

طالبان حق کو مژدہ

اسلام کی دو جلیل القدر ہستیوں کے دو سچے خواب

(از جناب سیّد المحققین مولوی حکیم مرزا محمد نقی صاحب قبلہ زاد فضلہٗ)

منام کی کرشمہ سازیوں سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔

بسا اوقات فرش راحت پر عالم خواب میں وہ بیش بہا چیزیں ہاتھ لگ جاتی ہیں جو بیداری میں خاک چھان کر بھی ملنا آسان نہیں ہوتیں۔ آرامگاہ کی دلچسپی اور لطف خاص سے کون بے خبر ہے۔ وہ لذیذ و شیریں چیز ہے کہ اس کا ذائقہ چکھنے والا دنیا کے تمام مزوں کو خیرباد کہہ دیتا ہے۔ سونیوالوں کی محویت کو دیکھ کر لوگ کہتے ہیں سویا اور مرا برابر۔ لیکن اس بے خبری کے حیرت انگیز کارنامے دیکھیں تو آنکھیں کھلجائیں اور ممکن ہے اپنی حساس زندگی کو اس بے شعوری پر ستر ہزار مرتبہ قربان کر دیں در اصل اس عیش اور ایسے آرام و سکون میں ایسی اشیا کا مل جانا جو لاکھ دقتوں اور کروروں مشقتوں سے دستیاب نہ ہوں انسان کے لیے بہترین عبرت اور کوشش و سعی کی بے بسی پر بین دلیل ہے۔

اس میں کیا شبہ کہ بہت سے خواب حقائق آئندہ پردہ میں یا صاف صاف یعنی کنایۃً یا صراحۃً بیان کر جاتے ہیں۔ اس کی ہزاروں پیشین گوئیاں حرف بحرف صادق آتی ہیں۔ مثال کے طور پر فرعون وغیرہ ہی کے خواب کو دیکھ لیجئے جو کہ اس نے کہا تھا ہو کے رہا۔ اور فرعون کی ہزاروں تدبیریں سرنگوں اور شرمسار نظر آئیں۔ سب کچھ کیا مگر کچھ بنائے نہ بنی لاریب اکثر خواب وہ کام کر جاتا ہے اور آئندہ کے ایسے ایسے واقعات بتا جاتا ہے اور ایسے حقائق سے آگاہ کر جاتا ہے جو کروروں روپیہ صرف کر کے محکمہ سراغرسانی قائم کر کے اس کی امداد حاصل کرنے سے بھی نامعلوم رہتے ہیں۔

اس نے دین و دنیا کے بعض ایسے اہم معاملات کو بھی سلجھایا ہے جن کی دشواریوں نے مفکرین عالم کے ہاتھوں سے جبراً سپر رکھوالی اور ان کے ہمند اندیشہ کی نارسائی کو ثابت کر دیا۔ بہت سے خوش بختوں نے حصول تاج و تخت کی راہیں اسی ذریعہ سے معلوم کی ہیں۔ سیکڑوں

خوش نصیبوں نے آرام سے سونے کے باوجود اسی خواب میں
مقصد پر فتحمند ہوگئے وہ آسان وسیلہ پایے جو ہوشیاری و
بیداری میں بدشواری بھی میسر نہ ہوتے۔

اکثر علوم و فنون پر اس نے بڑے بڑے احسان کئے
ہیں۔ کئی طبیبوں کے پریشان دماغ کو چند سکنڈ میں گہر مُراد
مرحمت کرکے وہ فرحت بخشی جو کبھی کبھی ملک و تخت ملنے سے
نہیں ہوتی۔ اکثر جاں بلب مریضوں کے ساتھ اس کی مسیحائی
نے جالینوس و مسیح کو انگشت بدنداں بنا دیا۔

اسی خواب نے دین کے وہ عقدے بھی حل کئے جن کو
ناخن تدبیر برسوں مصروف کار رہتے ہوئے بھی نہ کھول سکے
اور وہ گتھیاں سلجھائیں جنھیں دیکھ کر باریک گیر منطقیان الجھتے
تھیں۔ مدتوں تحقیق مذہب کی تمام عمر نذر کتب بینی ہو گئی۔
زندگی بحث و مباحثہ میں ختم ہوئی پر دُرِ مقصود نہ ہاتھ آنا تھا
نہ آیا۔ قلب جس اطمینان کی طلب میں سرگرداں تھا نہ پایا۔
لیکن کیا کہنا اس خواب کا جس نے چند منٹ میں وہ یقین
پیدا کر دیا جو دُنیا کے کسی گوشہ میں نہ ملتا تھا۔ ساری کد و کاوش
رائیگاں ہوگئی کام آیا تو خواب راحت۔

خواب کی بات سمجھنے والا چاہیئے پھر اس کے لیے
کیا کمی ہے بعض مثالیں ہم کو ایسی بھی ملتی ہیں خواب کے معنیٰ خود
نہ سمجھ سکے کاہن وغیرہ سے امداد لے کر چولا بدل کر تعبیر کو حاصل
کر ہی لیا۔ غرض کہاں تک کہوں خواب نے یہاں تک دستگیری
کی ہے کہ بعض اقبالمندوں کو اسی صاف و شفاف آئینہ میں
انبیاء کرام کا نظارہ جمال جہاں آرا نصیب ہوا۔ اور اسی
سرزمین پر نبوۃ کی قدمبوسی کا لازوال شرف حاصل ہوا اور
اسی کے طفیل و تصدق میں اسی دنیا میں رہتے جی بعض کو ان کے
اللہ میاں کا دیدار حاصل ہوا اور وہ نادر راز معلوم کر لیئے جو
اُن کا حصہ بن کر رہ گئے جس پر ان کو ہر قسم کا ناز بجا ہے۔

(میری ناقص رائے میں یہ چیز زیادہ تائیدات کی محتاج
نہیں، اس وقت صرف دو مثالیں پیش کرکے عبرت گیر
نگاہوں کو نظارہ کی دعوت دونگا۔ ہاں اگر ضرورت پڑی
تو اس جگہ ضخیم دفاتر سے تنگی آغوش کا اعتراف کرا دینا میرا کام
ہے۔)

یہ یاد رہے کہ اس تذکرہ میں انبیاء کرام کے خواب
داخل نہیں کیونکہ ان کے تمام خواب بکار آمد ہوتے ہیں بلکہ
ان کی خواب و بیداری فرق نہیں رکھتی۔ ان حضرات کے کسی
خواب کی صداقت میں جس کو شبہ ہو ہمارے نزدیک وہ
جوار کفر کا باشندہ اور ملک نفاق کا متوطن ہے۔ یہاں تک
صرف عام بندوں کا ذکر ہے جن کا سونا موت کا رشتہ دار ہی
اور ان لوگوں کا بیان ہو جن کے خواب جھوٹ بھی ہوسکتے ہیں
اور سچ بھی با ایں ہمہ عجائب انگیز ہیں۔

دخل و دفع دخل

خیال ہوسکتا ہے کہ عوام کے خواب ناقابل اعتبار
اور نظر انداز کرنے کے لائق ہوتے ہیں کیونکہ اکثر اوقات حضرت
شیطان علیہ اللعن خواب میں مخصوص کھیل کھیلتے ہیں ایسا
ضرور ہی مگر یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے کہ جس خواب میں
خدا اور اس کے رسول کا قدم ہو وہاں حرکات شیطانی
کا بھی گذر نہیں ہوتا۔ کیونکہ شیطان نہ ان کی شبیہ بن سکتا ہے نہ
ان کی طرف سے کوئی بات بنا سکتا ہے۔ اس لیئے ایسے خواب
جن میں خدا و رسول کا درمیان ہو ضرور خاص توجہ کے لائق ہونگے

خصوصاً وہ خواب جہاں خدائی جلوہ بے نقاب ہوں نیز خواب دیکھنے والوں کی شخصیت بھی سچائی اور جھٹائی کی طرف ضرور اشارہ کر دیتی ہے لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خواب بیان کرنے سے پہلے اُن دونوں بزرگواروں کا تعارف کرا دوں۔

تعارف

پہلے بزرگ الفقیہ ابوبکر بن یوسف مکی ہیں جن کے متعلق طبقات الخواص صفحہ ۲۱۱ کے صرف دو جملے کافی ہیں۔ کان فقیھا عالما کبیرا مشھورا یہ بزرگ فقیہ تھے اور بڑے عالم و شہرت یافتہ تھے سطر ۱۳۔ وھو امن کبار فقھاء الحنفیہ وہ احناف کے بڑے علما میں ہیں طبقات الخواص ص۲۱ سطر ۱۱ مطبوعہ مصر"

ان الفاظ کے بعد مزید تعارف کی ضرورت مفقود ہو جاتی ہے لہذا اسی قدر کافی ہے۔

دوسرے محترم پہلے سے زیادہ مشہور ہیں اور وہ الامام ابوعیسی الترمذی صاحب السنن ہیں بنسبت ان کے نام نامی سے کون مسلمان بے بہرہ ہے لہذا بغرض تعارف ان کے خصائص و مناقب بیان کرنا بے فائدہ ہے۔ اب خواب ملاحظہ ہوں:۔

پہلے محترم بزرگ کا خواب!

جس کو خود انھوں نے انتقال سے قبل بیان فرمایا ہے ارشاد ہوتا ہے رائیت فی المنام کان القیامۃ قد قامت واحضرت الائمۃ الاربعۃ بین یدی اللّٰہ تعالی ابو حنیفۃ و مالک والشافعی و احمد بن حنبل رضی اللّٰہ فقال لھم الجلیل جل جلالہ انی ارسلت الیکم رسولا واحدا بشریعۃ واحدۃ فجعلتموھا اربعا ردد ذلک ثلاثا فلم یجبہ احد فقال الامام احمد یارب انک قلت وقولک الحق لا یتکلمون الا من اذن لہ الرحمن وقال صوابا فقال لہ الباری تکلم فقال یارب ومن یشھد علینا فقال الملائکۃ فقال یارب لنا فیھم القدح وذلک انک قلت وقولک الحق واذ قال ربک للملائکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ قالوا اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفک الدماء فشھدوا علینا قبل وجودنا فقال اللّٰہ تعالی جلودکم تشھد علیکم فقال یارب قد کانت الجلود لا تنطق فی دار الدنیا وھی الیوم تنطق مکلفۃ وشھادۃ المکلف لا تصح قال اللّٰہ نعم انا اشھد علیکم فقال یارب حاکم و شاھد فقال تعالی اذھبوا فقد غفرت لکم

ممدوح فرماتے ہیں میں نے خواب میں دیکھا گویا قیامت بپا ہے اور ائمۃ اربعۃ یعنی ابوحنیفہ اور امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد بن حنبل خدا کے سامنے پیش کئے گئے خدائے جلیل نے ان سے فرمایا (کیوں جناب!) میں نے تمہارے پاس ایک شریعت کے ساتھ ایک پیغمبر کو بھیجا (گو دین ایک تھا مگر) تم نے اُس ایک شریعت کو چار بنا دیا تین مرتبہ خدا نے یہی کہا پس کسی نے اُس کا جواب نہ دیا۔ امام احمد نے کہا اے پالنے والے تو نے ارشاد کیا ہے اور تیرا قول حق ہے کہ (روز قیامت) نہ بول سکیں گے مگر وہ جن کو رحمن نے

اذن گفتار دیدیا ہو اور وہ کینڈے کی بات کہیں پس جناب باری نے ارشاد فرمایا (اچھا تم) بولو امام احمد نے فرمایا خدایا (تو مدعی تو ہے مگر) ہمارے خلاف کون گواہ ہے خداوند عالم نے فرمایا ملائکہ تمھاری اس دست بردپر گواہ ہیں امام احمد نے فرمایا پالنے والے ہم ائمہ اربعہ کو ملائکہ کے بارے میں قدح ہے۔ ان کی گواہی ہمارے نزدیک ناقابل قبول ہے اور یہ اس لئے کہ تو ہی نے ارشاد فرمایا ہے اور تیرا ارشاد حق ہے "اے محمد یاد کرو اس وقت کو جب تمھارے پالنے والے نے ملائکہ سے کہا میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں ملائکہ نے کہا اے خدا کیا تو زمین میں ایسے کو قرار دے گا جو زمین میں فساد برپا کریں گے اور خون بہائنگے" انھوں نے ہمارے پیدا ہونے سے پہلے ہی ہمارے خلاف گواہی دے دی (لہذا ناقابل تسلیم) (یہ جواب سنکر) خداوندعالم نے ارشاد کیا تمھاری کھالیں (تمھارے اس ناروا فعل پر) گواہ ہیں۔ امام احمد نے کہا اے پرورش کرنے والے دُنیا میں تو کھالیں بولتی نہیں آج جبرًا بولینگی اور جبریہ شہادت شرعًا صحیح نہیں (لہذا کھالوں کی گواہی بھی نامسموع) رب دوجہاں نے فرمایا میں خود (اس تمھاری تفرقہ پردازی پر) گواہ ہوں۔ امام احمد نے کہا اے خدا (تو ہی) حاکم اور (تو ہی) گواہ یہ کیونکر ہوسکتا ہے یہ سُن کر خداوند عالم نے فرمایا جاؤ ہم نے تم کو بخش دیا۔

(طبقات الخواص ص۱۱۷ سطر ۱۱ تا ۲۴ مطبوعہ میمنیہ مصر ۱۳۲۱ھ)

مولفہ احمد بن احمد الشرجی الزبیدی الحنفی۔ میری رائے میں اگر مسلمانوں نے اس خواب کو حرف بحرف یاد رکھا تو جہنم کا ایک مسلمان بھی شکل نہ دیکھے گا اور قیامت کی سختیاں آسان ہو جائینگی۔ یہ خواب کیوں ہے اہل اسلام کو جواب کی تعلیم ہے کہ آشوب قیامت سے بچاؤ کی سب سے آسان ترکیب یہہ ہے (عجب ہے کہ حاکم ہوتے ہوئے خدا بھی شاہد بنیگے مگر صدر اسلام سب کو روا رکھتا تھا)

اس خواب سے گو نجات یابی کا پتہ چلتا ہے مگر مذہب اربعہ کی حقیقت بھی آشکا۔ ہوجاتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ بے روک ٹوک خدا تک پہونچانے والا کوئی اور مذہب ہے

دوسرے بزرگ کا محترم خواب

انہ رای فی المنام رب العزۃ فسائلہ عما یحفظ علیہ الایمان حتی یتوفاہ علیہ قال تقال لی قل بعد صلاۃ رکعتی الفجر قبل صلاۃ فرض الصبح الٰھی بحرمۃ الحسین واخیہ وجدہ و بنیہ وامہ وابیہ نجنی من الغم الذی انا فیہ یاحی یاقیوم یا ذالجلال والاکرام اسألک ان تحیی قلبی بنور معرفتک یا اللہ یا اللہ یا اللہ یاارحم الراحمین۔

ابی عیسٰے الترمذی صاحب السنن نے خواب میں رب العزت کو دیکھا پوچھا خدایا تادم مرگ ایمان کو کیا چیز محفوظ رکھ سکتی ہے اور ایمان پر موت کس ذریعہ سے آسکتی ہے امام ترمذی فرماتے ہیں خداوند عالم نے ارشاد کیا فجر کی دو رکعت نماز کے بعد صبح کی فرض نماز سے پہلے کہا کرو۔ الٰہی حسینؑ اور حسینؑ کے بھائی حسنؑ اور جد بزرگوار اشرف کائنات محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حسینؑ کی اولاد (ائمہ کرام) اور اُن کی ماں سیدہ عالمیان اور باپ علی مرتضےٰ کی حرمت کے طفیل میں مجھے اُس غم سے چھڑا دے جس میں میں مبتلا ہوں اے حی اے قیوم اے جلال واکرام والے میں تجھے

سوال کرتا ہوں کہ تو میرے قلب کو اپنے نور معرفت کے ساتھ زندہ رکھ۔ اے اللہ اے اللہ اے اللہ اے تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے۔ الدرالسنیۃ لشیخ الاسلام السید احمد بن زینی دحلان صفحہ ۲ سطر ۱۲ تا ۱۹ امطبع میمنہ مصر۔ مجمع الاحباب ترجمہ الامام ابی عیسے۔

ناظرین کیا اس خواب سے خدا تک رسائی کا واحد طریقہ اور انجام بخیر ہونے کی واحد سبیل اور خاتمہ بالخیر ہونے کا عمدہ وسیلہ تعلیم ابھی نہیں معلوم ہو جاتا اور دونوں خوابوں کو یکجا کرکے بھی سچا مذہب نہیں ہاتھ آتا اور ہماری نجات کن کے طفیل ہے اس کا کامل یقین نہیں حاصل ہوتا۔ سمجھیے اور غور کیجیے؟ خدا حافظ والسلام والاکرام واجی رحمۃ اللہ القوی

محمد نقی لکھنوی

لمعاتِ روشن

(از جناب مولوی عنایت اللہ صاحب روشن حنفی تلمیذ حضرت امیر مینائی لکھنوی مرحوم)

قطعہ

عشق دولت ہے کسی کو، کوئی محوِ تخت و تاج　　غرق ہے حُسنِ بیاں کی فکر میں روشن بیاں
بھول کر بھی حیف اے روشن نہ اُس کی یاد کی　　واہ ری دُنیا جسے دیکھا وہ غافل ہے یہاں

نام ور دِلبر علی مشکل کشا کا ہو گیا　　ہو گئی آسان مشکل بول بالا ہو گیا
بن گئی بگڑی ہوئی تقدیر اُس کے فضل سے　　غم سے چھٹکارا گرفتارِ بلا کا ہو گیا
مشکل آساں ہو گئی، کہتے ہی یا مشکل کشا　　میری کشتی تھی بھنور میں، پار بیڑا ہو گیا
ہے عجب نیرنگ سازئ طلسمِ روزگار　　پل میں دل آزار، دم میں راحت افزا ہو گیا
تاج شاہی سر پہ تھا کل ہے کُلاہِ فقر آج　　واہ ری قسمت ابھی کیا تھا ابھی کیا ہو گیا
قطرہ گرتے ہی صدف میں بن گیا دُرِّ یتیم　　جس نے ادنےٰ آپ کو سمجھا وہ اعلےٰ ہو گیا

داغِ دل ہے شمعِ روشن، شمع کی حاجت نہیں
روشنی پھیلی ہے مرقد میں اُجالا ہو گیا

مرد ساز دُنیا

(گذشتہ سے پیوستہ)

(از جناب مولوی سید محمد مہدی صاحب تسکین ایڈووکیٹ فیض آباد)

جہاں تک دُنیا سے صنعت و حرفت کی گرم بازاری کا تعلق ہے، مرد تو بیسویں صدی کے ترقی یافتہ دور میں گامزن نظر آتے ہیں اور بدنصیب عورت پہلی صدی کے عہد میں پڑی ہوئی ہے۔ عورتوں پر معاشرتی اور تعلیمی قیود جو عاید ہوئے ہیں اُن کا سرچشمہ بھی یہی قدیم تقسیم ہے۔ غالب مرد نے عورت کو اپنی ملک قرار دیدیا ہے اور رشک و حسد کی آگ میں جل کر وہ عورت کو اپنی ہی چیز خیال کرتا ہے۔ اُس کا دعوے ہے کہ عورت اُس کی ہے، وہ نہ بچوں کی ہے اور نہ دنیا کی۔ اسی لیے اپنے تسلط کا ناجائز فائدہ اُٹھا کر اُس نے عورت پر ہزاروں قسم کے قیود عائد کر دیئے ہیں جسمانی جیسے کہ چین کی لنگڑی عورتیں جن کے پاؤں بچپنے میں آہنی جوتوں میں کس دیئے جاتے ہیں یا حرم سرا میں محبوس خواتین۔ اخلاقی جن کے رو سے عورتوں کو مرد ساز مذاہب یہ تعلیم دیتے ہیں کہ تم محض مردوں کی اطاعت و فرمانبرداری کے لیے خلق کی گئی ہو۔ روحانی جن سے تعلیم نسواں کی ممانعت کی گئی ہے اب عورتیں اس شکنجۂ عذاب سے نکلنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہی ہیں اس غیر معتدل فضا نے عورت کی مادری زندگی کو بہت صدمہ پہونچایا ہے۔ دُنیا کی فضا میں مرد صدیوں سے آزادی کی سانس لے رہا ہے اور ہر ترقی پذیر شے کے ساتھ خود بھی ترقی پا رہا ہے اور اس طرح مجمل آج کل کی روز افزوں ترقی میں اُس کا بھی کافی حصہ ہے لیکن بدبخت عورت ہنوز غلامی کی بدولت اس ترقی سے کلیتاً محروم ہے۔ اس طرح پر بچہ دو متضاد گودوں میں تربیت پاتا ہے۔ ایک تربیت یافتہ پدری آغوش دوسری مقیدہ مادری آغوش ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی مقیدہ آغوش کا بچے کی تربیت پر کیا اثر پڑے گا۔ ماں کو اس پست درجہ پر رکھنے کی وجہ سے بچوں کی معاشرتی وراثت آدھی برباد ہو جاتی ہے چاہے جس قدر قانون سازی کی جائے یا نمائشی رکھ رکھاؤ کا اظہار فرمایئے لیکن امور خانہ داری کے انجام دینے والے کا درجہ یقیناً حقیر ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بچوں کی تربیت اس قدر خراب نظر آ رہی ہے حالانکہ عہد حاضر میں تعلیم کی قوتیں گہوارہ کے متصل سرگرم عمل نظر آتی ہیں اور بچپن کی تربیت کا احساس ہو رہا ہے پھر بھی آغوش مادر کی اصلاح کی جانب بہت کم لوگ مائل نظر آتے ہیں اور قدامت پسندی کے سامنے سر عقیدت خم کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اس بربادی کا سبب دریافت کرنا کچھ دشوار نہیں ہے مرد کے مملوکہ خاندان میں جہاں مرد عورت کو محض اپنی خدمت کے لیے رکھنا چاہتا ہے وہ اُس کو صرف اپنی ذات سے وابستہ رکھتا ہے اور روز و شب اپنے ہی جھمیلوں میں اُسے مشغول رکھ کر اس بات کا موقع نہیں دیتا کہ وہ انسانی حیثیت سے ترقی کر سکے جس طرح وہ خود معاشرتی تعلقات معاشرتی خدمات اور معاشرتی زندگی کے ذریعہ سے رفعت پذیر ہوتا ہے

آزادی نسواں کی موجودہ تحریک کے متعلق بھی ہمیں یہ عرض کرنے کی اجازت دیجئے کہ عورت کے دل بہلانے کے لیے جو بچوں کا کھلونا سوسائٹی کی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے اس کی نقل و حرکت اس کے درد کا علاج نہیں ہے اُسے سوسائٹی میں دل بہلانے کی

اجازت ہے۔ وہ سوسائٹی جس میں لوگ زرق برق لباس میں اپنی معاشرتی حیات کا ظاہری رُخ پیش کرتے ہیں اور محض تفنّن طبع کا سامان بہم پہونچاتے ہیں۔

معاشرتی جد و جہد میں نسوانی قید کا یہ نتیجہ ہی کہ ہم کو پست رتبہ مائیں ملتی ہیں اور اُنھیں پست رتبہ ماؤں کی گود میں بچے پرورش پاتے ہیں اس تربیت کا نتیجہ یہ ہوتا ہی کہ بچوں کا نادیدہ نظریہ صرف مرد اور عورت کے متعلق بلکہ زندگی کے ہر شعبہ کے بارے میں غلط اور سراب آسا ہوتا ہی۔ حالانکہ بچے کو گھرہی میں کارزار زندگی کیلئے ہمہ تن تیار ہو جانا چاہیئے۔ اُسے اپنی تمام عمر اسی دُنیا میں بسر کرنی ہی، بہتر عنوان سے یا بدتر عنوان سے۔ اور بچپن ہی کا وہ زمانہ ہی جس میں اُس کو کشمکش حیات کے مقابلہ کے اصول بتائے جائیں لیکن مرد ساز تمدن کے سائے میں پروان چڑھنے والا گھر اس تعلیم و تربیت سے قاصر ہی۔

لڑکی فضائے دہر میں آنکھیں کھول کر ممنوعہ میدان عمل کو دیکھتی ہی کہ وہ تنہا مردوں کا جولانگاہ ہی۔ کارزار زندگی سے اُس کا جو کچھ تعلق ہی وہ یہ ہی کہ اپنے لیئے ایک مرد تلاش کرے اس لیئے نہیں کہ وہ اس کا محبوب ہو بلکہ اس لیئے کہ وہ اس کے سہارے زندگی کے دن بسر کرسکے۔ وہ اس کی معیشت کا کفیل ہو۔ اس کے لیئے آذوقہ بہم پہونچائے۔ لباس اور زیور کا اہتمام کرے۔ جسکے صلہ میں وہ اس کی اطاعت گزار ہوگی۔ دختری غاشیۂ اطاعت دوش سے اُتارنے کے بعد وہ زوجیت کی غلامی کا طوق گلے میں پہنتی ہی۔ وہ ایک گھر سے نکل کر دوسرے گھر میں داخل ہوتی ہی لیکن دنیا میں اس کا داخلہ محال ہی کیونکہ دُنیا مرد ساز ہی

اس کے برعکس لڑکا گھر کو ایک کم رتبہ مقام یعنی عورت کی قیامگاہ سمجھتا ہی اور گھر سے نکلنے کی کوشش کرتا ہی تاکہ دنیا کی پھیلی ہوئی آغوش میں اپنی جگہ تلاش کرے۔ وہ اس امر میں بالکل حق بجانب ہی۔ غلطی جو کچھ ہی وہ یہ ہی کہ موجودہ نظامِ معیشت کے تحت میں معاشرتی اقدام صرف خاصۂ مردانگی خیال کیئے جاتے ہیں حالانکہ وہ خواص انسانی میں داخل ہیں جن میں مرد و عورت دونوں برابر کے شریک ہیں۔

مرد کے مملوکہ خاندان کے اس اثر کو بھی نظرانداز نہ کرنا چاہیئے جو خود اُس کی ذات پر پڑتا ہی اس رجعت پسند اقتدار آرائی سے اس کی ترقی بھی رُک جاتی ہی۔ انسانی مکرمت کے بلند کنگرہ تک پہونچنے کے لیئے ہمیں اس بات کی ضرورت ہی کہ ہم انصاف حرّیت اور انسانی حقوق کی شناخت کے خوگر ہوں نفس کو ضبط و تحمل کا سبق دیں۔ دوسرے ابنائے جنس کے درد کا احساس پیدا کریں۔ ہمارے دل و دماغ کو وسعت پذیر ہونا چاہیئے اور ایک دوسرے کی غمگساری اور معاشرتی خدمات کی عادت ڈالنی چاہیئے لیکن وائے برحال اوس خودمختار پیشوائے خاندان کے جو مرد ساز کنبہ میں تاج دارائی سر پر رکھتا ہی اور مردانہ تصوّرات میں غلطاں اور پیچاں ہو کر انسانی خصائل کو بھول جاتا ہی۔

خانہ داری کے کل فرائض کی انجام دہی کے لیے ہر مرد ایک عورت کا خواہشمند ہوتا ہی کہ وہ اس کے اشارۂ ابرو پر رقص کناں نظر آئے۔ کیا اقتدار کی یہ خودغرضانہ سیہ مستی تعلیم جمہوریت کے منافی نہیں ہی۔ لڑکا خدمت گذار ماں کے ساتھ زندگی بسر کرکے اور مرد کنیز بیوی کا رفیق زندگی ہوکے کبھی حقوقِ مساوات کا احساس اپنے دل میں پیدا نہیں کرسکتا جس کی ہم کو بہر حاضر سخت ضرورت ہی۔ آقا کے ذوق طبیعت کا حارت زیادہ پابند و حافظ سے نفس پرور اور

خودغرض بنا دیتا ہے

خدا کا شکر ہے کہ اب ہم بہتر خاندان کی داغ بیل ڈال رہے جسکی بنیاد مساوی حقوق رکھنے والے زن و مرد کا رشتۂ ارتباط ہے۔ یہ رشتۂ محبت چونکہ مساوات پر مبنی ہو اس لیئے زیادہ متبرک اور پائدار ہو اس کی وجہ سے ہماری ازدواجی زندگی پہلے سے زیادہ بابرکت اور خوش آئند ہوجائے گی۔ مرد۔ عورت اور اولاد ہر ایک کے لیئے یہ عنوان مساوات درخشاں دَور کا ضامن ہو سوسائٹی کا معاشرتی نظام بھی اس سے بہتر ہو جائے گا اب اگر کنبے کو پیشوا کی ضرورت ہوگی تو اوس کا انتخاب اُس کے ذاتی صفات پر ہوگا نہ کہ جنسی یا صنفی اختلاف پر۔

سچ پوچھیئے تو خاندان کا اساس محبت ہے۔ اور دوستی اور محبت سرداری کے تصوّر سے بے نیاز ہے[ع]

بانی۔ ق

[ع] دو باتیں سمجھ میں نہ آئیں ایک تو عہد حاضر کے رشتۂ ازدواج کا استحکام دوسرے قدیم کنبے کے نظام اطاعت و فرمان برداری کا منافی جمہوریت ہونا۔ پائداری و استحکام کا تو یہ عالم ہے کہ مناکحت کا دھاگہ محض شوہر کے خراٹوں کی اضطراری آواز کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے اور جو رشتوں میں بمشکل دس کچھ دنوں تک چلتے ہیں ورنہ نوّے فی صدی عہدِ شباب کی سرمستیوں کی نذر ہو جاتے ہیں عدالتوں میں طلاق کی گرم بازاری کنبہ کی پائداری پر کافی روشنی ڈال رہی ہے۔

ان تمدّنی نظاموں میں عورت بنی نوع انسان سے خارج کر دی گئی ہے اُن سے یہ شکوہ حق بجانب ہے کہ عورتوں کے ساتھ اُن کا طرزِ عمل تعلیم جمہوریت کے خلاف ہے لیکن جس نظام میں دونوں صنفوں کی عملی مساوات کا لحاظ رکھا گیا ہے اس سے شکوہ سنجی کا کوئی حق ہی نہیں تقسیم عمل جمہوریت کے نظریہ کے منافی نہیں ہے۔ کام کرنے والوں کے فطری قویٰ پر نظر ڈال کر اگر محنت کو اندر اور باہر تقسیم کر دیا جائے تو اس سے مدنی حیات میں پستی اور بلندی کا کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا۔ اس کا گلہ تو درحقیقت فطرت سے کرنا چاہیئے کہ اس نے عورت کو سپردگی کا خوگر کیوں بنایا کیا عورت کی حفاظت و کفالت کا بار اپنے دوش پر لینا مردوں کو غم گساری اور اپنے بنی نوع کی ہمدردی کی تعلیم نہیں دیتا۔ کیا تدبیر منزل کی تمام ذمہ داریوں کو اپنے سر پر لے کر عورت تعاون عمل کا سبق نہیں سیکھتی۔

یاد رکھیئے حریت اور شے ہے اور مطلق العنانی اور شے۔ تمدنی آزادی خود ایک قسم کی قید ہے جس کو توڑنا درحقیقت نظامِ تمدن کو منقلب کرنا ہے۔ آج یورپ میں آزادیٔ نسواں نے جو قیامت ڈھا رکھی ہے وہ اسی ناعاقبت اندیشی کا نتیجہ ہے۔

(مولف)

مسلمانوں کے قومی زوال کے اسباب

ہماری تحریک پر فخر قوم خان بہادر سید محمد ہادی صاحب کے نواسہ جناب سید غلام مہدی صاحب سٹی مجسٹریٹ جونپور کے لائق اور ہونہار فرزند سید محمد ابا و حسین سلمہ نے ذیل کا مضمون لکھا ہے جو بجنسہ درج کیا جاتا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے نوجوان طلبا مذہب سے گہری دلچسپی رکھیں اور اُن کو ایسے مواقع دیئے جائیں جن میں وہ اپنا مذہبی ذوق ظاہر کر سکیں۔ ناظرین عبارت اور ترتیب الفاظ کی طرف نظر نہ فرمائیں جس اسپرٹ کے ساتھ یہ مضمون لکھا گیا ہے وہ پتہ دیتی ہے کہ ہمارا لائق اور ہونہار طالب علم انشاء اللہ فخر خاندان ہوگا اور مذہب سے ویسی ہی دلچسپی رکھے گا جو اُس کے خاندانی خصوصیات میں سے ہے۔ (مدیر)

تمام قومیں جاگ اُٹھیں ہے ان میں حریت کا جوش
جدھر نظر اُٹھائی صدائے انقلاب ہے

مسلمانوں تم دیکھ رہے ہو کہ دُنیا میں خاص کر یورپ میں کس قدر ترقی ہوئی اور اب تک ہو رہی ہے ترقی سے یہ مُراد ہے کہ عملی۔ اخلاقی۔ تمدنی غرضکہ ہر طرح کی ترقی ہو رہی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ اگر ہم تواریخ کا مطالعہ غور سے کریں تو ہم کو معلوم ہوگا کہ اس کی وجہ صرف تم ہی ہو یعنی جب مسلمانوں نے اندلس کو فتح کر کے قرطبہ میں ایک دارالعلوم قایم کیا اور وہاں نصاریٰ نے آکر تعلیم حاصل کی اور تم سے تمہارے اچھے علوم حاصل کر کے آج تم کو اس قدر ذلیل نگاہ سے دیکھ رہے ہیں کہ جس کو تم بھی بخوبی جانتے ہو۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ یہ تو تم کو میں بتا دینا چاہتا ہوں۔ نصاریٰ جو پہلے آپس میں لڑا کرتے تھے اور ان میں اتفاق نہ تھا ان کو تم نے تعلیم دے کر اپنے سے زیادہ طاقتور بنا دیا انھوں نے تم سے علوم حاصل کر کر اس پر عمل کیا لیکن تم صرف علم ہی پڑھتے رہے کبھی اس پر عمل نہ کیا اور جب تک عمل کرتے رہے دُنیا میں تم نے اپنا سکہ جما لیا تھا۔ لیکن اب کس قدر دُنیا کی نگاہ میں ذلیل ہو اس کو تم لوگ بھی محسوس کر رہے ہو لیکن معلوم نہیں کیوں تم غفلت کی نیند سو رہے ہو۔

تم لوگوں کی پست ہمتی صرف تمہاری مذہب پر نہ چلنے کی وجہ سے ہے۔ تم نے تو نصاریٰ اور دُنیا کی دیگر قوموں کو اخلاق۔ تمدن۔ تہذیب۔ شرافت۔ ہمدردی سکھائی لیکن بڑے افسوس کی بات ہے کہ آج تم لوگ اپنی

راہ مستقیم کو کیوں نہیں اختیار کرتے۔

بھائیو جب تک تم اپنے مذہب اسلام پر حرف بحرف نہ چلوگے اور اس کو نہ اختیار کروگے اس وقت نہ تو تم دنیا میں ترقی کر سکتے ہو نہ تمھاری کھوئی ہوئی عزت پھر تم کو حاصل ہوگی تم کو معلوم ہو کہ تمھاری ترقی کی کیا وجہ تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ اسلام کے فروغ کی بانی ایک زبردست اخلاقی قوت تھی جو کہ رسول عربی کی تلقین سے ظہور میں آئی تھی اور جس نے عرب کی جاہل وحشیوں کو سرفروش اور توحید پرست مسلمان بنا دیا۔

مسلمان ایمان پر جان و دولت قربان کرنا اپنے لیئے باعث فخر سمجھتے ہیں اور یہی زبردست اخلاقی قوت تھی جس نے اسلام کا سکہ جاری کر دیا تھا۔ اس زمانہ میں مسلمان یہ بھی نہیں جانتے کہ (اسلام) کیا ہے صرف وہ لوگ نام کے مسلمان ہیں۔ مسلمان اس زمانہ میں رسم کے پردہ میں اپنے کو مسلمان کہتے ہیں اور رسم و رواج کی پابندی کو اختیار کرتے ہیں اور اس کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں یا اگر یوں مثال دوں کہ مثل مکھی کے رسم و رواج کے جالے میں جکڑے ہوئے پڑے ہیں اور یہ مکڑی ان کا خون پی رہی ہے اور جو شخص رسم و رواج کی پابندی میں اچھی طرح جکڑ جاتا ہے اس کو یہ رسم و رواج کو ماننے والے مسلمان پکا مسلمان کہتے ہیں۔ میں مسلمانوں کو بتلا دینا چاہتا ہوں کہ وہ شخص ہرگز مسلمان نہیں ہو۔ مسلمان کے معنی سلامتی چاہنے والا اور اسلام کے معنے صلح سلامتی کے ہیں قرآن مجید کے لحاظ سے اصلی مسلمان وہی شخص ہو جس نے خدا اور اس کے بندوں کے ساتھ صلح رکھی یعنی خدا کے ساتھ صلح رکھنے ہیں یہ مراد ہے کہ خدا پر بلا شک و شبہ ایمان لایا اور خدا کے بندوں سے صلح کے معنے یہ ہیں کہ ہر شخص کو جو خدا پر ایمان رکھتا ہے اس کے بندوں کے ساتھ اچھائی کرے اور وہی شخص خدا اسے محبت رکھتا ہے جو اس کی مخلوق سے محبت کرے اور وہی شخص پکا مسلمان ہے یا خدا کا پیارا اور نیک بندہ ہے جو اس کے بندوں کے ساتھ زیادہ اچھائی اور محبت کرتا ہے۔ صرف نماز۔ روزہ اور حج کرنے سے انسان مسلمان نہیں ہو سکتا اصل مقصد ہے کہ ان با قاعدہ احکام کو ہمیشہ دماغ میں رکھے اور اس پر عمل کرتا رہے۔

جو اصلی مسلمان یہ جانتا ہو کہ اس کا تعلق سیدھا خدا سے ہونا چاہیئے۔ اس کو لازم ہے کہ خدا کے بندوں کی خدمت کرے بلا کسی انعام یا لالچ کے۔ لہذا مسلمان وہی شخص ہے جو خدا کی خدمت اس طرح کرے یعنی خدا کی خدمت سے مراد ہے خدا کے بندوں کی خدمت کرے اس لیئے کہ خدا کی خدمت کوئی کر ہی نہیں سکتا۔ لیکن برخلاف اس کے مسلمان نفس پرستی۔ نخوت۔ غرور کی زنجیروں سے جکڑے ہوئے ہیں۔

مسلمانوں سے زیادہ خراب چلن شاید اس زمانہ میں کسی قوم کا نہیں ہے مسلمانوں میں ایثار کی بو تک باقی نہیں ہے۔ ہمدردی۔ اتفاق۔ علم۔ ہنر۔ تہذیب غرضکہ ہر چیز سے مسلمان بے بہرہ ہیں۔ اس زمانہ کے مسلمان پیغمبر کی رسوائی کے باعث ہیں۔ اس زمانہ میں مسلمان خواب خرگوش میں پڑے ہوئے ہیں۔ ہر مسلمان اپنے

فرض کے ادا کرنے میں کوتاہی کرتا ہے۔ بہت سے مسلمان نماز نہیں پڑھتے ان کو نماز سے زیادہ صبح کی نیند پیاری ہے دنیا میں مسلمانوں سے زیادہ جاہل اس زمانہ میں کوئی قوم نہیں ہے۔ اور اس کی وجہ سے مسلمان غریب ہیں۔

مسلمانوں کی تجارت صرف قبروں کی ہے۔

اے مسلمانو! تم کو پیغام محمدؐ کا کچھ پاس نہیں ہے کیونکہ تم رسول مختار کے قانون اور قواعد پر عمل نہیں کرتے اور اب تم لوگ اپنی تہذیب سے منہ موڑے ہوئے ہو اور دوسروں کی تہذیب اختیار کرتے ہو۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ تمھاری روح میں اس کا احساس نہیں ہے۔ اس زمانہ میں صرف چند غریب مسلمانوں کے دم سے مذہب زندہ ہے ورنہ جتنے امیر ہیں یہ اپنی دولت کے نشہ میں غافل ہیں۔

پُرانے زمانہ کے مسلمان اور اس زمانہ کے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے بعد اس کی ضرورت نہیں ہے کہ میں بتاؤں کہ مسلمانوں کو کیسے ترقی حاصل ہوسکتی ہے کیونکہ اسے معلوم ہو جائیگا کہ مسلمانوں کو کیسی ترقی حاصل تھی۔

پُرانے زمانہ کے مسلمانوں میں اتفاق تھا اور اس زمانہ میں مسلمانوں میں اتفاق نہیں ہے۔

پُرانے زمانے کے مسلمانوں کو مذہب اسلام پر اگر کوئی ذرا سا خطرہ محسوس ہو تو ہر مسلمان اپنا خون پانی کی طرح بہا سکتا تھا اُس زمانہ کا مسلمان اللہ کا سودائی تھا۔ اور خدا کے بندوں سے محبت رکھتا تھا اور احکام الٰہی کا حرف بحرف عامل تھا۔ جو کچھ پڑھتا عمل کرتا تھا۔ اُس زمانہ کے مسلمان کا خیال تھا بلکہ ایمان تھا کہ نبی کریم ایک ہی ایمان ایک ہے۔ حرم پاک اور اللہ قرآن سب ایک ہی۔

لیکن اس زمانہ میں شاید مسلمانوں کا یہ ایمان نہیں ہے اگر یہ ایمان ہوتا تو کبھی مسلمانوں میں ذاتیں فرقہ بندیاں نہ ہوتیں اور جب تک مسلمان ایک نہ ہو جائینگے اُس وقت تک وہ ترقی دنیا میں نہیں کرسکتے اور اگر ان کا یہ خیال اب بھی باقی ہے تو وہ ایک پرانے مسلمان کے لحاظ سے اپنے کو مسلمان نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ تم لوگ وضع میں نصارا اور تمدن میں ہنود ہوا اور تم لوگ ایسے ہو کہ تم کو دیکھ کے یہودی بھی شرماتے ہیں۔ یعنی تم میں نہ اب اپنی وضع ہے نہ اپنی صحیح تہذیب ہے تو اب تم ہی بتاؤ کہ تم دنیا میں کیسی ترقی کرسکتے ہو اور ظاہر میں مسلمان معلوم ہوسکتے ہو۔ تم لوگ اپنا مذہب چھوڑ کر قرآن پر عمل نہ کرکے آج دُنیا میں کسقدر ذلیل ہو۔ یاد رکھو کہ تم اور صرف تم ہی ایک ایسی قوم ہو کہ اپنا مذہب و قرآن چھوڑ کر دُنیا و عقبےٰ میں کہیں آرام حاصل کر نہیں کرسکتے۔

پرانے زمانہ کے مسلمان میں صداقت تھی اور اس کے دل میں عدل تھا اور اس میں حیا تھی اور بہادر تھا لیکن اس زمانہ کے مسلمان ہیں کہ اوصاف حمیدہ کی بوتک بھی نہیں۔ اس میں لالچ۔ مکاری۔ دغا بازی۔ جھوٹ بُزدلی۔ غرضکہ ہر طرح کی خرابیاں جو ایک قوم کو دُنیا میں پست کرتی ہیں ابھی تک موجود ہیں غرور کی اس قوم میں کوئی حد نہیں ہے۔

پرانے زمانے کا مسلمان باطل چیز کے لئے نشتر تھا اور اس کی ترقی کی وجہ یہ تھی کہ قرآن اور حکم رسول خدا پر عمل کرتا تھا اور وہ صرف اپنے اوپر بھروسہ رکھتا تھا۔

یعنی جب وہ سچا تھا تو اس کو اپنے اوپر بھروسہ کیوں نہ ہوتا۔ اس کو صرف خدا کا ڈر تھا اور موت سے مطلق نہ ڈرتا تھا۔

لیکن اِس زمانہ کے مسلمانوں کو خدا پر نہ اپنے اوپر بھروسہ ہے اور اس کو خدا سے مطلق خوف نہیں ہے برخلاف اس کے اس کو موت کا ڈر ہے سچ تو یہ ہے کہ جو خدا سے نہیں ڈرتا اس کو ہر چیز سے ڈر ہوتا ہے تم لوگ تن آسانی کی شراب کے نشہ میں چور ہو۔

اے مسلمانوں! تم ہی انصاف سے کہو کیا یہی رسول کریم کی تعلیم تھی۔ اگر تم غریب ہوگئے ہو مگر تمہاری روحانی قوت ابھی حاصل ہوسکتی ہے۔ صرف قرآن ہی پر عمل کرنے سے پرانے زمانے کا مسلمان قرآن پر عمل کرکے دنیا میں معزز تھا لیکن تم صرف قرآن کی تعلیم پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے رسوا اور ذلیل ہو۔

پُرانے زمانے کے مسلمان رحیم تھے اور خطا پوش و کریم تھے لیکن تم لوگ آپس میں نفاق دشمنی رکھتے ہو اور تم لوگ یہ سب چاہتے ہو کہ ہم کو پھر ویسا ہی عروج حاصل ہو جائے جیسا پہلے زمانے کے مسلمان کا تھا۔ تو تم کو چاہیئے کہ ان کی زندگی کے حالات پڑھ کر اپنا قلب ویسا بناؤ تب تم بھی اصلی مسلمان ہوسکتے ہو اور مسلمان ہونے کا دعوےٰ کرسکتے ہو۔

سید محمد آباد حسین زیدی طالبعلم درجہ دہم گورنمنٹ ہائی اسکول (جونپور)

کلام ہادی

حضرت سید الشعراء جناب خان بہادر سید محمد ہادی صاحب دام عزہ وعلاہ ملک کے اُن چند مخصوص کہنہ مشق شعراء میں ہیں جن کا کلام صرف عارضی لذت ہی نہیں پیدا کرتا بلکہ اصل حقائق کا مرقع اور جذبات فطری کا آئینہ ہوتا ہے۔ ہماری درخواست پر ممدوح نے اپنے افکار تازہ میں سے کچھ رباعیات عطا فرمائی ہیں جن میں سے پہلی قسط حاضر ہی بقیہ کا انتظار فرمایئے۔　　　(خاکسار حیدری)

در یگانۂ دریائے مجمع البحرین
بخون تپیدۂ کرب و بلا امام حسین

وہ مشہور و معروف اور مقبول شعر ہی جس کے سُنتے ہی ہر صاحب دل بے چین ہوجاتا ہے۔ خان بہادر صاحب نے اس کی تضمین فرمائی ہے جو در اصل مصنف شعر سے داد طلب ہے۔

وہ رضا کا مسافر دل رسول کا چین　　علی کا لخت جگر فاطمہ کا نور العین
گلوں سے جس کی رواں خون سید الثقلین　　زمانہ جس کے لیئے نوحہ گر شیون و شین

در یگانہ دریائے مجمع البحرین
بخوں تپیدۂ کرب و بلا امام حسین

وہ جلوۂ رخ تاباں کہ آفتاب ہو دنگ — وہ جبہ مدنی وہ عمامہ گل رنگ
حسن کا طرز۔ علی کی روش۔ رسول کا ڈھنگ — دکھا رہا ہے ید اللہ کا طریقہ جنگ

در یگانہ دریائے مجمع البحرین
بخوں تپیدۂ کرب و بلا امام حسین

ہزار فتح سے بڑھ کر ہے جس کی ایک شکست — ثقہ بنے متاثر ہوئے یہ عیش پرست
اُٹھے وہ چونک جو تھے نشۂ شراب میں مست — اس انقلاب کو لایا ہے کون سمجھو دوست

در یگانہ دریائے مجمع البحرین
بخوں تپیدۂ کرب و بلا امام حسین

رباعیات

پیری میں ہوس بڑھی مٹاؤں کیوں کر — لے کر کہیں اور پھینک آؤں کیونکر
شل ہو گیا زر کشی سے بازوئے طلب — دُنیا کی طرف سے ہاتھ اُٹھاؤں کیونکر

مذکور سے موت کے ڈرے جاتے ہیں — دن قید حیات کے بھرے جاتے ہیں
کیا خاک ہے لطف زندگی پیری میں — جینے پہ مگر بشر مرے جاتے ہیں

ڈھونڈی سے نہ پاؤں تو مکرر ڈھونڈوں — ملنے کی جو آس ہو تو دن بھر ڈھونڈوں
آنکھوں نے جواب دے دیا پیری میں — ڈھونڈوں جو شباب کو تو کیونکر ڈھونڈوں

ہندی اُن کو مہابلی کہتی ہے — اُردو اللہ کا ولی کہتی ہے
دستور بزرگ۔ فارسی کا ہے سخن — انگلش "دی گریٹ جج" علی کہتی ہے

تجلیاتِ افسر الشعرا حضرت نجم آفندی اکبرآبادی

محمدؐ عربی

نگاہِ لطف سے پیغام کیا دیئے تو نے
محمدؐ عربی دل ہلا دیئے تو نے

خیال و خواب تھا فیضانِ انبیائے سلف
خیال و خواب کے منظر جگا دیئے تو نے

اسی کا نام زمانہ میں ہوگیا معراج
تعینات کے پردے اٹھا دیئے تو نے

وہ تیری لرزہ براندامیاں عبادت میں
دیارِ قیصر و کسریٰ ہلا دیئے تو نے

فرازِ عرش سے تارے اُتارنے والے
زمیں پہ نور کے دریا بہا دیئے تو نے

تجلیاں ہیں دو عالم کی تیرے سجدے میں
دل و دماغِ بشر جگمگا دیئے تو نے

بھنور کو روند کے کنارے پہ جا لگی کشتی
بہت سے ڈوبنے والے ترا دیئے تو نے

ترے کرم سے غریبوں نے بھی امیری کی
سکونِ قلب کے سکے چلا دیئے تو نے

نہ خلق تھا نہ مساوات صحنِ عالم میں
یہ سر بمہر خزانے لٹا دیئے تو نے

تو جس خیال کو آیا تھا لیکے دُنیا میں
اُسی خیال کے انسان بنا دیئے تو نے

یہ ہے گداز کہ توحید کی حرارت سے
دلوں کے ذیل میں لوہے گلا دیئے تو نے

یہ سادگی میں جلالت یہ خامشی میں نہیب
دلاوروں کے جگر تھرتھرا دیئے تو نے

ترے اشارہ پہ تھی تیغِ حیدری کی روش
زمینِ کفر کے طبقے ہلا دیئے تو نے

فضا میں روحِ بلالی نے بوذری بھر دی
اذان کے نغموں کو دوشِ صبا دیئے تو نے

ترے حسین کے صدقے حسینوں کے نثار
کہ جن کو حوصلے کربلا دیئے تو نے

ترے خیال سے تخیل نجم روشن ہے
تصورات کے عالم سجا دیئے تو نے

اثرِ خامہ دعبلِ ہند ثانی حسان حضرت میرزا ثاقب قزلباش لکھنوی

فی المدح حضرت امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام

پلہ نہ جھکا اوج سے بھی چرخ بریں کا — کچھ خاک کے پتلوں سے بڑھا وزن زمیں کا
قدسی کے لیئے سجدۂ آدم ہوا تجویز — یوں کاتبِ قدرت نے بھرا نقش جبیں کا
جس ذرے کو چمکانے، تری بندہ نوازی — معدن ہوئی یہ خاک خلافت کے نگیں کا
اِس عنصرِ خاکی نے قبا نور کی پہنی — قدرت نے کہا ہاں تو نہ تھا دخل نہیں کا
مخفی و عیاں نقش تھے دو ظاہر و باطن — یہ مائلِ دُنیا وہ طلبگار تھا دیں کا
گہوارۂ قدرت کی بلندی پہ نظر کر — کس عہد میں مولود تھا آغوشِ زمیں کا
ایجاد نے ہونٹوں میں حلاوت کو جگہ دی — آنکھوں میں مکاں بن گیا حسنِ نمکیں کا
منزل تھی جہاں ذکر کی ایوانِ دہن میں — سجدہ ہوا تیار وہیں دُرِّ ثمیں کا
پسلی ہوئی محرابِ صفت دونوں طرف خم — سینہ تھا کہ اک قصر بنا قلبِ حزیں کا
مشہور ہے جس ذات کا آوازۂ عزت — میں ہوں وہی پر عشق نے رکھا نہ کہیں کا
ہاں ساقیِ کوثر کی توجہ سے کرم سے — دل ہے مرا اک میکدہ فردوسِ بریں کا
انگشتِ شہادت ہے ازل سے سوئے حیدر — کعبہ بھی ہے اک قبلہ نما قبلۂ دیں کا
یہ پاؤں ہیں یا کیا ہے؟ سرِ دوشِ محمد — منہ دیکھ تو لوں مہرِ نبوت کے نگیں کا
سجدے ہوئے اتنے کہ ہے جو ذرہ نجف میں — ٹوٹا ہوا تارا ہے وہ گردونِ جبیں کا

ثاقب میں کروں یا نہ کروں مدحتِ حضرت — پرواز میں ہے ذکر پرِ روحُ الامیں کا

نتیجۂ فکر جناب منشی محمد خوشرو علی صاحب حمیدی صدیقی حنفی انور بدایونی

یہ تقسیمِ کرم بھی ایک قدرت کا کرشمہ ہے — کہ بیت اللہ میں کچھ اور کچھ بیتِ پیغمبر میں
وہاں اللہ کے گھر میں ہوئے مولا علی پیدا — یہاں پیدا ہوئیں زہراؑ رسول اللہ کے گھر میں

نبی کا نائب آیا عاشق رب قدیر آیا — غریبوں کا معاون بیکسوں کا دستگیر آیا
جھکا دے گا مئے توحید سے جو بادہ خواروں کو — وہ سنت معرفت وہ ساقی روشن ضمیر آیا
تعالی اللہ کوئی حد ہی اس رشد و ہدایت کی — اُسے خضر طریقت کر دیا جو راہگیر آیا
در خیبر تو کیا ہی جو پہاڑوں کو ہلا دے گا — وہ شیر ذوالجلال آیا وہ شاہ قلعہ گیر آیا

یہ سچ ہی ان کو آنو سلطنت کی قدر کیا ہوتی
گیا سلطان ہو کر اُن کے در پہ جو فقیر آیا

شرح ماتہ عامل منظوم

(مصنفہ مولانا ملا عبدالرسول صاحب سنی حنفی مطبوعہ مطبع صبح المطابع لکھنؤ صفحہ ۶۱ و ۶۲)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدا سازم بنام پاک ال بے ابتدا — در رہ ادراک او ہر عقل را عجز انتہا
نیست در انشای کس مسند بذاتش احتیاج — غیر او ہرگز نباشد فاعلیت را سزا
از پی امرش عالم گزید از جملہ خلق — ذات بے ہمتا چو خود یعنی محمد مصطفے
معنی لفظ خدا ئی مدعائے امر کن — باعث ایجاد عالم سید ہر دو سرا
شورش عشق ازل ہم زلف محبوبی بدوش — شد شکن پیرائے او صد شانہ ہمچوں والضحے
نسبت آدم باد چوں نسبت مصدر بفعل — گفتم اینک مجمل از نحوی ہیچ این نکتہ را
خارج از حد عدد بروے صلوٰۃ آل احمد — ہم بر آل پاک و اصحاب کرامش با صفا
سیما صدیق اکبر پیشوائے اہل دیں — حضرت فاروق ہمبودش عدالت اقتدا
آنکہ جز بروے نیا بد اسم ذی النورین رہست — سر ایں معنے کہ می فہمد بجز عقل رسا
آں شہ مسند نشیں صدر ایوان غدیر — شہسوار عرصۂ حق تاجدار انما
شد بلاگرداں او روح الامیں پروانہ وار — آں امیر المومنیں شمع شبستان ہدے
آنچہ عنواں را بود نسبت معنون را ہماں — ہست نسبت مصطفے را با علی مرتضے
بندگی ہر چہار اصحاب بیرنگ خلاف — ہمچو بود رگل بدلدارم خفی و برملا

مخزن علم الٰہی منشأ فیض ازل / جانشین مصطفیٰ زوج بتول پارسا
آنکہ برگرد حریمش عصمت آمد پردہ دار / غیر ازیں دیگر چہ باشد بضعة خیر الوریٰ
نیست جائز نام پاکش بر زباں آوردنم / گر دہن سازم وضو از چشمۂ آب بقا
اصل ان یکتا دو گوہر کز پئے اوصاف شان / عقل کل دارد جبہ بدیوار تحیر اتکا
ہر دو در میدان عشق حق جری و یکہ تاز / آں یکے مسموم و آں دیگر شہید کربلا
رنگ نقش پاک شان تا ریخت بر لوح وجود / بوسہا بر خامہ زد صد بار نقاش قضا
بشنو از سر کردۂ تردامناں عبدالرسول / سنی حنفی غلام خاصہ ہر چار تا

کز پئے تسہیل حفظ مبتدی کردم بنحو / ہم چو اندک مایہ خود نظم چنداں بیتہا

محترمی جناب ایڈیٹر صاحب "اسلامی دُنیا" السلام علیکم۔ مزاج شریف

فخر قوم فدائے ملک و مذہب مولانا محمد علی جوہر مرحوم کے چند جواہر پارے بطور تبرک پیش کر رہا ہوں جو یقیناً "اسلامی دنیا" کے لئے سود مند ثابت ہوں گے۔ فقط۔ والسلام

نیاز مند
افضال حیدر کاظمی سہارنپور

سینہ ہمارا فگار دیکھیے کب تک رہے / چشم یہ خوننابہ بار دیکھیے کب تک رہے
دین پہ دُنیا فدا کرتے رہے مُدتوں / کفر پہ ایماں نثار دیکھیے کب تک رہے
ہم نے یہ مانا کہ پاس کفر سے کمتر ہیں / پھر بھی تیرا انتظار دیکھیے کب تک رہے
اُمت احمد کو ہے فضل کی تیرے اُمید / فضل کی اُمیدوار دیکھیے کب تک رہے
حق کی کمک ایک دن آ ہی رہے گی ولے / گرد میں پنہاں سوار دیکھیے کب تک رہے

ماتم شبیر ہے آمد مہدی تلک / قوم ابھی سوگوار دیکھیے کب تک رہے

(۲)

دورِ حیات آئے گا قاتل قضا کے بعد / ہے ابتدا ہماری تیری انتہا کے بعد
جینا وہ کیا کہ دل میں نہ ہو تیری آرزو / باقی ہے موت ہی دلِ بے مُدعا کے بعد
ایک شہر آرزو پہ بھی ہونا پڑا خجل / "ھل من مزید" کہتی ہے رحمت دُعا کے بعد

قتلِ حسینؑ اصل میں مرگِ یزید ہے | اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

ہے کس کے بل پہ حضرتِ جوہرؔ یہ وکشی
ڈھونڈیں گے آپ کس کا سہارا خدا کے بعد

(باقی باقی)

نقد و تبصرہ

"ماہنامہ" مرتبہ سید ظہیر الحسن صاحب ادارہ علی کالج وزیر آباد نوگانواں ضلع مراد آباد۔ ہمارے پاس بغرضِ ریویو آیا ہے۔ اگرچہ اغراض و مقاصد مفصلاً کسی مقام پر درج نہیں ہیں لیکن سرورق کے تیسرے صفحہ پر نمبر ۳ میں اخلاقی اور تاریخی مضامین شایع کرنے کا ارادہ ظاہر کیا گیا ہے۔ اور ایسے مضامین بھی جو قومی بیداری پیدا کر سکیں حجم ۸ صفحے ہی مضامین منتخب اور چیدہ ہیں۔ اُمید ہے کہ ہمدردان مذہب اس ادارہ کی خدمات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس "ماہنامہ" کی طرف خاص توجہ کریں گے۔ اس زمانہ میں اس قسم کے رسائل کی یقیناً ضرورت ہے۔ چندہ نہایت کم یعنی صرف ایک روپیہ آٹھ آنے سالانہ ہے ملنے کا پتہ اوپر درج ہے۔ ہم اس رسالہ کا خیر مقدم کرتے ہوئے برادران دینی سے خاص توجہ کی سفارش کرتے ہیں۔

(مدیر)

شکریہ

حسب ذیل ہمدردان مذہب نے اپنی جانب سے غیر مسلم مغربی اداروں یا اشخاص کے نام رسالہ اسلامک ورلڈ / اسلامی دنیا کا اجرا منظور فرمایا خداوند عالم سب کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔

(۱) حضور پُر نور بیگم صاحبہ آف سلیم پور دام عزہا و علاہا ۴ پرچے

(۲) جناب صاحبزادی صاحبہ آف سلیم پور دام عزہا و علاہا ۴ پرچے

(۳) جناب چودھری سید اشفاق حسین رئیس اعظم مہاواں پرگنہ کراری ضلع الہ آباد ۱ پرچہ

(مدیر)

فاطمہؓ کون تھیں

(از جناب مولانا عینی شاہ صاحب نظامی زاد فضلہ حیدرآباد دکن)

خدا کی قسم فاطمہ اللہ والی تھیں۔ عرش کی قسم فاطمہ عرش والی تھیں۔ آسمان کی قسم فاطمہ آسمانی حور تھیں۔ کعبہ کی قسم فاطمہ روائے کعبہ تھیں۔ مدینہ کی قسم فاطمہ روح قدسی تھیں۔ حوروں کی قسم فاطمہ حور جنت تھیں۔ وحی کی قسم فاطمہ صدائے حق تھیں۔ قرآن کی قسم فاطمہ ام الکتاب تھیں۔ محمد (روحی فداہ) کی قسم فاطمہ ہو بہو محمد تھیں۔ ذات محمد کی قسم فاطمہ عین محمد تھیں۔ صفات محمد کی قسم فاطمہ سر تا پا محمد تھیں۔ حقیقت محمد کی قسم فاطمہ آئینہ محمد تھیں۔ صورت محمد کی قسم فاطمہ تصویر محمد تھیں۔ نور کی قسم فاطمہ نور کی پتلی تھیں۔ ظہور کی قسم فاطمہ عین ظہور تھیں۔ جان کی قسم فاطمہ جان محمد تھیں نفس محمد کی قسم فاطمہ نفس محمد تھیں تن محمد کی قسم فاطمہ پارۂ محمد تھیں۔ مازاغ کی قسم فاطمہ نور البصر تھیں الم نشرح کی قسم فاطمہ سر محمد تھیں۔ والضحیٰ کی قسم فاطمہ مظہر محمد تھیں وما ینطق کی قسم فاطمہ لسان محمد تھیں۔ دہان محمد کی قسم فاطمہ شیریں دہن تھیں۔ جمال محمد کی قسم فاطمہ جیسے آفتاب تھیں حسن محمد کی قسم فاطمہ چودھواں چاند تھیں رُخ محمد کی قسم فاطمہ مصحف ربانی تھیں ابروئے محمد کی قسم فاطمہ کعبۂ ایمان تھیں۔

وحدت کی قسم فاطمہ یکتا تھیں۔ کثرت کی قسم فاطمہ ام السادات تھیں۔ قدرت کی قسم فاطمہ ملکہ تھیں۔ جبروت کی قسم فاطمہ شہزادی تھیں۔ نبوت کی قسم فاطمہ پیغمبر زادی تھیں۔

شرافت کی قسم فاطمہ پر شرافت تصدق تھی۔ سیادت کی قسم فاطمہ پر سیادت قربان تھی۔ عصمت کی قسم فاطمہ پر عصمت نثار تھی۔ طہارت کی قسم فاطمہ پر طہارت صدقے تھی۔ صداقت کی قسم فاطمہ پر صدیقیت فدا تھی۔ امامت کی قسم فاطمہ پر امامت نازاں تھی۔ ولایت کی قسم فاطمہ ام الولایت تھیں وصایت کی قسم فاطمہ وصی کی دُلہن تھیں۔ امام کی زوجہ اور اماموں کی ماں تھیں۔ معرفت کی قسم فاطمہ بحر عرفان تھیں۔ ایمان کی قسم فاطمہ اسمان ایمان تھیں یٰسین کی قسم فاطمہ سیدۂ عالم تھیں سیدزادی تھیں۔ سید کی زوجہ اور سادات کی ماں تھیں طٰہٰ کی قسم فاطمہ طاہرہ و مطہرہ تھیں۔ طاہر کی بیٹی۔ طاہر کی زوجہ اور طاہر بچوں کی ماں تھیں۔ غم و الم کی قسم فاطمہ تصویر غم و الم تھیں۔ دُکھ درد کی قسم فاطمہ دُکھیا تھیں۔ سوز و گداز کی قسم فاطمہ جوانی میں گھل کر مریں مصیبت کی قسم فاطمہ مصیبت زدی تھیں۔ شہادت کی قسم خانہ فاطمہ شہادت گاہ تھا۔ شہیدوں کی قسم فاطمہ کا خاندان شہید ہوا۔

آیت مودت فاطمہ کے گھر۔ آیت مباہلہ فاطمہ کے گھر۔ آیات دہر فاطمہ کے گھر۔ آیات تطہیر فاطمہ کے گھر یٰسین فاطمہ کے گھر۔ طٰہٰ فاطمہ کے گھر۔ والضحیٰ فاطمہ کے گھر۔ والشمس فاطمہ کے گھر! قرار فاطمہ کے گھر اور آیت ذوالقربیٰ فاطمہ کے گھر کہ یہ تنزیل فاطمہ کے گھر تاویل

فاطمہ کے گھر۔ تفسیر فاطمہ کے گھر اور تکبیر فاطمہ کے گھر۔ ناطق فاطمہ کے گھر قرآن فاطمہ کے گھر۔ اور قرآن والے فاطمہ کے گھر! ایمان فاطمہ کے گھر اور ایمان والے فاطمہ کے گھر۔ کعبہ فاطمہ کے گھر۔ اور کعبہ والے فاطمہ کے گھر۔ جبرئیل فاطمہ کے گھر۔ فرشتہ فاطمہ کے گھر۔ نبی فاطمہ کے گھر۔ نبوت فاطمہ کے گھر۔ توحید فاطمہ کے گھر۔ وحدت فاطمہ کے گھر۔ امام فاطمہ کے گھر۔ ولی فاطمہ کے گھر ولایت فاطمہ کے گھر۔ شہید فاطمہ کے گھر۔ شہادت فاطمہ کے گھر طاہر فاطمہ کے گھر۔ طہارت فاطمہ کے گھر۔ معصوم فاطمہ کے گھر۔ عصمت فاطمہ کے گھر۔ کتاب فاطمہ کے گھر اور عالم کتاب فاطمہ کے گھر۔ جنت فاطمہ کے گھر اور کوثر فاطمہ کے گھر۔ خاتون جنت کے گھر مالک جنت۔ امیر جنت اور سرداران جنت جنت ان کی اور یہ جنت کے۔ فرشتے اس خاتون جنت کے خدام حوران کی لونڈی باندی اور ثقلین ان کے غلام۔ یہ وہ گھر ہے جو مہبط جبرئیل ہے۔ یہ وہ گھر ہے جہاں خدا کا رسول السلام علیکم یا اہل البیت فرمایا کرتا تھا۔

فاطمہ باپ کے زیر سایہ پھلیں پھولیں۔ باپ کی آغوش میں پل کر جوان ہوئیں۔ باپ کے وقت میں دنیا و ما فیہا سے بے خبر رہیں۔ باپ کے پہلو میں سکھی رہیں۔ باپ کی روح رواں تھیں باپ کی جان تھیں۔ باپ کا دل و جگر تھیں۔ باپ کی آنکھوں کا تارا اور دل کا سہارا تھیں۔ غریب تھیں کھانا پاس نہ تھا۔ مگر خوش بخوش تھیں۔ فاقے کیے مگر شکم سیر نظر آتی تھیں بھوکی رہیں مگر شادمان تھیں۔ دن فاقوں میں گزرے مگر شکوہ نہ تھا۔ پھٹے پرانوں پر قناعت کی مگر جی نہ للچایا۔ باپ سر پہ تھے امن تھا۔ چین تھا۔ قرار تھا۔ سکون تھا۔ سکھ تھا اور اطمینان تھا۔ ادھر باپ کو دیکھا اور ادھر بھوک پیاس دور ہوئی۔ باپ نے ادھر پیار کیا ادھر نہال ہو گئیں۔ فاطمہ کو نہ تو مفلسی کا رنج تھا اور نہ بے زری کا ملال۔ باپ کا رنج بیٹی کا رنج اور باپ کا ملال بیٹی کا ملال تھا۔ فاطمہ کو خیال تھا تو باپ کا اور فخر تھا تو باپ کا۔ باپ کو اداس دیکھا تو رو پڑیں! اور باپ کو خوش پایا تو ہنس دیں۔

اُحد کے دن دشمنوں نے شہادت آنحضرت کی افواہ اڑا دی یہ خبر مدینہ پہونچی سننا ہی تھا کہ زمین تلووں سے نکل گئی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا سر پیٹتی آہ و فریاد کرتی ننگے سر ننگے پاؤں میدان اُحد میں پہونچیں۔ بیہوش باپ کے قدموں میں لوٹ گئیں۔ سر اقدس کو گود میں رکھا اور سر کے بال کھول کر باپ کو سنگھاتے باپ نے آنکھیں کھولیں بیٹی کو سرہانے دیکھ کر فرمایا فاطمہ! پھر باپ بیٹی لپٹ کر رونے لگے بیٹی نے زخموں کو دھویا اور پٹی باندھی تو چین آیا یہ تھے باپ بیٹی۔

باپ جب بھی سفر سے لوٹ کے آتے ہیں پہلے بیٹی کے گھر آتے ہیں بیٹی باپ سے لپٹ جاتی ہیں اور اپنے بالوں کو گرد پائے اقدس صاف کرتی ہیں۔ باپ بیٹی کو پیار کرتے ہیں اور پھر اپنے گھر جاتے ہیں۔ یہ تھا باپ بیٹی کی محبت کا حال۔ کوئی کہاں تک گنائے اور کہاں تک اس درد محبت کا واقعہ لکھے۔ غرض یہ کہ فاطمہ کی دنیا محمد تھی اور دین محمد تھا (روحی فداہ) فاطمہ کی جان محمد تھی اور دل محمد تھا۔ فاطمہ کا سکھ محمد اور چین محمد تھے۔ باپ بیٹی کے دیوانے اور بیٹی باپ کی دیوانی۔

فاطمہ کو نہ زر کی پرواہ تھی۔ نہ زیور کی خواہش تھی نہ امارت چاہیئے تھی نہ دولت۔ نہ محل چاہیئے اور نہ قصر

صرف محمد روحی فداہ چاہئے تھے۔ اور بس باپ بیٹی اور بیٹی بیٹی تھیں اور باپ۔ بیٹی شادی کے بعد ایک دیوار آڑے ہونے لگیں تو پیغمبر بے چین ہو گئے۔ دو ایک مرتبہ بیٹی کے گھر آتے اور السلام علیکم یا اہل البیت فرماتے تو بیٹی دوڑی دوڑی آتیں اور باپ سے چمٹ جاتیں تو باپ کو قرار آتا تھا۔ بیٹی باپ کے گھر آتیں تو باپ دوڑے دوڑے دروازہ تک جاتے پیار کرتے سینہ سے لگاتے اور ساتھ لاکر اپنی جگہ بٹھایا کرتے تھے۔

فاطمہؓ آنحضرت کی تصویر اور خدیجہ کی مثنیٰ تھیں فاطمہ شہنشاہ کونین کی بیٹی اور ملکۂ عرب کی جائی تھیں۔ آرزوؤں تمناؤں کی جنی لاڈ پیار کی پالی پوسی اور محبت کے گہوارے میں جھولی ہوئی تھیں۔ ماں کا کلیجہ اور باپ کی آنکھوں کا تارہ تھیں۔ بڑی نازک دل نازک دماغ۔ نازک خیال۔ نازک بدن۔ نازک مزاج اور نازک طبع تھیں جب تو پیغمبرؐ ان کا ناز اُٹھاتے تھے آٹھ سال کی ننھی سی عمر میں بن ماں کی ہو گئیں تو باپ نے سینہ پر رکھ کر پالا پوسا۔ سکھ دیا آرام دیا اور دُگنا لاڈ پیار مرحمت کیا بلکہ ان کی دیکھ بھال کے لیئے حضرت سودہ کو گھر لایا گیا تھا۔ فاطمہ باپ کی محبت میں بہل گئیں اور باپ کو دیکھ کر ماں کو بھول گئیں۔ باپ بیٹی کو دیکھ کر جیتے تھے اور بیٹی باپ کو دیکھ کر زندہ تھیں۔ باپ کو بیٹی کی جُدائی گوارہ نہ تھی اور بیٹی کو باپ کی فرقت دوبھر تھی۔

مگر زمانہ کہاں کسی کو سکھ سے بیٹھنے دیتا ہے فرقت اور محبت دو محبت والوں کے لیئے فطری ہے۔ آخر وہ ناگوار گھڑی آ گئی اور وہ نافرجام شامت آ پہونچی۔ فاطمہؓ کی ساری کائنات لُٹنے والی تھی۔ اور فاطمہؓ اپنے باپ سے جُدا ہونے والی تھیں پیغمبر آخرالزماں بستر پر فریش اور دُنیا سے رخصت پذیر ہیں آہ آہ کر رہی ہیں بیٹی کے آنسو رُخسار مبارک پر گرتے ہیں تو ہوش میں آ جاتے ہیں۔ بیٹی کا سر سینے سے لگاتے ہیں پیار کرتے ہیں۔ بیٹیا روؤ نہیں تمھارے رونے پر حاملانِ عرش روتے ہیں۔ بیٹیا میں تم سے جدا ہونے والا ہوں۔ تم صبر کرو اور تم کو اب صبر ہی کرنا ہوگا۔ تم مجھ سے جلد ملوگی۔ اچھا فاطمہ رخصت! اس کے بعد شہنشاہ کونین دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔

دُکھیا بیٹی کا کیا کہنا کہ اس پر کیا گذری تسکین دینے والا باپ کہاں۔ کلیجے سے لگانے والا باپ کہاں۔ ایک پہاڑ سر پر گرا کوہ غم ٹوٹ پڑا۔ فاطمہؓ کا سایہ اٹھ گیا۔ سرپرست دنیا سے رخصت ہو گیا۔ باپ کیا گئے باپ کی کائنات کھو گئی فاطمہ اکیلی ہو گئیں۔ فاطمہ کی دُنیا بے چراغ ہو گئی دن رات نظر آنے لگے۔ دنیں بدلیں دکھائی دینے لگا۔ گھر کاٹ کھانے لگا۔ یگانے بیگانے معلوم ہونے لگے۔ دلاری فاطمہ دُکھیاری ہو گئیں۔ مدینہ کی شہزادی تیم ہو گئیں سکھی فاطمہ دکھیا ہو گئیں فاطمہ کی نظروں میں مدینہ ویران دکھائی دینے لگا۔ زمین خار کھانے لگی اور آسمان گھورنے لگا۔ خوشیوں کا گھر بیت الحزن بن گیا۔ رونا تھا اور فاطمہ تھیں۔ آہ و زاری تھی اور فاطمہ تھیں دن روتے کٹے اور راتیں روتے گذریں۔ حجرہ تھا اور فاطمہ تھیں یا مزار منوّر تھا اور فاطمہ تھیں۔ دیکھنے والے پہچان نہیں سکتے تھے۔ سوکھ کر کانٹا ہو گئی تھیں۔ اچھی خاصی تھیں گھل گھل کر تباہ ہو گئیں آخر کار بھری جوانی میں بائیس تئیس برس کے سن میں باپ کے دو مہینے بعد بروایت صحیح بعد چھ مہینے حضرت عائشہ و حضرت جابر مرد و بیہ عالم دو جہان کی بی بی اس ناپائیدار دُنیا سے رخصت ہو گئیں۔ یعنی سیدہ عالم جنت سدھاریں

مریم اُمت فردوس　　ہوگئیں۔ اور دو جہان کی بی بی جنت تشریف لے گئیں۔ اور ہمارے نبی کی جیتی جاگتی تصویر صفحہ ہستی سے مٹ گئی۔

رخصتی کا دن بھی آخر دن ہی تھا مگر یہ دن بالکل تاریک اور رات معلوم دیتا تھا۔ اس روز فاطمہ خوش تھیں اور گھر میں اس روز بڑی چہل پہل تھی۔ خود غسل فرمایا۔ لباس پہنا اور اپنا تابوت اپنے ہاتھوں تیار کر لیا۔ اپنے معصوموں کو نہلایا دھلایا۔ صاف ستھرا کپڑا پہنایا۔ سُرمہ لگایا۔ پیار کیا اور گلے لگایا پھر شوہر سے رخصت ہوئیں اور وصیت فرمائی کہ ہمیں نہ غسل چاہیئے اور نہ کفن۔ ہم نے نہایا بھی اور پہنا بھی۔ ہمارا جنازہ گھر سے نہ اُٹھے۔ یہیں نماز ہو اور یہیں دفن ہو۔ غیر کی چھاؤں نہ پڑے۔ غیر کا ہاتھ نہ لگے بلکہ جنازہ پر سورج کی روشنی نہ پڑے۔ سارے کام آپ اپنے ہاتھوں انجام دیں۔ مدد کے لیے اسماء ہیں۔ عباس بن عباس اور میرے دونوں بچے ہیں۔ یہی بہت ہیں۔ غالباً یہی مہینہ ۲۰ جمادی الاول اور یہی دن تھے جبکہ آفتابِ عصمت و طہارت غروب ہوا تھا۔

فاطمہ زہرا تم پر خدا کا درود و سلام۔ تمہارے پیارے باپ کا درود و سلام۔ رسولوں نبیوں کا درود و سلام۔ فرشتہ سیرت بی بی! تم پر فرشتوں کا درود و سلام۔ مریم اُمت تم پر حوران جنت کا درود و سلام۔ خاتون محشر تم پر اہل محشر کا درود و سلام۔ سیدۂ عالم! تم پر عالمین کا درود و سلام۔ نبی زادی! تم پر تمہارے شوہر علیؑ کا درود و سلام۔ تمہارے لختِ جگر حسنؑ کا درود و سلام۔ پیارے حسینؑ کے تنِ بے سر کا درود و سلام۔ تمہاری مصیبت ماری دختروں کا درود و سلام۔ تم پر تمہارے شیر خوار پوتے اصغرؑ کا درود و سلام تم پر اکبرؑ نوجوان کا درود و سلام بیمارِ کربلا کا درود و سلام۔ دُکھیا سکینہؓ کا درود و سلام۔ فرقت کی ماری صغریٰ کا درود و سلام۔ سارے فاطمیوں کا درود و سلام اور ہم غلاموں کا درود و سلام تم پر تمہارے باپ پر۔ تمہارے شوہر پر تمہارے فرزندوں پر اور تمہاری آل پر ساری اُمت کا درود و سلام۔

الیٰ یوم القیام

اعتذار

ہم کو نہایت افسوس ہے کہ کچھ پریس کی بے عنوانیوں کی وجہ سے اس سال چند مرتبہ ہم کو دو دو ماہ کا پرچہ یکجائی شایع کرنا پڑا اور دسمبر و جنوری ۱۹۳۴ء کا پرچہ بھی اسی صورت سے شایع کیا جا رہا ہے تاکہ یہ وقت آئندہ واقع نہ ہو اس کمی کو پورا کرنے کے لیے ہم نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ اپنے تمام محترم ہمدردوں کی خدمت میں جناب سرپرست مدظلہ العالی کے رشحات قلم کے بہترین نمونہ مفت پیش کریں صرف ڈاک کے مصارف کے واسطے ۲ر کے ٹکٹ آنا ضروری ہیں۔ (۱) شیعہ و سنی حضرات کو صلاح نیاب انگریزی قیمت ۲ر (۲) شہید کربلا کی کہانی ایل ہیوہ کی زبانی قیمت ۴ر (۳) دشمنان حق (قادیانی ترجمہ)* قرآن (تفسیر بالنظر) قیمت ۴ر (۴) اسلام عالمگیر مذہب (لکچر انگریزی) قیمت ۲ر نوٹ: جو صاحب خریدار ہوں اور ان رسائل کو حاصل کرنا چاہیں وہ صرف ۱۲ر کے ٹکٹ بھیجکر طلب کر سکتے ہیں۔ نیازمند منیجر

his enemies. But believing it to be a duty imposed upon him by God, he fearlessly persisted in his search after truth, exposing the ignorance of those who thought they knew while they really did not know. Further, being an intensely religious man at heart, he openly refused to come into the fold of the prevailing 'State religion' and strongly condemned the highly immoral and disgusting tales about gods and divinities current in the mythology of this religion.

The animosity of the Athenians was actively stirred up against him, and they determined to put out of the way, once for all a man who daily exposed them to shame and ridicule by the intrinsic nobility of his word and deed. Of his judges the majority voting against him he was condemned to death, for he resolutely chose to die sooner than desert the post at which God had placed him, or do what he believed to be wrong.'

The simple pathos of this tragic tale—for an account of which we are principally indebted to Plato, the worthy pupil of a worthy teacher—contains much food for thought for the serious minded. Socrates died long ago, yet his good name survives. Not a single critic of his life has ever dared to suggest that Socrates ought to have yielded to the popular demand, and should have saved his life by consenting to forego his habit of cross-examining men. "I cannot hold my peace," he said "for that would be to disobey God"—and we cherish and respect his memory today precisely because he said this and refused to be silent on any terms. Not a single critic, I repeat, has had the courage to hint even that the policy of following right, for the sake of right, 'in scorn of consequence,' acted upon by Socrates, was a mistaken or short-sighted policy.

(*To be Continued.*)

ment of darkness in preferment to light—and the alternative was Death ! By the Holy Lord, it was not to be ! These good souls preferred death and they got it. Alone, helpless, suffering from the pangs of hunger and thirst, wounded all over the body, the Prince of Martyrs did not for a moment wish the cup was rather not given to him, did not for a moment imagine that his Lord had forsaken him. No trial—mock or real was held and he died with the name of the loving Lord on his lips, so that the Message may live.

ATHENS AND KERBELA.

A COMPARISON.

(BY PROF. ATHER HUSAIN, M. A.)

And, because right is right, to follow right
Were wisdom in the scorn of consequence.

Tennyson.

In 399 B. C. an ordinary Athenian criminal tribunal tried, found guilty and sentenced to death that unique product and outstanding personality of ancient Greece whose sacred memory the world at large continues to honour even until today by referring to him as 'Socrates, the wisest of all men.' The prime cause of his condemnation lay in the unpopularity he had earned by his life-long habit of cross-questioning his fellow men compelling them to render an account of their own lives and acknowledge their own ignorance. Few of us enjoy to be proved ignorant, and Socrates knew full well that by his merciless and unceasing cross-examination of those who came in contact with him, he was adding to his unpopularity and swelling the number of

all we know or can say ! The Evil One does succeed in decoying the evil ones. The throne vacated by the master was now occupied by one such The yearnings of this occupier of the Master's throne were those of the old pagan days. To him the kingdom of the earth was all that mattered. He cared not for the kingdom of Heavan. The wicked plays and the past times of the pagan days of Arabia appealed to the perverted nature of this wicked prince and his muddy soul revolted at the pure teachings of the Master. Power, temporal power, of this despot, soon began to undermine the noble lessons of the great preceptor. It looked as if the message had come to live for the brief span of half a century only that rolled away in the twinkling of an eye ! As if it was the dream of a moment ! Where was the mercy that Mahommad had proclaimed with burning eloquence ? Gross tyrany, abject cruelty, monstrous wickedness were on the surface. And for a moment it looked as if all was lost. It was a desparate malady and required a desparate cure. A price must be paid for the preservation of the Faith—a very great price, great in proportion to the greatness of the cause, in proportion to the intensity of the Light, that was sought to be retained to be perpetuated till the last moment of the earth's existence in space. A great sacrifice was needed as the price, a sacrifice that should stagger humanity in all ages and in all climates. In order to non-co-operate with the tyrant, some one must come forward who was prepared to give his all and follow the Lord. God's earth did provide a great soul that did this, a great soul that stood up for Truth for Right, for Justice, aye for the maintenance of the Divine Light, thrown across the path by the Lord Mahommed. The house of Mahommed himself did furnish such a soul ! It was Husain, his grandson, the beloved son of his beloved daughter, Fatima, "Our Lady of Light." This noble son of Ali, the Lion of the Lord, on the 10th day of Moharrum Al Hijra 61, sacrificed his all that he had in the world at Kerbella. There on the burning sand of the desert of ancient Niniveh, this prince of Martyrs faced his trial of tortures that pales into insignificance those witnessed at Mount Calvary six centuries ago Here on the burning sand of Iraq, this great soul sacrificed his brothers his cousins his nephews, friends a hundred souls all, within a few hours. The tyrant demanded allegiance, acknowledge-

of a short duration as a life of preparation for the eternal life of bliss hereafter.

The great messenger delivered his message in the language the like of which was never heard before From day to day, from month to month and year to year for a quarter of a century the message was deliverd in the language burning with eloqueuce in spirit that was dauntless, by the preacher who was at first scorned and ridiculed, who was put to the utmost misery and pain. He preached, he prayed, he beseeched, he threatened, and he comforted and he loved and in the end accomplished his great purpose nay the purpose of his Master, before whom he now stood bowing thankfulness for the fulfilment of his mission. From one end of in this mysterious but thrice blessed land of Arabia was abolished, as if they never did exist before the vices that ate through the vitality of the nation. They were purified with the sacred water of Islam, the path of absolute surrender to the Will that pervades the Universe, the Will of All Merciful God who loves his creation, blesses and guides it. This supreme Lord, this Soul of the infinite Universe, whom tue Infinite Universe belonged and all that was beyond it was now worshipped in place of the things in the Universe, in place of the phenomena of the Universe which were hithertofore taken as the manifestations of the Deity. Islam of Mahommed liberated the human being from the bondage of heathenism and from one end of the land to the other went up the cry there was no God but the one, the Absolute and Mohammed was his chosen Prophet - the seal of Prophethood—the best of men' In the twinkling of the eye as it were, pagan Arab was changed into a highly civilized citizen of the world. Even as the Master was acknowledging the homage of princes and proud nobility, news was pouring in from all directions, from distant lands and from different nations on God's earth of the acceptance of the Truth. The voice was heard, the mission was accomplished, the Path completeted blessing of the merciful consumated and the messenger departed.

Half a century passes. Curious has been the construction of man's mind. It has always remained inscrutable. Human nature, and that is

The gospel propagated by the early disciples of the Master of Bethlehem was monopolized by a selfish fraternity of worldly priests to whom the kingdom of the earth was of greater concern than the kingdom of Heaven. Then none sold his all, or his anything, and followed the Lord, and the faith of no one made him or her whole. It was merely the vague remembrance of a dream of blissful fantacies. Christianity as taught by Jesus had ceased to exist. In the land of the Rishis was forgotten the message they brought of Bhakti and love The message was locked up within the breast of the very same worldly priest and over the noble foundation laid by the great Souls of Ancient Aryavrat, were erected ugly structures of gross superstition of revolting Shakti worship. Gautama's teachings were translated into selfish and profitless monasticism where the care was of this life and not the next.

All the messages of the high and mighty souls did at one time or the other penetrate into the mysterious land of Arabia, but none of these messages resounded there or reverberated for any length of time. The echoes of the last such message first delivered to the fishers of Galilee reached this mysterious land, but it was not re-echoed and in the sixth century of the era of Jesus Arabia was enveloped, if anything, in a denser darkness of ignorance. Its moral fabric was rotten to the core. The cry used to go up even as it did go up in the past "How long Oh Lord." Was God's beautiful earth to be left in a state of moral depravity and spiritual bankruptcy ? Was the loving name of the Creator going to be reduced to a mockery expressed in the most hideous and revolting heathenism ? No ! the mercy of the All Merciful was again to bless the denizens of the earth even as it did bless them in the days of yore. Nay ! more ! the blessing that was now to be pronounced was destined to be an abiding blessing and it came to pass that in the year of grace there appeared on the desert land of Arabia another Seer, another and a mightier and a more loving torch-bearer of the Path, to proclaim once again the message of Love, to re-unite the human family to the common bond of brother hood—a brother-hood of Faith that taught of the earthly life

THE LIGHT THAT DID NOT FAIL.

(*Contributed*)

FROM the recorded periods of hoary antiquity down to the days of chronicled history, humanity appears to us at various stages during its onward march in evolution enveloped in dense darkness of moral decay groping its way, and, it also appears from these records and chronicled history that at every such stage, when everything looks desparately hopeless, there appears a beacon light, a voice leading the struggling humanity out to the light of moral elevation into the light of Peace, towards the Path of Hope, Faith and Love

These records, these chronicles keep repeating. Now it is the long forgotton Seers of Egypt, Egypt of hoary antiquity; then the Rishis of ancient India preaching of the life beyond the mundane. Here the venerable Patriarch Abrahim proclaiming with all the force that he could command that it was not the trees, the stars, the sun or the moon that were the creators but parts of a vast creation of the One Great Creator; there you will find Moses delivering his code to the Israelites. Again on the shores of Galilee, you observe the great soul Christ Jesus preaching the gospel of Love and Sacrifice. Humanity listens to these messages, obeys the code, follows the direction given. For a few days—a few centuries pass with the rapidity of a few days—the name of a Holy One, the Lord of the Universe, the one God is uttered and is adored. The scene shifts with lightening rapidity and even as the flash of lightening is followed by intense darkness, the stage once again presents a picture of ghastly ignorance of moral chaos. Deep and impenetrable darkness once more envelopes the family of human beings.

In the sixth century of the era ushered in by the meek Jesus, the world presented one such sickening spectacle of moral bankruptcy, hopeless ignorance, moral coma. In the land of the Pharoahs, was forgotten the teaching of the ancient seers obliterated were the lessons of the patriarchs and the code of Moses was a dead letter, the Tora was merely a book of stories or an ornament to adorn the shelves of the Synagogues.

Maulana.—To be candid, I myself am strictly orthodox, and identify myself with that section which refuses to conutenance the slightest alteration in the teachings of Islam. The words of the Tradition of our Prophet that "He who interprets the Qouran according to his own opinion should be prepared to accomodate himself in Hell," are indelibly impressed on my mind. Let alone the Fundamental Principles, I am one of those who try to act in confirmation with the precepts of the least significance For instance, my companion, Mr. Ali Mohammed Jaffer Mohammed who is deputising for the President of the Local Muslim Association, had taken a photographer with him, as he proposed to have a picture of our meeting, but I refused point blank to accede to his request, and sent back the photographer. Pictures have led to idol-worship, and a photograph that might be taken to-day as a mere memento, might at some future date become an object of adoration to some over-zealous admirers who might be carried , away by misconceived fervour. Islam has, therefore, disallowed this practice, and I submit to its veto, and never give permission to take my picture, but if anyone takes it without my consent, well, the responsibi ity is his. I have said all this, so that you may be able to guage the extent to which I must be orthodox, where the main Principles of Islam are concerned, when I am so punctilious regarding such a point of detail, which in the opinion of some ultra-modern Muslims, is permissible.

George Bernard Shaw.—I have been very pleased to make your acquaintance, and it will be the most precious of all memories of this trip of mine.

(Bidding farewell to each other, the Maulana Saheb wishing George Bernard Shaw a bon voyage they parted, and George Bernard Shaw was seen standing in the verandah waving his hand till the car went out of sight.)

leave for the Docks. Mr. Shaw said, he must certainly make a move, then, and turning to Maulana Saheb, said:)

George Bernard Shaw. Your conversation is so very interesting and informative that I would like to have the privilege of enjoying your company for years, but unfortunately I have to leave now.

Maulana I also ardently desire to have the benefit of exchanging views with such a cultured and learned scholar as yourself, particularly, when I find that an inadequate acquaintance with the teachings of Islam from unauthentic and perhaps tainted sources has evoked such a positive and optimistic statement from you regarding Islam, that **"The further religion of the educated cultured, and enlightened people will be Islam."** I would like to speak to you about the profound philosophy and psychological truths the Qouran expounds, so that a gifted and erudite savant of your parts and genius, perfectly familiar with the tastes and mental tendencies of the civilised world can present them to it in an effective and desirable manner

George Bernard Shaw. I am really very sorry that I could secure such a short time for speaking to a learned sage like yourself.

Maulana.—I am, however, grateful even for this opportunity and avail myself of the occasion to present to you the printed copies of of two of my lectures on "Religious and Scientific Progress of the World," and 'Spiritual Culture in Islam,' which I recently delivered at Durban. I also give you this booklet on 'Islam" by my friend, Mr. Elias Burney, M. A. a Professor of Economics at the Usmania University, Hyderabad, Deccan, who has made a classified collection of the Qouranic verses under vartious heads with oxplanatory notes. You will, please, read them, and communicate to me on any point from these or any other connected with Islam, and I shall try my level best to elucidate them and meet your criticisms, if any, in the light of Qouranic teachings

George Bernard Shaw.—There is no doubt that your way of presenting the Islamic teaching is very fascinating, but does the orthodox section of Muslims agree with you ?

and the nucleus and electrons of the atoms were concentrated into a mass, the whole matter of a grown man's body would be so small that it could not be seen with the naked eye" Hence if it is possible for a scientist to accept without positive proof that an average electron flies round its nucleus several thousand million million times every second, and base the formation of solid physical organisms on their wave radiations, there should be no difficulty for him to imagine the soul and body in a form suitable to the conditions of the kind of happiness or grief to be met with in the great beyond. A very hazy picture of those states can be said to reflect itself in those weird experiences of ours which we call dreams.

George Bernard Shaw. This is really a very beautiful, eloquent, and gratifying explanation, but will the present day Muslims be prepared to accept it.

Maulana.—This description is by no means a concoction of my brain, but as I have alreday said, it is propounded by the Qouran. I cannot claim any credit even for the manner of description, because my great predecessors, Imams Fakhruddin Razi, Gazali, and Mohi Uddin-ibne Arabi, when addressing enligtened philosophers like yourself expressed themselves in similar terms. If I may say it in the oriental style, I have only gathered a few crumbs from their tables of magnificent feasts

All the teachings of Islam are rational; there are no mysteries and doggmas. They only require to be explained in a proper light to transfuse their correct sense. It is difficult to understand the literature of any art with which we are not conversant. Hence in order to grasp and assimilate the problemetical points related to any art, we must first acquire knowledge and cultivate intimate acquaintance with that particular art. If we then seek their solution in the light of this knowledge, we shall easily understand them. (At this stage Mr. Shaw's hostess came in, and Mr. Shaw introduced Maulana Saheb to her. Addressing Mr. Shaw, she said that it was almost time for him to

and likewise their violation entails spiritual torture and tribulation. Now if according to the law of progress, everything is heading for advance, there must naturally be a zenith of it, and beyond that there must be on point of further progress. Comfort or happiness, and grief of suffering are two states which a person experiences in this life; hence there must be an extreme point of both these states. This very extreme point of pleasure or bliss called is Heaven and the extreme point of pain or sorrow Hell.

Just as there are material media that are either conducive to happiness or instrumental inflicting suffering in this world so must there be some kind of media to procreate that state of bliss or generate pain and suffering in the other world. A metaphorical word-picture of the former has been sketched to portray Heaven, and the tremendously appalling and dreadful portrait ef torments has been drawn to symbolise Hell. Now this other world which we call spiritual or celestial is neither like this material world, nor is it purely spiritual having no connection, whatsoever, with matter, and where there are only souls utterly free from matter.

The human being, body and soul together, is responsible or accountable for his activities. Hence the soul in partnership whith the quintessence of this very physical organism will meet with the kind of happiness or grief suitable to the conditions, obtaining in that world Now it only remains to define matter, but as you know, this is not possible even at the persent stage of scientific progress. For, what matter really is, is a conundrum that has not been solved inspite of the attempts made by the best human brains. Far from succeeding in analysing it chemically, the greatest scientists have not been able even to picture its reality. The culminating point of scientific research up-to-date is the establishment of the Theory of Protons and Electrons, according to which the wave radiations of these are the basis of the universe and every physical body in its solid form is the result of those very radiations. This is what the magazine 'The World of Wonder" says about matter: "Matter seems very solid, but men of science tell us that if all the spaces in the atoms that make up our bodies were done away with,

-ise the mentality of the readers. I am sure, you will agree with me on this point, that material language cannot possibly act as an apt vehicle for the accurate conveyance of the significance and reality of spiritual problems, and phenomena without the help of metaphors and similies, and these at best can serve to frame analogies One must, therefore bear this fact in mind, and make due allowances for the mode of expression in describing Hell and Heaven in the Qouran. Simultaneously, however, with such illustrations that confine their appeal to physical senses, God Almighty stipulates in the clearest terms not be too inquisitive regarding the true nature of the blessings of Heaven,

So no one knows what is in store for them of that which will refresh the eyes.

Ch. XXXII Verse 17.

فلا تعلم نفس ما اخفى لهم من قرة اعين (سجدة)

And under no circumstances, think of them in any way compara-ble, to the objects of this world.

ما لا عين رأت , لا أذن سمعت , لا خطر على قلب بشر
(الحديث القدسي بخاري)

"The reality of their constitution has been neither witnessed by any human eyes, nor have the ears listened to words capable of expres-sing it; it is, indeed beyond the pale of human imagination, and even a perfunctory surrogate of it cannot be visualised." How can it be asserted in the face of this pronounced explanation that the blessings of Heaven resemble in any way, whatsoever, the things that please us or contribute to our happiness in this world. The truth of matter, on the contrary, is, that just as a consequence of compliance with natural or physical laws, material progress and comfort commensurate with the degree of compre-hension and execution follow, as a matter of course, so in proportion to allegiance or adherence to moral and spiritual laws, and their translation into practice, one attains the utmost possible spiritual bliss and beatitude,

it is optional in others; some endings are to be fully pronounced, whilst others are quiscent etc. The correct accents, pronunciations, accurate halts, etc., are so intricate and difficult of acquisition, that the Qouranic elocution has been evolved into the distinct art, and copious volumes have been written on its theory and practice.

G. B. S.—All this is rather astonishing and new to me. I was also surprised to learn that you delivered a speech on "Islam and Science" at Nairobi. What I find difficult to understand is that how can you possibly present the picture of Heaven and Hell which is portrayed in the Qouran in a manner, convincing to persons conversant with science, whose minds are inured to accept nothing without visible or palpable proof. I hold the Prophet of Arabia in a great esteem I can quite understand that it would have been impossible to restrain and wean that illiterate, ignorant, and perverse race, sunk in the miasma of utter moral depravity, from committing the most heinous of crimes, and imbue its people with enthusiasm t strive after rightousness and assimilate high morals and virtues without projecting such a terrible and intensely awe-inspiring spectacle of Hell, and an equally captivating and enticing image of a land flowing with milk and honey to represent Heaven before their vision. I also very much admire the forcible and striking diction of the Qouran. What elegant grace and beauty characterises that passage which depicts the dreadful scence of the doomsday field, and when dealing with infanticide dramatically leaves off at the question,

(بای ذنب قتلت)

" For what crime wert thou slain ?" to the innocent child that was buried alive or put to death. In my opinion, it is the most effective way of the people. But I am afraid, I am digressing, for I would very much like to know, how the problem of the Heaven and Hell, can possibly be elucidated in the light of science.

Maulana.—You are a master of the art of writing, and your enchantingly novel literary productions with your magical pen revolution-

now achieved a very high standard, and the process of raising it still higher is being continued.

Maulana —Although the translations of the Bible may attain the highest stage of the perfection from the standpoint of language, one can not say, under any circumstances, that they contain the original message of the Christianity, or are the genuine versions of the teachings of Jesus Chirst, for the original message, as you know, in its unalloyed purity, as delivered by Jesus, is no more extant. The result of the numerous lections of the Bible, and the absence of the original manuscript, is confusion worse confounded, and a seeker after truth cannot quench his thirst at its hydroid font whilst the Qouran in contrast, has been preserved in manner, that there has not been the slightest change, not even to the extent of a letter or a dot. Hence if we want to know the real teaching of Christianty, we must look for them in the Qouran.

G, B. S.—Has there been really no alteration in the Qouran, and is it absolutely preserved in its original? Did prophet Mohammed know to write and is his write, and is his writing in existence?

Mualana.—There is a complete and authentic record of each and every word, letter and even the signs, and marks of punctuation, of the Qouran. The Prophet immediately following the revelation of the verses to him, used to send for the special scribes appointed for the purpose and dictate the same to them. When transcribed, he would ask them to recite what they have written, and after listening to and verifying it, would explain to them its meaning. The manuscripts in the handwriting of one of the most honoured and trusted amoung the scribes by name, Zaid bin Sabit, are preserved intact in the archives of Constantinople and Medina, and all the editions of the Qouran in the world are their exact copies, without, so to say, the difference of a comma or a dash.

G. B. S.—What, are there punctuation marks in the Qouran.

Maulana.—The punctuation marks in the English language merely comprise commas, colons semi-colons, full points etc., but the principles of Qouranic elocution comprehend numerous signs of a different kind. For instance a stop is compulsory in certain places whilst

G. B. S.—The translations of the Qouran which I have read, certainly, go to substantiate your statements. I very much prefer the translation made by one who has adopted a different variation of the arrangement of the verses to that which is generally followed by other translators. I had it always with me during my tour of Morocco and Algeria, and my occasional references to its contents proved to be a perennial source of diversion and curious amusement to the muslims of those lands. It is one of the editions of "Every Man's Library,' and I have commended its wider publicity to some of the publishers.

Maulana. The translation, you allude to, is that of Mr. Rodwell!

G. B. S—Yes.

Maulana.—There is no doubt that Mr. Rodwell has expended a great deal of energy and industry in translating the Chapters of the Qouran in their chronological order, but as his knowledge of the Arabic literature and Islamic History was not sufficiently wide and profound, a considesable number of translated passages are so misleading and contain such flagrant mistakes, (which, I, by no means, attribute to a deliberate intent on his part, but I have already said, they may be the result of his limited knowledge in the said spheres) that they are creating, and are likely to create wrong impressions about Islam. As far as the translations of the Qouran are concerned, I would recommend you to read "The Meaning of the Glorious Koran" by Mr. Marmaduke Pickthall, and I am sure, that its perusal will enable you to appreciate considerably more the exquisite beauty, sublime transcendence, the appealing and impressive style of the Qouran's perspective However, I do not imply, that it is a perfect version of the Original for you, yourself, can aptly judge, being admittedly splendid writer, that inspite of the translator being the ablest, he can never transmit the force and brilliance of your original writings, into his translation.

G. B. S—it is quite true that the original spirit of the original cannot be transplanted into its translation in another language, and the same is the case with the translations of the Bible, but they have

the Muslim masses agree with your interpretation, and do they believe that Islam was not and should not be spread by force ?

Maulana.—Every Muslim is bound to endorse it, for whatever I say is precisely what the Qouran says, and my own views or conceptions have nothing to do with it. Many books have been written on this subject, and Syed Amir Ali, Sir Syed Ahmed Khan, Allama Shibli, and other learned Doctors of Islamic Theology have exhaustively dealt with all the aspects of this problem in their books.

G. B. S.—I know that there is a considerable amount of concord between Islam and Christianity !

Maulana.—The correspondence is not merely nominal or superficial, for the Qouran expressly predicates, that when the ultimate source of origin of an inspired or revealed and Divine religion is the Being of God, unanimity in such revelations, is indispensable. Islam has been conceived as a new religion, but according to the Qouran itself, the religion preached by it is the same that was promulgated by all the true Prophets, and from Abraham right upto Jesus, God deputed them one and all, for the dissemination of much the same teachings. It was only because their original teachings were either tampered with, corrupted, and their authenticity became dubious, that the Almighty God sent the last Prophet, and the last Book, to restate, confirm, and complete His original Message. The Holy Qouran has made this quite clear by saying that

"We ordained you the religion which we commanded Noah, and which we have revealed unto thee, (O Mohammed) and which we commanded Abraham, and Moses, and Jesus: saying, Observe this religion and be not divided therein."

Ch XLII, Verse 13.

شرع لكم من الدين ما وصى به نوحاً ، والذي اوحينا اليك و ما وصينا به

ابراهيم و موسى و عيسى ان اقيموا الدين و لا تتفرقوا فيه (شورى)

preaching of the oneness of God by Islam, was a great obstacle in their path, and their selffabricated Divine authority was at stake, launched an unscruplous campaign against Islam and Muslims. They instigated the credulous medieval Europe to wage the so called 'Holy wars' against Islam and Muslims, by circulating blood-curdling tales of imaginary atrocities by Muslims on Christians, describing the Muslims, as inveterate enemies of their religion, property and persons. Obviously, therefore, these Church dignitaries alone can be held liable to account for those cruel, protracted, futile wars, and not the original teachings of Christianity or Islam and the Muslims.

Further, if we grant as a supposition, that some Muslim rulers and tribes, actuated by the lust of conquest, became aggressors, long after the advent of Islam, and let slip the dogs of war for self-aggrandisement, we can in fairness, condemn those individuals for the reprehensible acts, and surely not Islam. In this connection, I happen to have made certain remarks recently, in one of my speeches at Durban, and as they are very pertinent, I would like to repeat them to you. (So saying the Maulana Saheb read out the following passage from a booklet which he was carrying with him.) "If the people immersed in paganism and superstition, ignorant of the real teachings of the religion wage wars in its name, the responsibility is theirs, and no blame can be ascribed to religion. Were not millions of human beings killed during the Great War in the name of "peace. justice," and the laudable object of "safeguarding the rights of weaker nations"? Should we then condemn the humane and noble qualities, because the statesmen, under the cover of their names, sanctioned the inhuman slaughter for the attainment of their own selfish ends?"

G. B. S.—There is no doubt that the Roman Church fanatics were, to a great extent, responsible for the sad events, and the pure teachings of Christianity have no concern with their occurence It may also be admitted, that a great many misunderstandings prevail regarding Islam, and that it is being widely misrepresented, but do

sequently Divine, they cannot but emphatically veto violence of any manner in respect of belief, and enjoin its inculcation by means of arguments and rational discourses. As far as Islam is concerned the Qouran distinctly says:-

"So that he who perisheth hereafter may perish after demonstrative evidence, and that he who liveth may live by the same evidence."

ليهلك من هلك عن بينة ويحيى من حي عن بينة (انفال)

Ch. VIII, Verse 42.

The method that Islam teaches for its propagation, and to which its acceptance by all reasonable men and its spread to all the corners of the world in the past and the present is due, consists of the Qouranic dictum,

" Invite people in the way of your lord with wisdom and mild exhortations, and dispute with them in the most conciliating manner "

أدع الى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هي احسن (نحل)

Ch XVI Verse 125.

History bears testimony to the fact that **"Christ was declared consubstantial," with the father.** by the Council of Nice, convened by Constantine in Bithynia in the year 325 A C. and to enforce the belief in the Divinity of Christ, there followed that horrid, inhuman slaughter of thousands of innocent people who refused to accept the Divinity of Christ, not only in Europe, but in the sacred city of Jerusalem, as well; but inspite of it all, I can never hold the real Christianity responsible for it. Of course, those representatives of the Church who wanted to impress the hearts of the people with their power and greatness, and perpetuate their priestly authority, ensuring the people's submission to their will, can be rightly saddled with all the blame. Similarly, the sanguinary wars, known as Crusades, were the outcome of the Machiavellian machinations of such interested ecclesiastical groups of men, who, realising, that the uncompromising

The conversation which followed was very interesting, though devoid of Shavian Shafts and sarcasms, perhaps, because, the usual roles of George Bernard Shaw interviews were reversed in this case, for it was George Bernard Shaw who asked the questions of the interviewer, and listened attentively to the prompt, lucid, and informative replies of the Maulana.

As an indirect account of the lively discussion might rob it of its personal touch, it is preferable that the stalwarts are now made to speak for themselves.

George Bernard Shaw.-I regret, I was not able, on account of a previous engagement, to attend your lecture last night although I was very keen on doing so. You spoke on the Philosophy of Peace, but as a Muslim, it would have been more appropriate if you had delivered a lecture on the Philosophy of War, for Islam, doubtless, has spread at the point of sword.

Maulana.- This is a common misunderstanding regarding Islam I was dealing with this prbolem only last night, and I am really suprised that this myth, which has been thoroughly exploded by now should receive any notice from a research scholar of your calibre. However, I may briefly tell you, now, that the literal meaning of the very word "Islam" is peace. An authentic record of the Teachings of Islam in the pristine purity has been preservd intact in the Koran and the Traditions. They go to establish, beyond the shadow of a doubt, that Islam permits the use of sword only when wantonly attacked and compelled to defend itself. Besides there is an explicit injunction in the Holy Qouran that

"There is no coercion in religion," لااكراه في الدين

Ch. II. Verse 42.

thus clearly forbidding the use of force or compulsion in matters of religion. As a matter of fact, I entertain the same conviction regarding the teachings of genuine Christianity, for our sense of reasoning tells us that if they be revelations, and their source of emanation be con-

A SHAVIAN AND A THEOLOGIAN

(By K S Anwari.)

HIS Holiness Maulana Mohammed Abdul Aleem Siddiqui the eminent Muslim divine, who was on a visit to Mombasa, interviewed George Bernard Shaw, the world renowned Irish savant who was passing through there on his way to South Africa on a holiday. The Union Castle Liner, Linlithglow by which he was travelling stopped for three days at the Island, and George Bernard Shaw was a guest of the Resident Magistrate of Mombasa, a distant relative whom he had never met before. When the Maulana Saheb arrived at the Bungalow of Mr. Shaw, the Magistrate, on Wednesday morning, the 17th of April, George Bernard Shaw at once came out to receive him.

George Bernard Shaw, a well-built medium statured erect and imposing figure, a gentleman of noble mien, was smiling not the smile of the sceptic, that flickers round the corners of the lips, but one of real welcome suffused his face and there was nothing Shavian about him, if the phonetic pun be permissible, for even his chin was not shaved, and a long flowing beard, on the contrary, imparted a serene dignity to his falsely represented Freudian, features. Full of vim and vigour, if it were not for the grey colour of his hair, beard, and eye brows, he could scarcely be credited with the four score years, which, strange to say, he carries with almost youthful buoyancy.

As the Maulana Saheb, a venerable figure in his dignified Arabic robes, comparatively very young, for he is only forty-three although his grey hair due to chronic catarrh, and unceasingly intense mental strain, made him look much older, stepped out of the car, there was a hearty exchange of greetings after which the Maulana Saheb expressed his great pleasure at meeting him. The Grand Old Man immediately rejoined, that having heard about his missionary exploits and his novel way of preaching Islam he himself was very eager to know him, and it was, indeed, a very happy coincidence, that they had met there that day.

THE ISLAMIC WORLD.

BUDAUN. U. P.

Vol. 2 OCTOBER & NOVEMBER Nos. 8 & 9.

1938.

In 1928, when I was on my way to China I heard from some of my friends at Singapur the name of Maulana Abdul Aleem Siddiqui of Meerut, a renowned Muslim Missionary of great repute. I was very anxious to meet him but unfortunately could not get an opportunity. Where ever I went I heard much about him in that part of the globe but was grieved to learn every where I went that he had just left the place only a day or two before my arrival. He went to Java, Siam and other places in the East. I had a faint idea of seeing him at Singapore on my return from shanghai (China) but to my greatest disappointment he had sailed for India only a little before my arrival. Last year I went to Meerut and cannot express my feelings of joy and pleasure when I heard from one of my friends that the Maulana was present there. I called on him one afternoon and he received me so warmly that I cannot find words to express my sense of gratitude to him. We had a long talk on different subjects. I gave him a few copies of the Islamic World which he appreciated very much. I asked him to help the Magazine by contributing to it accosionally and this he promised to do if time permitted. He however, gave me a few copies of his lectures and other kind of his works in English to publish them in the Magazine I am now putting before my readers his illuminating conversation with George Bernard Shaw, the renowned dramatist-whom he met at Mombasa in April 1935. I am giving the whole account of the interview as is found in 'A Shavian and a Theologian," but I shall give my own notes wherever necessary in case there is some difference in the points of view of the author and myself.

L. A. HAIDARI.

Muslim Missionary.

THE ISLAMIC WORLD.

BUDAUN, U. P.

Vol. 2 OCTOBER & NOVEMBER Nos. 8 & 9.

1938.

SPECIAL FEATURES.

Regd. No. A 3086.

THE ISLAMIC WORLD

BUDAUN. U. P.

Vol. 2 OCTOBER & NOV. 1938. Nos 8 & 9

ANNUAL SUBSCRIPTION.

INDIA Rs. 4/- SINGLE COPY (INDIA) -/7/-
FOREIGN Rs. 6/- .... FOREIGN -/9/-

HONORARY EDITOR--
Dr. S. E. A. SHAH NAQVI.

MANAGER & PUBLISHER
A L I A S H R A F
KAZI STREET BUDAUN.

Printed by Ahid Uddin at the Nizami Press, Budaun